اور سیف الکلام" بنا دیا۔ ان کے کلام میں پختگی خیالات

میں بلندی اور بیان میں رعنائی پائی جاتی ہے۔

وہ اساتذہ کی طرح زمانے کے بھی نبض شناس ہیں،

اور عصری رجحانات کو آہنگ غزل میں بڑی خوبی کے

ساتھ بیان کر جاتے ہیں وہ قدیم روایات کا احترام کرتے

ہیں۔ لیکن جدید روایات کے محاسن کو بھی اپنانے سے

گریز نہیں کرتے کلام خوشتر ان دونوں خوبیوں کا

حسین امتزاج ہے۔

ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی

شعبۂ اردو لکھنؤ یونیورسٹی

لکھنؤ

افکارِ خوشتر

ڈاکٹر ممتاز احمد خاں خوشتر کھنڈوی

یکے از مطبوعات مکتبہ دین و ادب ۔ لکھنؤ

مصنّف .. .. .. ڈاکٹر ممتاز احمد خاں خوشتر کھنڈوی۔ گھاپورہ۔ کھنڈوہ
بہ اہتمام .. .. .. ساجد صدیقی ★ والی آسی
ناشر .. .. .. مکتبہ دین و ادب۔ کچا احاطہ۔ لکھنؤ
کتابت .. .. .. سلامت رضوی لکھنوی (بمبئی)
حسن کار .. .. .. عتیق دہلوی (بمبئی)
بلاک ساز .. .. .. ایکسپریس بلاک ورکس (بمبئی)
جلد ساز .. .. .. حشمت علی۔ ہندوستان بک بائنڈنگ ہاؤس لکھنؤ
طابع .. .. .. شاہی پریس۔ لکھنؤ

قیمت

دس روپے پچاس پیسے

(علاوہ محصول ڈاک)

سول ایجنٹ

عبدالباری آسی اکاڈمی۔ ۱۰ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ

ڈاکٹر ممتاز احمد خاں خوشتر کھنڈوی

سنہ ۱۹۵۱ء

مصنّف ایک نظر میں

- نام : (ڈاکٹر) ممتاز احمد خاں
- تخلص : خوشتر کھنڈوی
- وطن : کھنڈوہ (مدھیہ پردیش)
- وطن مالوف : پرسدے پور ضلع سلطانپور (یو - پی)
- تاریخ پیدائش : یکم اکتوبر ۱۹۱۰ء بمقام کھنڈوہ
- تلمّذ : مولانا ابوالحسن ناطق گلاوٹھوی
- تعلیم : سینیئر کیمبرج - ایل - ایم - پی - سی - پی ناگپور میڈیکل کالج
- پیشہ : طبابت (ڈاکٹری)
- مشاغل : مطالعہ و تصنیف و تالیف ـــــ ادبی و شعری محفلوں میں شرکت
- محبوب صنف سخن : غزل
- قیام : محلہ گھاس پورہ - کھنڈوہ (مدھیہ پردیش)

اِنتساب

میں اپنی ناچیز تصنیف کا انتساب تمام قدردانِ
اُردو، شعر نواز حضرات، اربابِ علم و ہنر،
قدرشناس ادب و فن، اور سخنورانِ باکمال
کے نام کرتا ہوں۔ جن سے مجھے اُمید ہے کہ
میری اس حقیر کوشش کو اپنی پسند سے
نوازیں گے!

بندۂ ناچیز

ممتاز خوشتر کھنڈوی

RASHTRAPATI BHAVAN,
NEW DELHI-4
राष्ट्रपति भवन,
नई दिल्ली-4।

May 6, 1965.

Dear Dr. Khushtar,

Thank you for your letter.
I wish you success in your enterprise
With the best wishes,

Yours sincerely,

(S. Radhakrishnan)

Dr. Mumtaz Ahmad Khan Khushtar,
Vice President, Municipal Committee,
Khandwa (M.P.)

उपराष्ट्रपति, भारत
नई देहली
VICE-PRESIDENT
INDIA
NEW DELHI

مورخہ ۸ مارچ سنہ ۶۵

مکرم بندہ — السلام علیکم،

نوازش نامہ ملا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔

یہ معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی کہ آپ اپنا مجموعہ کلام شائع فرما رہے ہیں۔

خدا مبارک کرے۔

والسلام

مخلص

ذاکر

(ذاکر حسین)

جناب ڈاکٹر ممتاز احمد خاں صاحب "خوشتر"

وائس پریسیڈنٹ میونسپل کمیٹی

کھنڈوہ — (مدھیہ پردیش)

पद्मभूषण
डॉ. माखनलाल चतुर्वेदी

खण्डवा
२७ अप्रेल १९६६

डाक्टर मुमताज अहमद खां साहब "खुश्तर" की खण्डवा के प्रमुख उर्दू लेखकों में गणना है। पेशे से डाक्टर होते हुए भी आपकी साहित्य से गहरी अभिरुचि है। गत २५ : ३० वर्षों से डाक्टर खां साहब की शायरी एवं नज़में मुझे सुनने के अनेक मौक़े आए और मैं सदा ही आपकी शायरी से प्रभावित रहा हूं। नगर में कई ऊंचे दर्जे के मुशायरे डाक्टर साहब की प्रेरणा एवं लगन के सबब समय समय पर आयोजित हुए हैं जिनकी उर्दू संसार मे काफी चर्चा हुई है। यदि "खुश्तर" साहब को निमाड़ जिले की उर्दू साहित्यिक गतिविधियों एवं तरक़्क़ी का पूर्ण श्रेय दिया जाय तो कोई ज्यादती न होगी।

इधर गत कुछ वर्षों से डाक्टर "खुश्तर" साहब की शायरी में एक नया निखार आया है। अब उनकी शोहरत जिले व सूबे की सीमा को भी पार कर गई है और अखिल भारतीय शायरों में उनकी गिनती होने लगी है।

डाक्टर साहब का वर्त्तमान कविता संग्रह "दीवान" उर्दू भाषी जनता के सामने पेश है। मुझे पूरा भरोसा है कि इस सग्रह का उर्दू भाषी जनता में सम्मान होगा। डाक्टर साहब मेरे बहुत अज़ीज़ हैं। मैं उनकी और अधिक तरक़्क़ी की कामना करता हूं।

सही
माखनलाल चतुर्वेदी

ترتیب

دورِ جدید ۱۹۳۴ء سے ۱۹۶۶ء تک کی غزلیں

افکارِ خوشتر

ڈاکٹر ممتاز احمد خاں خوشتر کھنڈوی

جناب ڈاکٹر
ممتاز احمد خاں صاحب
خوشتر کھنڈوہ

کچھ اپنے بارے میں

ڈاکٹر ممتاز خوشتر کھنڈوی

میرا نام ممتاز احمد خاں تخلص خوشتر ابن رمضان خاں، آبائی وطن قصبہ پسیے پور ضلع سلطان پور (یوپی) ہے، میرے دادا اپنے والد کے انتقال کے بعد چند وجوہات کی بنا پر ترکِ وطن پر مجبور ہوئے اور کھنڈوہ چلے آئے، جہاں پر کچھ لوگ قصبۂ مذکور کے پہلے سے قیام پذیر تھے، میرے خاندان کے افراد اب بھی سلطان پور میں آباد ہیں۔ میرے مورثِ اعلیٰ قصبۂ مذکور کے پرانے رئیس تھے، اور زمیندارانہ زندگی بسر کرتے تھے، میرے دادا نے کھنڈوہ آکر کاشتکاری و تجارت شروع کی اور نہایت خوش حال زندگی بسر کرتے رہے، آخرِ عمر تک یہی ذریعۂ معاش رہا۔ جدّی جائیداد آج بھی سلطان پور میں موجود ہے، میرے والد چند سال ملازمت کرنے کے بعد ملازمت سے دستکش ہو کر تجارت شروع کر کے کھنڈوہ میں فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے رہے ہیں، اور ان کے ہی سرمایہ سے میں نے یہاں تک تعلیم حاصل کی کہ آج ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد کامیابی سے اپنے پیشہ کو چلا رہا ہوں، مجھے اپنی نجی پریکٹس کرتے ہوئے ۴۳ سال ہو گئے ہیں۔

ولادت کی صحیح تاریخ معلوم نہیں، ہاں اتنا معلوم ہے کہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوا۔ میرا مولد و مسکن کھنڈوہ ہے، ابتدائی تعلیم دینی مدرسہ میں ہوئی، چھ سال کی عمر میں قرآن پاک ختم

کرکے پرائمری اسکول میں داخل ہوا۔ چار سال میں پرائمری اسکول کا امتحان پاس کرکے ورناکیولر انگلش مڈل اسکول میں داخل ہوا، چار سال میں مڈل کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد ہائی اسکول کھنڈوہ میں تعلیم پائی۔ ۱۹۲۶ء میں سولہ سترہ سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے پاس کیا۔ اسی سال مدراس جاکر کیمبرج سینئر کا امتحان دیا، ۱۹۲۷ء میں ناگپور ڈاکٹری کالج میں داخل ہوکر پانچ سال میں ایل، ایم، پی، سی، پی کی ڈگری لی، چونکہ ملازمت کا خیال نہ تھا لہذا ۱۹۳۲ء سے آج تک خود کی ڈسپنسری چلا رہا ہوں۔

میری شادی ۱۹۳۱ء میں ہوئی تھی، میری ایک سال کی بچی اور میری اہلیہ کا انتقال ۱۹۳۴ء میں ہوگیا۔ دوسری شادی ۱۹۳۶ء میں ہوئی، میری والدہ محترمہ کا انتقال ۱۹۵۹ء میں ہوا۔ خدا کے فضل سے والد محترم بقید حیات ہیں۔

مجھے فارسی، اردو، ہندی، مرہٹی، گجراتی اور انگریزی زبانوں کی استعداد بقدر ضرورت حاصل ہے، عربی سے ناواقف نہیں، ذوقِ شعری میرا خاندانی ورثہ نہیں، لیکن مجھے قدرت نے ابتدا سنِ شعور ہی سے شعر کہنے کا شوق عطا فرمایا ہے، ابتدائی تعلیم کے بعد فارسی کی درسی کتابیں مولوی عبدالصمد صاحب عاقل مرحوم منشی فاضل سے پڑھیں انھیں سے چند دن بعد عروض پڑھا اور ابتدا میں یعنی ۱۹۲۳ء سے انھیں سے مشورۂ سخن کیا، اس طرح میری شاعری کی ابتدا ۱۹۲۳ء سے ہوئی ہے۔ لیکن ناگپور میں رہ کر شوقِ شاعری ماحول کو دیکھتے ہوئے کچھ اور بڑھ گیا۔ تلاش و جستجو بڑھتی گئی اور جس طرح ہر مبتدی کو رہبر جادۂ فنِ شاعری و خضرِ راہ رموز و نکاتِ سخن وری کی تلاش ہوتی ہے، ناگپور میں ۱۹۲۷ء میں میں نے بوساطت جناب سید ذوالفقار علی حیدر مرحوم و مغفور جو میرے مخلص دوست اور مولانائے محترم کے شاگرد تھے، مولانا ناطق مدظلہ سے اصلاح کلام و مشورۂ سخن کی صلاح دی۔ مولانائے محترم نے از راہِ کرم و تلطف منظور فرمایا اور آج تک شرف تلمذ حاصل ہے، ناگپور کے مشاعروں کی اکثر شرکت اور مولانا ناطق کے فیضانِ صحبت و سایۂ عاطفت سے شوقِ شاعری و ادب دوچند ہوگیا۔ شفیق استاد کی رہنمائی میں مراحلِ شاعری

طے کرتا رہا اور یہ سب ان ہی کی عنایتوں کا نتیجہ ہے کہ آج شعر و ادب میں میرا ایک مقام ہے۔
ناگپور میں ڈاکٹری تعلیم کے سلسلہ میں پانچ سال تک رہا۔ یہ پانچ سال میرے حاصل زیست تھے کہ ان ہی دنوں میں مشقِ سخن میں کافی انہماک رہا۔ قبلہ طوؔ مدظلہ، کے ہاں حاضر باشی اور اصلاح کے سلسلہ میں بحث و مباحثہ اور درس و تدریس نے نکاتِ شاعری سے بڑی حد تک واقف کر دیا۔ ابتدائے شوق میں تقریباً چار سال کی غیر مطبوعہ غزلیات و نظمیات کا خاصا ذخیرہ جمع تھا، لیکن مدراس سے واپسی پر جنوری ۱۹۲۶ء میں ڈھونڈ جنکشن پر میرا اٹیچی کیس غائب ہو کر مع اسباب کے سرمایۂ ادب بھی ضائع ہو گیا۔
میں نے شاعری کی ہر صنف میں لکھنے کی کوشش کی ہے، نظمیں، غزلیں، تاریخیں، سلام، نعت شریف اور قصیدے بھی لکھے لیکن غزل پر زیادہ توجہ رہی جس کا ⅓ حصہ ضائع ہو جانے کے باوجود نسبتاً کافی سرمایہ باقی ہے۔ نثر میرا میدان نہیں، ڈاکٹری پیشہ کے دوران غزلیں و نظمیں کہنے کے لئے ہی بمشکل سے وقت ملتا ہے، اسمیں بھی کبھی کبھی قلم اُٹھانے کی نوبت آئی اور کچھ لکھا لیکن جو کچھ لکھا وہ اتنا نہیں کہ میں اپنے آپ کو نثر کے میدان کا شہسوار کہہ سکوں۔ میری زندگی میں علمی مشاغل و ادبی دلچسپیوں کی کمی نہیں، ان دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ انہماک بھی رہا لیکن تسلسل و استقلال کا ہمیشہ ہی فقدان رہا۔ علمی مشاغل و مطالعہ سے مجھے بیحد اُنس ہے، آج بھی یہ حالت ہے کہ ڈاکٹری کے لٹریچر کو تو ہاتھ نہیں لگاتا، کبھی کبھی اپنے مطلب کی باتوں کو سرسری نظر سے دیکھ لیتا ہوں، لیکن ادبی اور مذہبی کتابوں سے اتنا لگاؤ ہے کہ کوئی اچھی کتاب ہاتھ آ گئی تو رات کے دو کیوں نہ بج جائیں اُسے ختم کئے بغیر مجھے نیند نہیں آتی۔ کسی مصرع پر غزل لکھنے کو جی چاہا تو اُسے پورا کئے بغیر اطمینان نہیں ہوتا، چاہے مریضوں کی بھیڑ ہی کیوں نہ سامنے ہو۔ شعر آتے ہی چلے جاتے ہیں کبھی کبھی تو ہر مریض کے علاج کے ساتھ ساتھ شعر بھی پورا ہو جاتا ہے، اور غزل جلد تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔ میں نے ہمیشہ سے حصولِ علم کے لئے مطالعہ کو اپنا رہبر سمجھا ہے، علمی معلومات کے لئے مطالعہ کی سخت ضرورت ہے، اسی لئے میں نے اُسے اپنا شعار بنا لیا ہے، میری نگاہوں سے ڈاکٹری کی کتابوں کے علاوہ علمی، ادبی، مذہبی

اور فنی کتابیں سینکڑوں گذر چکی ہیں، میں جہاں بھی تعلیم کے سلسلہ میں گیا، میں نے لائبریریوں سے کافی
استفادہ کیا۔ قسمت سے اس معاملہ میں ماحول بھی اچھا ملتا رہا۔ کھنڈوہ میں میرے ہم جماعت و ہم مشرب
بھی ایسے ہی ملے کہ جنھیں علمی و ادبی ذوق بیحد ہے۔ مقبول حسن نیازی ایم اے، بی ٹی میرے
ہم جماعت رہے، ایک اچھے شاعر و مخلص ادیب بھی ہیں۔ عبدالکریم صاحب جو شاعر تو نہیں لیکن ادب
نواز ضرور ہیں۔ عبدالسعید خاں صاحب بی اے، بی ٹی اچھے ادیب اور آرٹسٹ ہیں، سید عبدالرحمن صاحب
پنشنر ہیڈ ماسٹر نہایت ہی اچھا علمی ذوق رکھتے ہیں، آپ کی لائبریری قابل دید ہے، محمد حیات خاں صاحب
بڑے علم دوست ہیں، جن کا مذاق علمی نہایت ستھرا اور معلومات سے پُر ہے، قمرالدین صاحب وکیل بی اے
ایل ایل بی ادب نواز اور وسیع مطالعہ کے حامل ہیں، اُنھیں بھی شاعری سے بہت اچھا لگاؤ ہے۔ آج بھی
ان دوستوں کا مجھ پر کرم ہے، اور یہی لوگ میری ہمت افزائی بھی حتی الامکان کرتے رہتے ہیں، کھنڈوہ
میں شعر و سخن کی مجلسیں میرے حقیقی پھوپھا جناب شیخ حیات صاحب شیخ مرحوم، قاضی عبدالقادر صاحب
شہر قاضی، مولوی سید مصطفیٰ حسن صاحب احسن، محمد سردار خاں صاحب کاکل، جناب احمد حسین صاحب
سنبل مرحوم، مولوی عبدالصمد صاحب عاقل ہیڈ ماسٹر مرحوم، منشی عبدالرحیم صاحب امیر مرحوم، جناب
کمال الدین صاحب عارف مرحوم، منشی شاغل صاحب مرحوم، محمد حیات خاں صاحب مضطر مرحوم، منشی
ریاست خاں صاحب عارف مرحوم، قبلہ امیرالدین صاحب اثر، حکمت اللہ صاحب اختر، فتح محمد صاحب
ظفر، شجاعت خاں صاحب فتنہ اور زین خاں صاحب نور سے ہمیشہ گرم رہیں۔ ان تمام کہنہ مشق شاعروں
کے ساتھ میں نے مشاعرے پڑھے اور کافی استفادہ کیا۔ آج کل نوجوان شعراء میں شوق ماہری، عیش
ماہری، شاداں احسانی، حضرت شارق ایم اے، شاطر اندوری، مانک چند ورما، شیخ عبداللہ شیخ،
اندرسین اثر، انجم فیروز آبادی، رضا کھنڈوی، محمد شمر نشتر، شاعر کھنڈوی، پنڈت تیواری نڈر،
سید علی مقصود عابدی اسسٹنٹ جیلر، ذوالفقار احمد طالب قریشی، ہرنرائن مصر، عبدالمجید صدیقی ایم اے
پنڈت شیوناتھ مصر اسشن جج اور پنڈت دھر کاشمیری وغیرہم میرے ہم مشرب و ہم مجلس ہیں، ان دنوں

ھنڈوہ میں انھیں لوگوں سے گرمئی محفلِ سخن جاری ہے۔ میرے ایک کرمفرما بزرگ جناب پدم بھوشن ماکھن لال جی چترویدی جو ہندی ساہتیہ سمیلن کے صدر ہیں' ہندی کے ہندوستان گیر شہرت کے مالک ہیں۔ کھنڈوہ میں میرے لئے ان کی موجودگی بھی بسا غنیمت ہے کہ ہندی شاعری کی خوبیاں ان ہی سے سنتا ہوں اور محظوظ ہوتا ہوں۔ وہ اُردو سے ناواقف نہیں' زبان پر کافی عبور رکھتے ہیں۔ محمد الطاف خاں صاحب بی، اے، بی، ٹی ایک اچھے ادیب، شاعر نواز اور سخن فہمی میں کافی دسترس رکھتے ہیں' ڈاکٹر شفیق احمد خاں صاحب شاعری سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں۔ آپ ادیب ماہر بھی ہیں اور آپ کو ادب سے خاصا لگاؤ ہے' ان دونوں صاحبان کی خصوصیات یہ ہیں کہ جہاں تک اردو ادب کا تعلق ہے ان کی قدر کرتا ہوں' اور یہ میرے ہم مشرب ہیں۔ احمد خاں ہیڈ ماسٹر' الطاف حسین ہیڈ ماسٹر اور سلیمان ہیڈ ماسٹر کھنڈوہ میرے ادبی ماحول میں کافی مددگار ہیں۔

علی گڈھ میں جبتک میں متعلم رہا' وہاں جتنے بھی میرے دوست احباب تھے' سب ہی شاعر' ادیب' اہلِ سخن اور علم دوست تھے۔ مدراس میں جہاں میں کیمبرج سینیر کی تعلیم کے لئے گیا تھا' اور تقریباً دس مہینے رہا' وہاں بھی عالم داں حضرات کا اچھا ماحول ملا۔ خصوصاً وہ انگریزی سیکھنے کی اچھی جگہ تھی' وہاں بھی میں نے اپنی مشقِ سخن جاری رکھی' جو کچھ بھی کہتا وہ میرے ہم وطن و ہم جماعت جناب اکبر علی صاحب کو سنا کر اطمینان کر لیتا۔ کیونکہ وہاں کوئی ہمزبان تو تھا نہیں' میں کوشش کرتا تھا کہ وہاں والوں سے انگریزی ہی میں گفتگو کرتا رہوں' اور اپنی زبان کو بگاڑنے کی بات نہ کروں' دورانِ قیام ناگپور جہاں میں نے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی اور جو میرے استادِ محترم حضرت مولانا ناطق مدظلہٗ کی مستقل قیام گاہ ہے' وہاں کا پانچ سال کا زمانہ جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں میری زندگی کا بہترین زمانہ تھا' جہاں میں اپنی زندگی بنانے کا ساز و سامان کر رہا تھا' وہیں میں اپنی ادبی دنیا بنانے کی کوششوں میں بھی مصروف تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ میرے بہترین دوست و بہی خواہ جناب سید ذوالفقار حیدر صاحب حیدر مرحوم کا بیحد ممنون ہوں کہ جنھوں نے مجھے اپنے شفیق استاد الاساتذہ پیرِ مغاں' پیر میخانۂ سخن حضرت

مولانا ابوالحسن ناطق گلاٹھوی مدظلہ سے تعارف کرایا۔ اور وہ بھی ہمیشہ مجھ سے بڑے اخلاق کے ساتھ
پیش آتے رہے۔ پانچ سال تک میری فرصت کا بیشتر وقت مولانا ناطق مدظلہ کے دولت کدہ پر گذرتا
تھا اور اس ادب کے خزانے سے میں نے بے حد دولت علم و عمل سمیٹی اور مولانائے محترم کے زیر عاطفت بڑی
عمدہ زندگی گذاری۔ جناب حیدر مرحوم کی ہم مشربی نے بھی مجھے شعر و شاعری کی دنیا میں ہمیشہ منہمک رکھا اور
میں نے مولانائے محترم سے بہت کچھ حاصل کیا۔ اور آج تک مجھ پر مولانائے محترم کی عنایات اسی طرح مبذول
ہیں۔ مولانا نے مجھے ہمیشہ سے اپنے فرزند سے زیادہ سمجھا اور سمجھتے ہیں۔ مجھ پر ان کا بڑا احسان و کرم ہے۔
میری سیاسی زندگی کئی دور سے گذری۔ ۱۹۲۲ء و ۱۹۲۴ء کا زمانہ (یہی زمانہ میری شاعری
کی ابتدا کا زمانہ بھی ہے) کانگریس و خلافت کے اتحاد کا زمانہ تھا۔ ان ہی دنوں میں بھی ان جماعتوں میں
ایک والنٹیر کے طور پر کام کرتا تھا، ہمارے لیڈر سید عبادت علی صاحب مرحوم برادر خورد جناب خان بہادر
سید حفاظت علی صاحب سابق منسٹری، پی و برار اس وقت خلافت میں اور کانگریس میں اچھا مقام رکھتے
تھے، ہم بھی ان ہی کی رہبری میں جلسے اور جلوس میں انقلابی نظمیں پڑھا کرتے تھے، خیالات پر اسی وقت سے
ایک انقلابی رنگ سوار تھا، جس نے زندگی میں ایک نئی کیفیت پیدا کر دی تھی، ڈاکٹر انصاری، حکیم
اجمل خاں، مولانا آزاد، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور دیگر مسلم رہبران کی جد و جہد آزادی کے
کارنامے دیکھ کر اور پڑھ کر جوش اور ولولہ پیدا ہوتا اور یہ خیال انگڑائیاں لیتا کہ آزادی ملے گی تو سب کو
ملیگی، کوئی ہندوستانی اس سے محروم نہیں رہے گا۔ اسی لئے گاندھی جی، موتی لال جی، جواہر لال جی،
اور دیگر چوٹی کے لیڈروں کے کارناموں سے ہمیشہ طبیعت نے اتفاق کیا۔ ۱۹۳۱ء میں ڈاکٹری
تعلیم کے دوران جب ہمارے ہوسٹل پر یونین جیک لہرایا گیا تو ان پانچ طلبہ میں میں بھی شامل تھا،
جنہوں نے جھنڈے کی شان میں گیت گایا تھا، اسکی پاداش میں مجھے بھی ان پانچ طالب علموں کے ساتھ
ایک سال کا نقصان اٹھانا پڑا اور میرا نیشنلسٹ خیالات پر کاربند ہونا ہی میری ملازمت کے آڑے آیا کہ
گورنمنٹ ملازمت مجھے نہ ملیگی۔ میں نے کوئی کوشش ہی نہیں کی، اسی لئے ڈاکٹری پاس کرنے کے بعد ۱۹۳۲ء

سے اب تک پریکٹس کر رہا ہوں، ۱۹۳۱ء سے کانگریس میں کام کر رہا ہوں، جب سے جھنڈے کا گیت گانے کی سزا ملی ہے۔ میں نے ہمیشہ سے ایک مخلص سپاہی بننے کی کوشش کی ہے اور خدا کا شکر ہے کہ میں اس میں کامیاب رہا۔ اور میرے خیالات باوجود سیاسی نشیب فراز کے متزلزل نہیں ہوئے۔ ۱۹۳۶ء سے کانگریس کی جانب سے میونسپل الیکشن لڑا، حالاں کہ اس وقت دوسری سیاسی پارٹیاں منظر عام پر نہیں آنے پائی تھیں، اس کے بعد سے ہمیشہ کانگریس کی جانب سے ہی میونسپل بورڈ کا ممبر منتخب ہوتا رہا۔ کئی بار بلا مقابلہ ہی ممبر چن لیا گیا۔

۱۹۵۶ء میں بیس سال کی ممبری کے بعد سیاسی لیڈروں یعنی کانگریس کے ہائی کمانڈ کمیٹی کی نگاہ انتخاب مجھ پر پڑی اور اپنی فرض شناسی اور میری خدمات کو دیکھتے ہوئے مجھے میونسپل کمیٹی کا وائس پریسیڈنٹ چن لیا حالاں کہ میں نے کسی طرح بھی اپنی خواہش ظاہر نہیں کی تھی اور نہ میں اس الجھن میں پڑنا چاہتا تھا۔ لیکن جناب منشی لوٹی صاحب منسٹر مدھیہ پردیش، پنڈت بابو لال جی تیواری ممبر پارلیمنٹ، اور جناب رائے چند جی ناگڑہ صاحب پریسیڈنٹ ضلع کانگریس کمیٹی اور پریسیڈنٹ میونسپل کمیٹی کی خواہش تھی کہ میں اس عہدہ کے لئے راضی ہو جاؤں، لہٰذا ان لوگوں کے ارشاد گرامی کی تعمیل بھی ضروری تھی، میں نے بادل ناخواستہ اس خارزار کو منظور کر لیا۔ اور اسمیں ۹ سال تک الجھا رہا۔ ۱۹۶۵ء سے اپنے آپ کو اس ماحول سے الگ کر لیا۔ ۲۹ سال تک میونسپل میں بطور ممبر و وائس پریسیڈنٹ خدمت کرتا رہا۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسے ماحول میں بھی میرا کوئی حریف نہیں، ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سب ہی مجھ سے محبت رکھتے ہیں، یہ میرے لئے بھی فخر کی بات ہے کہ نہ کوئی میرا دشمن اور نہ میں کسی کا حریف، یہ سب اپنے اصول کی پابندی کا حاصل ہے۔ اور ان ہی وجوہات کی بنا پر مجھے ہر میدان میں کام کرنے کا موقع ملتا رہا۔ مثلاً یونانی ڈاکٹروں کی انجمن کا دو بار صدر رہا۔ لائبریری و دیگر انجمنوں کا متعدد بار صدر و ناظم رہا۔ مسلسل آٹھ سال تک کل ہند پرائمری ماسٹروں کی انجمن کا صدر رہا ہوں۔ کئی سال جیل کمیٹی کا ممبر رہا۔ امتناع شراب کمیٹی میں بھی کئی سال رکن کی حیثیت سے کام کرتا رہا، انجمن ترقی اردو ہند کا سرگرم رکن رہا۔ جمعیۃ علماء ہند سے بھی ہمیشہ وابستگی رہی اور ہے اسکی

کارکردگی کا ہمیشہ سے معترف ہوں۔ جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات میری نظامت میں کئی سال چلتے رہے، اور دیگر سماجی کاموں میں بھی کئی سال سے کام کر رہا ہوں۔ متنازعہ فیہ مسائل سے ہمیشہ گریز رہا۔ سیاسی معاملات ہوں یا مذہبی اپنی معلومات کی روشنی میں ہمیشہ اپنے سے زیادہ جاننے والوں سے بحث کرنا اس لئے پسند کرتا ہوں کہ ان سے مجھ ہی کو کچھ حاصل ہو جاتا ہے، بیکار مباحثہ میں وقت ضائع کرنا پسند نہیں کرتا۔ مذہبی زندگی کو زیادہ پسند کرتا ہوں، اس بات پر حتی الامکان کاربند ہونیکی کوشش کرتا ہوں کہ "جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا"۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد عقیدت رکھتا ہوں، یہ سب اُن ہی کا کرم ہے کہ خلفائے راشدین کے طفیل اور آل محمدؐ کے صدقہ میں اللہ جل شانہٗ نے ہر نعمت سے نوازا ہے۔ جس کا شکر یہ ادا کرنے سے زبان قاصر ہے، شہرت کا نہ کبھی خواہش مند رہا اور نہ رہوں گا۔ البتہ اس بات کا ضرور قائل ہوں کہ "عطر آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" حضرت مولانا ناطقؔ مدظلہٗ کا ایک شعر ملاحظہ فرمایئے کیا خوب فرمایا ہے۔ ؎

سرد ہو جاتی ہے فکرِ جاہ و دنیا جس کے بعد
وہ ذرا سا ہے خیال اک دل کو جو کر گیا اس کے بعد

انسان جب جاہ و حشمت کی ہوس میں الجھ جاتا ہے تو بہت سے کام سلجھنے سے رہ جاتے ہیں کیونکہ وہ تکبر اور غرور کے نشہ میں مخمور ہو کر اپنی حدود سے دور چلا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کا دیا سب کچھ ہے لیکن غرور و تکبر سے طبیعت متنفر اور کوسوں دور ہے۔

ادب کی محفلوں کا جہاں تک تعلق ہے میں نے اب تک ادبی اجتماع و شاعروں کی محفلوں میں اپنی بساط سے زیادہ شرکت کی۔ کبھی سامع، کبھی شاعر اور کبھی صدر محفل کی حیثیت سے ہمیشہ خدمت گذار رہا۔ میں ہندوستان کے تمام دوستوں کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے ہمیشہ مجھے میری صلاحیت سے زیادہ نوازا ہے۔ کل ہند مشاعروں کے صدر کی حیثیت سے متعدد بار کامٹی، ناگپور، اجمیر، ڈالام، اکولہ، جاورا، امراوتی، کھام گاؤں، ملکاپور، ایلچپور، المدور، مھو، سنادو، کنجگ، گوندیا، بمبئی وغیرہ مقامات پر گیا اور جاتا رہتا ہوں۔ مشاعروں کے سلسلہ میں تو شاید ہی ہندوستان کا کوئی شہر

چھوٹا ہو کر جہاں مدعو نہ کیا گیا ہوں ۔ متعدد ادبی و مذہبی اجتماعات میں تقریر کرنے کا موقع ملا۔ ہندوستان گیر شہرت رکھنے والے شاعروں اور ادیبوں سے اچھے مراسم ہیں۔ علی گڈھ، دہلی، لکھنؤ، بمبئی، ناگپور، جبلپور، اندور، رتلام، جھانسی، بھوپال اور اجمیر شریف کے شاعروں و ادبی اجتماعات میں شرکت کی بنا پر تمام اساتذۂ کرام و سخنوران ہند اور چوٹی کے ادیبوں کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اور متعدد اصحاب سے نیاز بھی حاصل ہے ۔

عدیم الفرصتی کی وجہ سے آج تک اپنا کلام جمع نہ کر سکا، کوشش کر رہا تھا کہ منتشر کلام کو یکجا کروں اور مرتب کر کے شائع کرادوں۔ خدا کا شکر ہے کہ پہلے میں صرف اپنا سرمایۂ غزل تمام حضرات کے سامنے پیش کر رہا ہوں، امید ہے کہ دوسرا مجموعہ نظم، رباعی، قطعات، نعت، سلام و منقبت کا اگر آپ حضرات کی دعائیں اور خدا کا کرم شامل حال رہا تو اس کے بعد پیش کرنے کی کوشش کروں گا ۔

میرے استاد کا کلام بھی دیوان کی شکل میں آج تک منظر عام پر نہ آسکا، انھیں بھی دنیا نے فرصت نہ لینے دی، یہ بھی بات ہے کہ وہ بھی میری طرح نام و نمود کے خواہاں نہیں۔ ویسے تو ۱۹۱۲ء یا ۱۹۱۳ء میں ان کی ایک کتاب نیچرل نظموں کا مجموعہ "نطق ناطق" کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور وہ بھی اب نایاب ہے ۔ دیکھئے ان پر کب محکمہ تعلیمات حکومت ہند کی نظر عنایت ہوتی ہے۔

میری بھی ایک چھوٹی سی کتاب "یادگار حسین" کے نام سے اجمیر کے کچھ احباب نے شائع کرادی تھی، وہ اب بازار میں نہیں، پہلی مرتبہ ایک ہزار شائع ہوئی تھی، وہ ختم ہو گئی۔ اس کتاب میں میرا خطبۂ صدارت ہے جو سولہ صفحوں پر مشتمل ہے۔ اور کچھ میرے سلام ہیں۔ دوسری کتاب "نذر ادب" کے نام سے کامٹی کے احباب نے میرے اعزاز میں ایک مشاعرہ کیا تھا اس اعزاز میں کہ جس وقت میں کھنڈوہ میونسپل کمیٹی کا وائس پریسیڈنٹ منتخب ہوا تھا، اس میں میری اور دوسرے دوستوں کی غزلیں ہیں۔ ایک نہایت موزوں قطعۂ تاریخ بھی ہے جسے حضرت شاطر کامٹوی نے لکھا ہے۔ ۱۹۵۲ء میں کامٹی کے آل انڈیا سالے کے سلسلہ میں اراکین آزاد کلب کی جانب سے صدارت کے ساتھ ساتھ میری خدمات اردو

ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک خطاب "سیف الکلام" سے نواز گیا۔ اجمیر شریف سنہ ۱۹۵۴ء کے آل انڈیا مسالمہ کے موقع پر مشاعرہ کمیٹی نے "افسر الشعراء" کے گرامی لقب سے پکارا تھا جس کا انکشاف "یادگار حسین" نامی کتاب سے ہو سکتا ہے۔ کئی بار ریڈیو پروگرام میں شامل ہوا۔ ریڈیو پر مشاعرے بھی پڑھے۔ ۹ر جولائی سنہ ۱۹۵۸ء کو ریڈیو اسٹیشن الہ آباد سے اردو شاعری پر مختصر تبصرے کے ساتھ ساتھ تین غزلیں بھی پیش کیں، جنکو ادبی دنیا نے اپنی پسند سے نوازا۔ اسی پروگرام پر اکتوبر سنہ ۱۹۵۸ء کے "انقلاب" بمبئی میں جناب شکیل بدایونی نے ایک مختصر مگر جامع تبصرہ فرمایا جس سے اس پروگرام کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ میں نے اردو ادب کی خدمات کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اور دوسری زبانوں سے بھی مجھے خاصا انس ہے۔ کاروبار کے لحاظ سے ہندی اور انگریزی کو بھی اپنایا۔ جس کے بغیر آج کی دنیا میں کام نہیں چل سکتا۔ میرے دوستوں اور بہی خواہوں کا دائرہ بہت وسیع ہے، ہر شہر میں میرے لئے مخلص دوستوں کی کمی نہیں ؎

باعثِ صد ناز ہے خوشتر کرم ان کا مجھے
خادمِ اہلِ ادب ہوں کیوں کسی قابل نہیں

اکثر ماحول سے متاثر ہو کر بھی میں نے شعر کہے ہیں۔ میرے کلام میں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن میں آپ بیتی داستان اور ماحول کا تاثر نہ ہو۔ غزل گوئی کے ساتھ ساتھ اخلاقیات و سیاسیات کے اشعار بھی کافی لکھے ہیں، جو خود بخود ماحول سے متاثر ہو کر نوکِ قلم پر آ گئے۔ اپنا منفرد رنگ رکھتے ہوئے بھی استاد کی پیروی میں ان کے رنگِ سخن کی جھلک میرے شعروں میں پائی جاتی ہے۔

مجھے بچپن ہی سے موسیقی سے لگاؤ ہے، میں نے اسے ایک آرٹ کے طور پر سیکھنے کی کوشش بھی کی ہے، لیکن میری بچی داہلیہ کی موت کے بعد سے کبھی ہارمونیم پر ہاتھ نہیں رکھا۔ کچھ اتنا دل برداشتہ ہو گیا کہ ۲۰ سال سے آج تک کسی موسیقی کی محفل میں گلے اور انگلیوں سے کام نہیں لیا۔ البتہ شعر و شاعری کی محفلوں میں ترنم سے غزلیں ضرور سنا دیتا ہوں۔ شعر و سخن کی محفلوں میں ترنم نواز لوگوں

کی ہدایات نے اس طرف کو رجوع کر دیا ہے، حالاں کہ میں اپنے شعروں پر زیادہ بھروسہ رکھتا ہوں۔ ترنم کو تو محض ایک وقتی چیز سمجھتا ہوں، کبھی کبھی شعر کی خوبی ترنم کی لے کے ساتھ زائل بھی ہو جاتی ہے۔ اور لفظوں کی نشست و برخاست کی ادائیگی ترنم میں الجھ کر رہ جاتی ہے۔ بہرحال محفلِ شعر و سخن میں ترنم کی داد کبھی پسند نہیں کرتا، سخن شناس حضرات کی داد کو داد سمجھتا ہوں۔ اچھا شعر خود بخود محفل میں اہلِ سخن حضرات کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، اور داد دینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اور یہی حقیقتاً اصل دادِ سخن ہے۔

میرا مسلک ہے کہ فن شاعری کے لئے علم اور علم کے لئے انہماک ضروری ہے، نکاتِ شاعری کی معلومات ایک شاعر کے لئے ضروری ہیں۔ بغیر ان تمام باتوں کے شاعر کا وجود کوئی فائدہ مند چیز نہیں۔ جس طرح سے ایک شخص موسیقی سے دلچسپی رکھنے والا اپنے مسلماتِ فن سے واقف نہ ہو تو بے سرا اور بے ہنرا ہو جاتا ہے، اپنے فن کی قدر و منزلت جاننا ہی عین زندگی ہے، ورنہ ادھورا فن انسان کو کہیں کا نہیں رکھتا۔ اور وہ بے راہ روی اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے لئے مطالعہ اور کسی ماہرِ فن کی رہبری ضروری ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ میدان شعر و شاعری کے علاوہ بھی زیست کے ہر میدان میں معلومات فراہم کرنے کے لئے اور فنی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے ارتقائی منزل تک پہنچنا انسانی خواہشات کا ماحصل ہے۔ کبھی کبھی جھوٹی شہرت بھی انسان کی ترقی میں سدِ راہ ہو جاتی ہے اور وہ بزعم خود انحطاطی منزلوں میں قدم رکھ دیتا ہے اور جد و جہد سے جان چراتا ہے۔ استادِ محترم نے توجیہات اصلاح کے ساتھ ساتھ ان باتوں سے وقتاً فوقتاً متنبہ کیا ہے۔ اور تاکیداً عمل کرنے کے لئے ابھارا ہے، بیشتر اوقات یہ بھی تنبیہ فرمائی کہ جو بات معلوم نہ ہو منظرِ شہود پر لانے کی کوشش نہ کی جائے، خصوصاً شعر و شاعری میں ان الفاظ کے لکھنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے جن کی معلومات کماحقہٗ نہ ہوں۔ شاعر کو ان باتوں کا خیال رکھنا اپنے فن کی بہتری کے لئے ضروری ہے۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال کسی حد تک درست ہے کہ اپنے شعر پر خود ہی اصلاح کر لی جا سکے لیکن اپنی غلطی اگر انسان کو خود نظر آ جائے تو وہ غلطی ہی کیوں کرے۔ یہ چیز ممکن ہے اُس وقت

جب فن پر پورا پورا عبور حاصل ہو جائے ۔

اساتذۂ علم و ادب اور اہل ذوق حضرات اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ فطرت ہی شاعر پیدا کرتی ہے ۔ شاعر کسی کے بنانے یا بننے سے نہیں بن سکتا ۔ اس ضمن ایک بہت ہی پرانا مقولہ

اَلشُّعَرَاءُ تَلَامِیْذُ الرَّحْمٰنُ

ہے ۔ یہ ہر ہنر کے لئے بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل حال نہ ہو تو کوئی کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا ۔ اللہ تعالیٰ شاعری کا مرکز ضرور کسی دماغ میں ودیعت کرتا ہے، مگر اس کے یہ معنی تو نہیں کہ اس کے سنوارنے کے لئے سامان نہ کئے جائیں ۔ اس میں ترقی کرنے کے ذرائع نہ سوچے جائیں اور اسے ارتقا کا جامہ نہ پہنایا جائے ۔ اس کے ثبوت میں مندرجۂ ذیل اقتباس پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں، جس سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ شاعر کی حقیقت کیا ہے : ـــــ

" ایک سائنس داں مادیات کی حدوں سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتا، فلسفی فقط رازِ حقیقت کو دریافت کرنے کی ادھیڑ بن میں غلطاں و پیچاں رہتا ہے، وجدانی قوتوں کے حامل کو مذہبیات میں نئی نئی شاخیں پیدا کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہیں آتا ' اور ان میں سے کسی ایک شعبہ کا ماہر دوسرے شعبہ کا کام انجام نہیں دے سکتا، ہر علم و فن کا ماہر فقط اپنے ہی کام میں مہارت رکھتا ہے ۔ البتہ ایک شاعر کو جو تلامیذ الرحمٰن کہلاتا ہے، بشرطیکہ وہ حقیقی معنی میں شاعر ہے یہ ملکہ اور قوت منجانب اللہ عطا ہوئی ہے کہ وہ حسب استعداد و قابلیت علم، مادیت، روحانیت اور وجدانیت میں جوڑ توڑ لگا کر ایک نئی صورت بھی پیدا کر سکے، اس کے خیال کی رسائی قوس قزح میں ایک دوسرے کی آمیزش سے ہزاروں رنگ پیدا کر سکتی ہے ۔ وہ زمین و

آسمان کے قلابے ملا سکتا ہے۔ عالم لاہوت و ملکوت و جبروت کی سیر کرا سکتا ہے، وہ کیفیاتِ وجدانی کا راز داں ہے، حواسِ خمسہ کا جائزہ لے سکتا ہے، وہ فلسفۂ قدرت کا ہمراز اور رموزِ حکمت کا بھیدی ہے، عقل سے دنیا کی پیمائش کر سکتا ہے، عالمِ وجدانی میں کشش نبھا سکتا ہے۔ المختصر عالمِ امکان کا کوئی عنوان ایسا نہیں ہے جہاں شاعر کی قوتِ متخیلہ اپنا عمل اور تصرف نہ کر سکتی ہو۔ اس بنا پر جدتِ خیال کا مالک وہی حقیقی شاعر ہو سکتا ہے جو متضاد اشیاء کو متحد اور بالعکس بنا سکے، اور اس فن میں ید طولیٰ رکھتا ہو۔ یا وہ شاعر جو اپنی قوتِ تخیل اور ذہنِ رسا سے کسی حقیقت کا انکشاف کرے، یا متعدد حقیقتوں کی آمیزش سے کوئی نیا کلیہ ایجاد کرے۔ یا مملکتِ دل کے کسی نظر انداز گوشے سے کوئی ایسا باریک جذبہ ظاہر کرے، جو اس سے قبل معرضِ ظہور میں نہ آیا ہو۔ یا اپنے خیالات، مشاہدات، جذبات و انکشافات کے اظہار میں کوئی نرالی طرز اور اختیار کرے، اور بیان میں جدت و ندرت پیدا کرے۔"

مجھے اس اقتباس کے لفظ لفظ اور نقطے نقطے سے اتفاق ہے، اور اس لئے بھی کہ یہ میرے موضوعِ بحث کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے، یہاں درج کرنا ضروری سمجھا کہ میرے ہم خیال حضرات اس سے حظ اٹھائیں، ادبی خدمات کا موضوع ایک مختصر تبصرہ اور مطالعہ کا طلبگار ہے۔ اس مضمون میں اتنی گنجائش کہاں کہ تفصیل سے خامہ فرسائی کر سکوں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "حصولِ ماہتاب کی کوشش کیجئے تب کہیں ستارے نصیب ہوتے ہیں"۔ کلام میں میں عیب کا خود بھی اقرار کرتا ہوں، کیونکہ آدمیت میں خطا و نسیان کا پیوند ازل سے منسلک ہے۔ یہ فطرتِ انسانی ہے کہ اسے اپنا عیب بھی ہنر معلوم ہوتا ہے، اسی لئے سخنورانِ باکمال سے استدعا ہے کہ میرے کلام میں اگر کوئی فروگذاشت ہوئی ہو تو اپنے دامنِ عفو میں جگہ عطا فرما کر عیب پوشی فرمائیں گے اور میری اس

ناچیز تخلیق کو قبول فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

"گر قبول افتد زہے عز و شرف"

امتنان و تشکر

جن حضرات کرام و محبان عظام نے میرے واقعاتِ زندگی ضبطِ تحریر میں لانے اور میرے کلام پر تبصرہ فرمانے کی زحمت گوارا فرمائی اور اپنا وقتِ عزیز صرف کیا میں ان کا تہہ دل سے شکر گذار اور منت پذیر ہوں۔ بالخصوص ان محترم احباب کی عنایات کا ممنونِ احسان ہوں جنھوں نے اپنے اخلاقِ کریمانہ سے میرے کلام کو مطالعہ فرما کر اپنی زریں رائے سے مجھ ناچیز کو سرفراز فرمایا۔

جناب سلامت رضوی صاحب، جناب ساجد صاحب لکھنوی، جناب والی آسی صاحب لکھنوی، نیز دیگر احباب جنھوں نے میرے اس دیوان کی تزئین، ترتیب اور اشاعت میں میری مدد فرمائی میں ان تمام حضرات کا بیحد ممنون و متشکر ہوں۔

خاکسار
ممتاز خوشتر
کھنڈوہ (ایم، پی)

• مولانا ناطق گلاؤٹھوی • ساجد صدیقی لکھنوی • ڈاکٹر ممتاز احمد خاں خوشتر

باغ منزل، ناگپور

تقریظ تاریخیہ بطباعتِ دیوان ڈکتور خوشتر

چشمِ بد دور چند وقاست و ہنر — بارک اللہ کلامِ خوشتر
زرعیارست گراں قدرِ سخن — تارِ نظمست کہ سلکِ گوہر
نغمۂ حسن دچو غزل را خوانی — نای و چنگ ست فصاحت در بر
حسنِ معنیٰ بہ مضامینِ لطیف — روحِ ساں در تنِ خوبان مضمر
جز اشارت مے و معشوق مداں — کین مجازست حقیقت مظہر
پس بہر نکتہ و ایہامِ بلیغ — فیضِ استاد چو ناطق بنگر
اے خوشا مژدۂ طبعِ دیوان — چہ سعیدست ز تاریخ اثر
بصدی چاردہم از ہجرت — سنِ ہشتاد و چہارم بشمر
غازیا باش و بگو حرفِ دعا — زانکہ باید پے تحسینِ و فخر

عمرِ جاوید الٰہی بدہاد
شعرِ شاعر بجہاں زندہ باد

این دُعا از مَن...

ڈاکٹر ہمت زا احمد خاں خوشتر نہ صرف یہ کہ تقریباً ۳۸ سال سے شعر و سخن میں مجھ سے
مشورے لیتے رہے ہیں بلکہ آپ کے ساتھ میرے شروع ہی سے کچھ ایسے مخلصانہ روابط ہیں کہ وہ مجھے اپنا ایک
بزرگ سمجھتے ہیں اور میں انھیں اپنا خاص عزیز جانتا ہوں۔ وہ میرا بیحد احترام کرتے ہیں اور میں ان کی بہت
عزت کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نیماڑ ضلع کے ایک سربرآوردہ خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ اور آپ کے محترم
والد صاحب کو کھنڈوہ میں بہت مانا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب تعلیمی لحاظ سے گو کسی بڑی ڈگری کے مالک تو نہیں لیکن آپ کی علمی قابلیت بہت
اچھی ہے، تقریباً ۱۹۲۸ء میں آپ ناگپور کے میڈیکل کالج میں بحیثیت طالب علم داخل تھے، اور بورڈنگ
ہاؤس میں مستقل قیام تھا۔ اسی زمانہ میں ان کا مجھ سے تعارف ہوا اور میں نے ڈاکٹر صاحب کی عقیدت
اور صلاحیت کی بہت عزت کی۔ اسی زمانہ سے ڈاکٹر صاحب کو شعر و ادب کا ذوق پیدا ہوا اور شروع
ہی سے جو کچھ لکھا اچھا لکھا اور ایسا لکھا کہ مجھے ان کی شاعری ہمیشہ پسند آئی۔ اصلاح تو میں دیتا تھا اور
دیتا ہوں لیکن آپ کے کلام میں اصلاح کی کم گنجائش ہوتی ہے، اب آپ کا مجموعۂ کلام تیار ہو گیا ہے
جسے شائع کر رہے ہیں اور میری دعا یہ ہے کہ خدا کرے مقبول ہو۔ کلام کے متعلق میں بہت کچھ لکھ سکتا
تھا لیکن نہیں لکھنا چاہتا کہ بوجہ میری اصلاح ہونے کے ان کے کلام کی جو کچھ تحسین میں کروں گا،
اُسے خود ستائی پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب اپنے بلند اخلاق کی بدولت نیماڑ ضلع میں بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھے

سنہ ۱۹۲۷

استادِ محترم حضرت مولانا ابوالحسن ناطق گلاؤٹھوی ہیں

جس سنہ میں میں نے اُن کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا

خوشتر

جاتے ہیں، اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ آپ ضرورتمند لوگوں کی ہمیشہ مدد کرتے رہتے ہیں۔ آپ شعروادب کے لحاظ سے بیحد مقبول ہیں۔ مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ شعروادب کی محفل میں صدارت کرنے کے لئے ہر سال آپ کو برار، خاندیش اور مالوہ کے علاقہ میں بلایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ناگپور، کامٹی، بمبئی اور اجمیر کے مشاعروں میں بھی صدارت کی ہے، جہاں نظم و ضبط کے متعلق آپ کی تعریف کی جاتی ہے۔

کئی سال سے ڈاکٹر صاحب کی صحت اچھی نہیں رہتی جس سے میں ہمیشہ فکرمند رہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا جلدی انہیں صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ دیکھئے اللہ کب میری دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ اور کب ڈاکٹر صاحب تندرست ہو کر اپنے کامیاب دھندے سے لگ جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے شہر کے بہترین معالج ہیں اور وہاں کے مریض زیادہ تر آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

آخر میں میں ایک مرتبہ پھر دعا کرتا ہوں کہ رب العزت ڈاکٹر صاحب کو جلدی صحتِ کاملہ عطا فرمائے اور ان کا یہ مجموعۂ کلام جو شایع ہو رہا ہے ملک میں مقبول ہو۔

بندۂ دعاگو

ناطق گلاٹھوی

جناب لبھو رام جوش ملسیانی
نکودر - ضلع جالندھر - مشرقی پنجاب

اظہارِ رائے

شفیق ڈاکٹر خوشتر صاحب جو کہ نئے علاقہ مدھیہ پردیش میں بود و باش رکھتے ہیں، میں ذاتی طور پر تو متعارف نہیں ہوں۔ البتہ دہلی کے رسالہ شانِ ہند اور بعض مقامی شاعروں کی روداد مطبوعہ کے ذریعہ میں نے ان کے کلام کا معتدبہ حصہ پڑھا ہے اور پڑھ کر خوش وقت ہوا ہوں۔ یہ معلوم کر کے اور بھی مسرت ہوئی کہ وہ میرے محترم خواجہ تاش حضرت ناطق گلاٹھوی سے تلمذ کا شرف رکھتے ہیں اور یہ سلسلہ تلمذ ۱۹۲۷ء سے ابتک قائم ہے۔ تقریباً چالیس سال کی مشقِ سخن کچھ کم نہیں ہوتی جس کا ثبوت ان کا وہ کلام ہے جو میں نے مطالعہ کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بہت پاکیزہ اور بہت پختہ کہنے والے ہیں، زبان بھی بہت صاف اور شستہ ہے، رنگِ قدیم کی عریانی کا نشان تک نہیں پایا جاتا، خیالات کی برجستگی اور بیان کی سلاست ہر جگہ قابلِ داد ہے۔ حسنِ طبیعت اور بے تکلفانہ زبان کا اندازہ کرنے کے لئے یہ دو شعر کافی ہیں۔

کہاں جاؤں کہیں کوئی بری بات آ ہی جاتی ہے
جہاں جاتا ہوں میں پہلے مری رسوائی جاتی ہے

محبت کون کرتا ہے کہاں یہ پائی جاتی ہے
تماشا ہو رہا ہے زندگی بہلائی جاتی ہے

خوشتر صاحب اب اپنا دیوان جلد شائع کر رہے ہیں، مجھے یقین ہے کہ وہ مقبول ہوگا اور حسنِ سخن کے دلدادہ اہلِ نظر سے خراجِ تحسین حاصل کرے گا۔

جوش ملسیانی

مُقدّمہ

برّاعظم ہندوستان کے تقریباً ہر خطے میں' اور ہر خطے کے ہر قصبے اور ہر گاؤں میں کچھ نہ کچھ اردو زبان کے نام لیوا اور شعرا مل سکتے ہیں' یہ اس زبان کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کی بے مثال دلیل ہے۔

کچھ صوبوں میں تو خدا کے فضل سے اُردو زبان کے شاعروں' ادیبوں اور مصنفوں کی نمایاں تعداد نظر آتی ہے۔

ہمارے صوبۂ مدھیہ پردیش کے ہر ضلع' ہر شہر' ہر قصبے اور ہر گاؤں میں بھی اُردو زبان کے شاعر اور قدرشناس مل جاتے ہیں' انھیں مقامات میں ایک مقام کھنڈوہ ہے جس کی دورِ ماضی کی تاریخ میں شاید کوئی اہمیت نہ ہو' لیکن اب بڑا ریلوے جنکشن ہے' یوں تو یہاں بہت سے شاعر ہیں' مگر ان میں نمایاں خصوصیت جناب ڈاکٹر خورشتر کو حاصل ہے' انھیں کے دم سے کھنڈوہ میں ادبی زندگی پائی جاتی ہے۔ مشاعرے بھی ہوتے ہیں اور بعض مشاعروں میں ہندوستان کے اہم شعرا بھی حصہ لیتے ہیں۔

ڈاکٹر خورشتر صاحب ایک کہنہ مشق شاعر ہیں' تقریباً ۴۰-۴۲ سال سے مشقِ سخن کا سلسلہ جاری ہے' اور اس صوبہ خاص کر اپنے ضلع میں وہ بحیثیت شاعر نمایاں شخصیت رکھتے ہیں۔

دلی مسرت ہے کہ اب موصوف کو اپنے کلام کی اشاعت کا خیال شدت سے پیدا ہوا' اور امید ہے کہ جلد مجموعۂ کلام منظرِ عام پر آجائے گا۔

مجھے کئی بار موصوف کے کلام کو دیکھنے کا رسائل وغیرہ میں اتفاق ہوا اور کلام میں وہ سب خوبیاں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی جو ایک اچھے شاعر کے لئے ضروری ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر خوشتر اپنے حسنِ اخلاق، پسندیدہ صفات اور فراخدلی وغیض رسانی کے لحاظ سے بھی اس علاقہ میں بہت محبوب ہیں۔ امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ ان کا مجموعہ کلام قبول عام حاصل کرے گا اور اہل ادب، سخن شناس و صاحب فکر و نظر اسے دل سے پسند کریں گے۔

دل تو یہ چاہتا تھا کہ افکارِ خوشتر پر تفصیلی تبصرہ کیا جاتا لیکن افسوس ہے کہ میں اپنی خرابی صحت اور ضعیفی کی وجہ سے اس خوشگوار فرض کے ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ افکار خوشتر آپ کے سامنے ہے، ذوق و شوق سے دیکھئے اور موصوف کی فکری صلاحیتوں کی داد دیجئے۔

دلی دعا ہے کہ یہ مجموعہ امیدوں سے زیادہ کامیاب ہو اور ڈاکٹر صاحب کو اربابِ ادب کی قدردانی سے مجبور ہوکر اپنے کلام کا دوسرا مجموعہ جلد شائع کرنے پر آمادہ ہونا پڑے۔

(علامہ) محوی صدیقی (لکھنوی)

نواب احسان علی بہادر لقمان
آف مانڈا

ڈاکٹر ممتاز احمد خان خوشتر سے ایک عرصے سے میری ملاقات ہے اور کئی مرتبہ ایک ساتھ مشاعروں میں شرکت بھی ہوئی اور نشستوں میں بھی ان کا کلام سنا۔

ڈاکٹر خوشتر نے اپنی تعلیم علی گڑھ، مدراس اور ناگپور میں حاصل کی اور بعد ازاں لکھنؤ میں میڈیکل پریکٹس شروع کی۔ فارسی، اردو، ہندی، مرہٹی، انگریزی، گجراتی اور عربی زبان و ادب پر قدرت اور استعداد حاصل ہے، اور ان زبانوں اور ادب نے فکر و شیرینی ڈاکٹر خوشتر کے کلام میں پیدا کر دی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

خوشتر صاحب نے ویسے تو شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی لیکن غزل کو اپنی خاص طور پر کا مرکز بنایا ہے، یہ کہا جائے تو بجا نہ ہوگا کہ دورِ حاضرہ میں ڈاکٹر خوشتر جیسے چند شعراء کے ایسی بلند غزل کا دار و مدار ہے۔ آپکا اندازِ بیان اور پڑھنے کا طریقہ (ترنم نہ ہونیکے باوجود) نہایت دلکش ہے۔

دورِ حاضرہ میں اردو شاعری ایک ناکام کوشش میں مبتلا ہے کہ پرانی شاعری چھوڑ کر نئے تجربات کئے جائیں اور کئے جا رہے ہیں، میں نے لفظ ناکام استعمال کیا وہ اس لئے کہ شاعری کے خیالات تو آج بھی وہی ہیں اور آئندہ بھی وہی رہیں گے جو آج سے سو سال پہلے تھے کیونکہ شاعری تو انسانی جذبات و احساسات کا آئینہ ہے اور جذبات میں تبدیلی ناممکن ہے کیونکہ جذبات فطری شے ہیں، شاعری کی تعریف یہ ہے کہ وہ ان جذبات کو ایسے طریقے اور ایسے لفظوں میں بیان کرے کہ پڑھنے والا یا سننے والا کو یہ احساس ہو کہ جذبات خود وہ ان جذبات کا احساس کر چکا ہے۔

یہ ممکن ہے کہ شاعر اپنا اندازِ بیان بدل دے اور پرانی تمثیلوں اور ترکیبوں کو چھوڑ کر نئی ترکیب کا استعمال کرے۔ دورِ حاضرہ میں اس شاعر کو کامیاب کہا جا سکتا ہے جو اپنے خیالات، جذبات، اور تاثرات کو نئے سانچے میں کامیابی کے ساتھ ڈھال سکے، اور اگر اس معیار کو مان لیا جائے تو جناب خوشتر دورِ حاضرہ کے کامیاب ترین شعراء کی صف میں آتے ہیں۔ ان کی شاعری نے نئی اور پرانی شاعری کی درمیانی خلیج کو پاٹنے کا کام جس خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے وہ صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ لفظوں میں بیان کرنا ناممکن ہے

احسان

جناب جے کرشن چودھری حبیب
آئی اے ایس کمشنر (ریٹائرڈ) آشیانہ
۳۰۵۱۔ بسپر ٹاؤن، جبلپور

ڈاکٹر ممتاز احمد خاں صاحب خوشتر

اکبر الہ آبادی نے ایک مرتبہ کہا تھا

کچھ الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے
یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

بعینہ یہی کیفیت کھنڈوہ کی ہے۔ اس کی اہمیت و شہرت بہت حد تک خوشتر صاحب کی ذات گرامی کی رہین منت ہے۔ ان کی بدولت اس خشک سرزمین پر شعر و سخن کی رنگینیاں اور فضائے باغ و بہار ہے۔ آپ کی پرکشش شخصیت کی بدولت سیکڑوں شاعر اور ادیب ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے وقتاً فوقتاً کھنڈوہ آتے رہے ہیں کیونکہ آپ صرف پایہ کے شاعر بلکہ شعر نواز بھی ہیں۔ چالیس برس سے نہ صرف خود گیسوئے اردو کو سنوار رہے ہیں بلکہ ہزاروں کو اس سلسلہ میں دعوت عمل دیتے رہے اور چراغ راہ کا کام کرتے رہے۔ بیسیوں مشاعرے منعقد کرادئیے، دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح سے اردو کی ترقی و ترویج میں کوشاں رہے، اپنے خرچ پر ہندوستان کے مختلف مقامات پر مشاعروں میں شرکت کی اور کئی مرتبہ صدارت کے فرائض ادا کئے۔

آپ ایک مشہور معالج ہیں، اور نہ صرف جسمانی عوارض کا علاج کرتے ہیں بلکہ اپنی اخلاق اور روحانیت پر مبنی شاعری کے ذریعہ نیز اپنی ادبی کاوشوں سے دل و دماغ پر بھی ایک نہایت ہی خوشگوار تاثر پیدا کرتے ہیں۔ آپ کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع ہے اور اس کی خاص وجہ آپ کی محبت و خلوص ہے، آپ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں، اور اپنی نیک دلی، خندہ پیشانی، مہمان نوازی، منکسر المزاجی اور فراخدلی کی بدولت آپ کے دوست آپ کے گرویدہ ہیں۔ آپ دوسروں کی مدد کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں

ہیں اور دولتِ ایمان سے مالا مال ہیں۔ آپ نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

خوشتر مجھے ہے ناز کہ اللہ کے حضور

جاؤں گا دل میں دولتِ ایماں لئے ہوئے

آپ کو کئی زبانوں کی استعداد حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری میں تنوع ہے، موسیقی سے بھی خاص لگاؤ ہے۔

آپ کو مولانا ناطق جیسے قابل استاد سے شرفِ تلمّذ حاصل ہے انھوں نے ہی آپ کے فطری ذوق کو پروان چڑھایا اور ان کی ہی صحبتوں میں آپ کی صلاحیت چمکی۔

آپ وطن کی خدمت اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں، اب کئی سالوں سے کھنڈوہ میونسپل کمیٹی کے وائس پریسیڈنٹ کے عہدہ پر فائز ہیں اور اپنے شہر کی خدمت سر انجام دے رہے ہیں۔ اسی طرح کئی دوسری انجمنوں میں کام کر کے عوام کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ آپ کو شاعری کی ہر صنف میں دسترس حاصل ہے، نظمیں، غزلیں، سلام، تاریخیں، نعت شریف اور قصیدے لکھے ہیں۔ لیکن غزل آپ کا خاص میدان ہے۔ ذیل میں کچھ انتخاب پیش کر رہا ہوں جس سے پتہ چلے گا کہ آپ کی فکرِ رسا اور موزونیٔ طبع نے کیا گل کھلائے ہیں۔ اور تخیل کی پرواز کہاں کہاں پہونچی اور کیا کیا حسین و جمیل شعری مرقعے پیش کئے ہیں۔ قطعہ ملاحظہ ہو۔

یاد ہے وہ بھی گھڑی جم کا پینا ساقی — جینا اس دور کا دراصل تھا جینا ساقی

آج کل تشنہ لبی عام ہے میخانہ میں — اب تو بس کے نہیں ساغر و مینا ساقی

غزل کے کچھ شعر سنئے:۔

اگر تو کام لے اے قیس اپنے جذبِ کامل سے — تو ناقہ کیا نکل آئے گی لیلیٰ دل کے محمل سے

انھیں موجوں سے کشتی ڈوبتی ہے جا کے طوفاں میں — یہی موجیں لگاتی ہیں اسے لیجا کے ساحل سے

زبان کس قدر سلیس اور سادہ ہے اور خیالات میں کتنی گہرائی ہے۔

ایک چھوٹی بحر کی غزل ملاحظہ ہو۔

غم دا اپنا نہ اب خوشی اپنی | یعنی دنیا بدل گئی اپنی
کیا کریں کس لئے کیا نہ کریں | چار دن کی ہے زندگی اپنی
ہم ان کو بھی ٹال گئے اب تو | آ گئی کام بے کسی اپنی
مہرباں ہو گئے ہیں وہ خوشتر | زندگی اب ہے زندگی اپنی

ملی ہے کسکو جانِ عافیت دنیا کی ہستی میں | وہیں گرداب ہوتا ہے جہاں ساحل سمجھتے ہیں

کس قدر زندگی کی حقیقت پر مبنی ہے۔

جھکائیے دل کو سر سے پہلے کہ لطف حاصل ہو بندگی کا
نہ ہو اگر عجز بندگی میں تو بندگی کا مزا نہیں ہے

دنیا وہی ہے اور وہی سامانِ زندگی | لیکن بدلتے رہتے ہیں عنوانِ زندگی

یہ مطلع زندگی کے گہرے مشاہدہ کا مظہر ہے۔

کاش ان کا دیوان شائع ہو گیا ہوتا تو میں آپ کے سامنے کچھ اور حسین و جمیل اشعار پیش کر سکتا۔

آخر میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ایسے نیک انسان اور اعلیٰ پایہ کے شاعر کے متعلق مجھے لکھ کر جو مسرت ہوئی ہے، اس میں میں آپ کو بھی شریک کرنا چاہتا تھا اور یہی امر اس مضمون کا محرک ہوا۔

جے رشن چودھری حبیب

ماہر القادری صاحب
مدیر ماہنامہ "فاران"
کیمبل اسٹریٹ کراچی ۱

پیش لفظ

جناب ڈاکٹر ممتاز احمد خاں صاحب خوشتر شاعر ہیں، شاعر نواز ہیں اور شعر فہم ہیں، ایک مدت سے وہ اس دشتِ ناپیدا کنار کی سیاحت کر رہے ہیں، شاعری ان کے ذوق کی چیز ہے، اسے انھوں نے پیشہ نہیں بنایا، کھنڈوہ اور اس کے نواح و اطراف میں صاحبِ موصوف کی سعی و ترغیب سے اردو شاعری کا ذوق پیدا ہوا ہے۔

خوشتر صاحب یک فنی شاعر نہیں ہیں کہ جو کسی گھر بند ہوں، غزل، رباعی، قطعات اور نظمیں ایک ہی قوت کیساتھ کہتے ہیں، ان کے کلام میں جوش و ولولہ ملتا ہے، وہ اپنے پڑھنے والوں کو نشاط و انبساط کے ساتھ پیغام بھی دیتے ہیں، خوشتر صاحب انسان ہیں، فرشتہ نہیں ہیں، اور کسی انسان کا کوئی کام بھی نقص و قباحت کور کسر سے خالی نہیں ہوتا۔ مگر اصل بات جو دیکھنے کی ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر کس شے کی کثرت ہے، محاسن کی معائب کی، خوشتر کے کلام میں خوبیاں زیادہ ہیں، وہ روا روی میں شعر کہنے کے عادی نہیں ہیں۔ شعر گوئی میں انھوں نے برسوں ریاضت کی ہے۔

جناب خوشتر کا کلام آپ کے سامنے ہے، میں درمیان سے ہٹا جاتا ہوں، صاحبِ موصوف کا کلام پڑھ کر آپ کا وجدان خود فیصلہ کرے گا کہ فنکار خوشتر "کس پایہ کا ہے" اور یہی فیصلہ غیر جانبدارانہ ہوگا۔

ماہر القادری

کراچی۔ ۱۱ر جولائی ۶۵ء

تقریظ

از ابرؔ احسنی گنوری

ڈاکٹر ممتاز احمد خاں صاحب خوشترؔ کا نام ادبی حلقوں میں کس کی زبان پر نہ ہوگا؟ اُن کی شاعرانہ حیثیت کو کون تسلیم نہ کرتا ہوگا؟ اُن کی خوش بیانی و تر زبانی کا کون معترف نہ ہوگا؟ ملک کے ادبی رسائل میں آپ کا کلام سب ہی نے پڑھا ہے اور حسنِ بیان اور طہارتِ زبان کی سب ہی نے داد دی ہے، خصوصاً مدھیہ پردیش میں جہاں اور نامی گرامی شعراء سرِ فہرست ہیں، وہاں جناب خوشترؔ بھی موجود ہیں۔

میری ان سے ملاقات ناگپور بزمِ احسنؔ کے مشاعرے میں غالباً ۴۹ء یا اس کے لگ بھگ ہوئی۔ نام تو پہلے ہی سنا تھا اب جب ان کا کلام اُن کی زبان سے سنا تو طبیعت خوش ہو گئی، مشاعروں کی ملاقاتیں دُور کے جلوے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں، وہاں تو ایک دوسرے کو دیکھا جا سکتا ہے اشارے سے سلام کیا جا سکتا ہے یا اشارے ہی سے مزاج پرسی کی جا سکتی ہے اور بس۔

دوسرے دن میں مولینا ناطقؔ گلاٹھوی کے دولت کدہ پر برائے سلام حاضر ہوا تو وہیں خوشترؔ صاحب کو مقیم پایا۔ یہ تفصیلی ملاقات تھی ایسی ہی۔ ملاقاتوں میں ایک دوسرے کا صحیح تعارف ہوا کرتا ہے شیخ سعدیؔ نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا ہے ؎

تا مرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

اس ملاقات میں خوشتر صاحب کے اخلاق حسنہ کا عرفان، اخلاص و مروت کی شناخت ہوئی اور بے تکلف انداز مزاج کو سمجھنے کا موقع ملا۔ اگرچہ پہلی چند ملاقاتوں میں شیطان بھی خود کو فرشتہ ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ اس پہلی ملاقات میں خوشتر صاحب نے اسی اصول پر عمل کیا ہوگا مگر اس کا کیا جواب کہ خوشتر صاحب کے دیرینہ موجود پرانے رفیقوں نے ان کے کلام و خلق کی بہت کچھ تعریف کی، اور پھر مولانا ناطق کی تائید مزید تو حرف آخر کا حکم رکھتی ہے۔

بڑی دولت ہے خوش اخلاقی و وضعداری جس کسی کو نصیب ہو جائے وہ لوگ جنھوں شاعر کتنے بدنصیب ہوتے ہیں جو بد اخلاق، تنگ مزاج اور تکبر کا شکار ہوتے ہیں۔ اور مبارک و مسعود ہیں جناب خوشتر کہ انھیں اللہ نے حسن بیان و حسن اخلاق دونوں نعمتیں مرحمت فرمائی ہیں۔

اسی ملاقات میں یہ حقیقت واضح ہوئی کہ خوشتر صاحب مولانا ناطق کے پرانے اور ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ پھر یہ بات معلوم کرکے ان کی خوش گوئی کا راز خود بخود کھل گیا کہ انھیں ایسا ہونا ہی چاہیے، اگر ایسے نہ ہوتے تو واقعی مقام تعجب ہوتا، یہ تھی میری خوشتر صاحب سے پہلی ملاقات جو اب تک آخری بھی ہے، آئندہ کا حال عالم الغیب کو معلوم ہے۔

آج انھوں نے مجھے اپنا کچھ کلام دیکھ کر اظہار خیال کی دعوت دی ہے اور مجھے مسرت ہے کہ ان کا کلام منصۂ شہود پر آرہا ہے، جس سے شعر دوست اصحاب کو اچھے اشعار پڑھنے کا موقع نصیب ہوگا، خدا سے دعا ہے کہ وہ ان کے کلام کو حسن قبول کی سند عطا فرمائے۔ اگرچہ بقول "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید"۔ اچھا شعر کسی تعارف کا محتاج نہیں ہوتا پھر بھی شعر مشک نہیں۔ کہ جو عطار کے بغیر بتائے بھی بتلا دے کہ میں یہاں موجود ہوں، شعر میں بہت سی ایسی خوبیاں اور خرابیاں ہوتی ہیں جو عام و عوام تو کیا خواص کی سمجھ میں نہیں آتیں، بلکہ بہت سے قابل شعرا ان نکات تک نہیں پہنچتے اور شعر کی خوبی و خرابی کا مزاج یہ ہے کہ جب تک کوئی وضاحت سے بتائے نہیں سمجھ میں نہیں آسکتی۔

اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ میں اپنی معلومات کے مطابق خوشتر صاحب کے کچھ اشعار سے آپ کو متعارف کراؤں، پہلے زبان کا ایک سادہ اور دلکش شعر سنیے۔

کہاں آرام رکھا ہے کہاں آرام آتا ہے
گذر جاتی ہے صبحِ غم تو وقتِ شام آتا ہے

پہلا مصرع خاص زبان میں ہے۔ محاورہ اہلِ زبان کے انداز پر با محاورہ لکھا ہے: "کہاں آرام رکھا ہے" اس ٹکڑے کا لطف اہلِ زبان بخوبی لے سکتے ہیں۔ اب آرام نہ ملنے کا ثبوت دوسرے مصرع میں بڑی خوبی سے فراہم کیا ہے، صبحِ غم کے گذرنے کے بعد رات کو آدمی سمجھتا ہے اب آرام ملے گا مگر وہی رات جو تمام مخلوقِ خدا کو (علاوہ درندوں اور بوم و شپّرہ کے) پیغامِ راحت لاتی ہے، وہ اہلِ محبت کے لئے جدائی کے غم کو دوبالا کر دیتی ہے اور تاریکی گویا آہ و فغاں کی جلو میں قیامت آثار بن جاتی ہے۔ اور اس طرح دن اور رات غم کے آغوش میں بسر ہونے کا ایک تسلسل قائم ہو گیا ہے۔ صبحِ غم کے بعد شامِ جدائی اور پھر صبحِ غم پھر شامِ جدائی — اگرچہ شامِ فراق شعر میں نہیں کہا گیا مگر اصطلاحِ عشق میں یہ لفظِ شام اتنا معروف ہے کہ اس کا نام زبان پر آتے ہی تمام مصائب و آلام کا تصور بآسانی ذہن میں آ جاتا ہے۔

مضمون شعرِ ذیل پرانا ہے، مگر اچھے انداز سے بیان کیا ہے ؎

اسی کو ہم سمجھ لیتے ہیں اپنا، سادگی دیکھو
جو اپنے ساتھ راہِ شوق میں دو گام آتا ہے

سچ، مخلص اور سادہ لوح انسانوں کو دغا بازوں نے ہمیشہ اسی چال پر مات دی ہے، دوست بنے، میٹھی میٹھی باتیں کیں، ہاں میں ہاں ملا دی، کچھ دن اس روش سے اعتبار قائم کیا اور چت کر دیا۔ ؎

زینت وہ خیال ہے کہ حسین یا للعجب — کوئی حسین اب نہیں جچتا نگاہ میں

نسبت بھلا ہو کیا یہاں ہیں وہی لوگ اہلِ ہوش — بے ہوش ہو گئے جو تری جلوہ گاہ میں

تر دامنی کی شان ہماری بصد رشک — نکلے ہیں پاک ڈوب کے بحرِ گناہ میں

پہلا شعر اس صداقت پر کروڑوں گواہ پیدا کر سکتا ہے، دنیا میں یہی ہوتا ہے کہ جب کوئی صورت دل میں بس جاتی ہے تو پھر اس کی نگاہ میں کوئی دوسرا حسین سماتا نہیں خواہ اس سے دوسرے ہزار گنا حسین ہوں اسی لئے یہ مثل مشہور ہوگئی "لیلیٰ را بچشمِ مجنوں باید دید"

تیسرا شعر خوش عقیدگی کا ایک ایسا نمونہ ہے کہ اللہ کی رحمت اور اپنے گناہوں کا کشش ملا کر بخشش کا جواز پیدا کیا ہے، اور شرابِ معصیت میں نہا کر لوگ جنت میں پہنچنے کے خواب دیکھتے رہے ہیں میں نے بھی اسی طرح سے بہت اشعار میں خود کو دھوکا دیا ہے اور خورشید صاحب نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ مگر خدا کی کہی ہوئی بات سچی ہوتی ہے ہماری نظر فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ——— پر رہنی چاہیئے۔ میں نے یہ شعر نفسِ مطلب کی کسی خوبی بیان کرنے کے لئے نہیں پیش کیا بلکہ شعر کے حسنِ ظاہری پر نگاہ ڈالنی تھی، مناسباتِ لفظی جہاں شعر کو رشکِ آفتاب بنا دیتی ہیں وہاں شاعر کی مشاقی و فنکاری کی نشاندہی کر دیتی ہیں۔ تردامنی ۔ ڈوبنا ۔ بحر یہ ۳ لفظ اس خوبی سے برمحل خورشید صاحب نے شعر میں نصب کئے ہیں کہ ان کی شاعرانہ نبض شناسی کی داد دینی پڑتی ہے جیسے خورشید صاحب آمد کی نبض بھی دیکھتے ہیں اور شعر کی بھی ایک حسین مطلع دیتے ہیں۔

بھول گئی اسے صبا دوسرے کاروبار میں — غنچۂ دل کھلا نہیں اب کے برس بہار میں

"فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ" حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس کا ثبوت یہ شعر ہے، کہہ تو یہ رہے ہیں کہ اب کی بہار (آزادی) میں ہمارا غنچۂ دل نہیں کھلا یعنی اور غنچوں کو زحمت کرتے گئے جیسے دل گرفتہ تھے ویسے ہی رہے، مگر ایسا کیوں ہوا اس کا گلہ نہ ہونا چاہیئے تھا خورشید صاحب اس کا الزام ذرہ برابر بھی صبا کی دانستہ بدنیتی کو نہیں دیتے، بلکہ ان کو صبا کا مقامِ دیگر پر غنچوں کو کھلایا کرتی ہے دوسرے کاروبار میں مصروف ہو کر بھول جانے کی بات بھرے انداز میں کہتے ہیں اور اس طرح انہیں قصوروار نہیں ٹھہراتے کتنا پیارا انداز بیان ہے کتنا حسین اسلوب ہے اور کتنا دلکش خیال ہے جزاک اللہ۔ ۲ شعر اور سن لیجئے ؎

میرے لئے آسے مرا بخت سیاہ مل گیا　　گھٹ گئے چار چاند اب گردش روزگار میں
مٹ گئی دیکھی تیرگی نور جمال یار سے　　لاکھوں چراغ جل اٹھے سینۂ داغدار میں
آپ کا خوف اضطراب کہاں رہ گیا جو تھا یہاں　　کوئی بھی پوچھتا نہیں کون ہے کس شمار میں

پہلا شعر صنعت تضاد میں ہے جسکو صنعت طباق بھی کہتے ہیں یعنی شاعر نے بخت سیاہ - اور چاند دو متضاد چیزیں جمع کرکے ایک اچھا مضمون پیدا کیا، چار چاند لگ جانا مشہور محاورہ ہے یعنی کسی چیز کی اہمیت بڑھ جانا اور گردش روزگار کو جیسی بھی سیاہ مل جائے تو پھر بخت تباہ کاری کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے، شعر بہت اچھے ڈھنگ سے کہا گیا ہے۔

دوسرا شعر بظاہر بے ربط معلوم ہوتا ہے ناہموار محسوس ہوتا ہے، نور سے تیرگی تو ختم ہی جاتی ہے لیکن نور جمال سے سینے میں داغوں کا پڑنا عجیب سی بات ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ بظاہر ایسے ہی ناہموار اور بے ڈول قسم کے شعر ہوتے ہیں جنکی طرف سطحی بین تو توجہ نہیں کرتے مگر انہیں میں شاعر کا فن کمال عروج پر نظر آتا ہے، غور کیجئے نور جمال جب دل میں بسا جب ہی تو اس نے محبت بنکر دل کو داغدار بنایا۔ اگر اس نور جمال سے محبت نہ ہوتی تو کیوں داغ پڑتے، اب رہا نور، جمال، چراغ۔ وغیرہ کا لفظی طلسم، یہ مشاق جادوگران سخن کے یہاں ہوا ہی کرتا ہے۔

تیسرا شعر سادہ ہے، معمولی سی گفتہ ہے اور پامال مگر ہر کرۂ قامت کہتر بقیمت بہتر والی بات ہے، شاعر چونکہ معلم وفا ہوتا ہے مبلغ محبت ہوتا ہے اس لئے وہ دنیا کو وفا و محبت پر آمادہ کرنے کے لئے کوئی پہلو فروگذاشت نہیں کرتا۔

ہمت پائدار رکھ کوشش استوار رکھ　　ہر عروج زندگی پا بہ عزم لازوال

اور یہ وہ فرض شاعرانہ ادا کیا ہے خوشتر صاحب نے جس سے اقوام نے شاعر کو رہنما مانا ہے قدر سا تسلیم کیا ہے، قوموں کو بنانے بگاڑنے والا قرار دیا ہے، آج ہم نے ہمت پائدار اسی استوار اور عمل ہی کا تو دامن چھوڑ دیا ہے جو پستی کے غار میں پہنچ گئے ہیں اور امید دن آرزوؤں اور خوش فہمیوں

ہے ہیں۔ ایک شعر اور سنیئے ؎

اتنا کرم تو مجھ پہ کسی کا ضرور تھا ــ سمجھا مجھی کو قابلِ غمہائے زندگی

اگرچہ یہ مضمون بھی گفتہ ہے مگر اسکے دوسرے مصرعے میں خوشتر صاحب نے "تو" استعمال کیا ہے جس نے عجیب معنی پیدا کر دیے ہیں، اور یہ ان کی مشاقی ہے کہ پامال مضمون میں ایک جدت کا گوشہ پیدا کر لیا، مطلب یہ کہ میں ان کے ہر کرم سے تو محروم رہا ہی مگر مجھکو زندگی کے غموں کا اہل سمجھ کر غموں میں ڈبو دیا یہ ضرور ان کی مہربانی تسلیم کرتا ہوں اور اسی سے پتا لگتا ہے کہ میں ان کی نظر میں خاص ہوں، ویسے بھی "ہر چہ از دوست میرسد نیکوست" مثل مشہور ہے مگر غم دیکر تو میرا مرتبہ بڑھا دیا، یہ معانی پیدا کئے ایک چھوٹے سے لفظ "تو" نے، اس زمین میں ایک نئے قسم کا شعر ملاحظہ کیجئے ؎

سرمے کا ایک ڈھیر جو دیکھا تو طور تھا ــ جلوہ کی یادگار بھی نورِ نظر بنی

مشہور ہے کہ موسیٰ کے رَبِّ اَرِنِی (اے رب جلوہ دکھا) کا جواب لَن تَرَانِی (تو نہیں دیکھ سکتا) تھا، یہ نہیں کہا کہ جلوہ نہ دکھائیں گے بلکہ یہ کہا کہ ہمیں جلوہ دکھانے سے انکار نہیں مگر تو دیکھ نہیں سکتا اور یہی ہوا کہ طور پر جب تجلی کی ایک جھلک نمودار ہوئی تو جناب موسیٰ بیہوش ہو گئے، طور جل کر سرمہ کا ڈھیر ہو گیا جو آج تک آنکھوں میں لگایا جاتا ہے اور آنکھیں اس سے نورانی ہوتی ہیں ایک شعر میں نئے انداز سے اتنا مضمون سمو دینا قابلِ داد و ستائش ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ میں خلافِ عادت بہت کچھ لکھ چکا ہوں اور ابھی بہت کچھ لکھنے کی گنجائش موجود ہے مگر سوچتا ہوں کہ جب سب کچھ میں ہی لکھ دوں گا تو پھر آپ خوشتر صاحب کے دیوان میں کیا پڑھیں گے آخر آپ کو بھی تو اس میں سے حسبِ مذاق اچھے اشعار کی جستجو کرنی ہے، اس لئے اسی میں اپنی اور آپ کی بہتری سمجھتا ہوں کہ مضمون کو ختم کر دوں اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کروں کہ خوشتر صاحب کو لمبی مدت تک باصحت و اطمینان زندہ رکھے اور ان کے کلام کو قبولیت عامہ کا اہل بنائے۔

آبر احسنی گنوری

جگن ناتھ آزاد
ڈی ۱/۲۹ چانکیہ پوری
نئی دہلی

خوشتر صاحب کی چند غزلیات میری نظر سے گذری ہیں اور میں ان کے حسن کلام سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ اتنا اچھا کہنے والے شاعر کا مجموعۂ غزلیات آج سے بہت پہلے چھپ جانا چاہیے تھا لیکن یہ ناقدردانی کا زمانہ ہے! اچھا کلام مدتوں نظرانداز رہتا ہے اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ منظر عام پر آ ہی نہیں سکتا۔

مقام مسرت ہے کہ خوشتر صاحب کی غزلیات ایک مجموعے کی صورت میں عنقریب شائع ہو رہی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اہل نظر اس مجموعے کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

جگن ناتھ آزاد

نئی دہلی
۱۱ مارچ ۱۹۶۵ء

امین سلونوی
لکھنؤ

کلامِ ممتاز

دنیا میں ہمیشہ اسکی حالات یا اہم شخصیتوں کے متعلق معلومات میں اضافہ کرنے کا کام جرائد اور رسائل کیا کرتے تھے اور آج کی ترقی یافتہ دنیا میں جرائد اور رسائل کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ چنانچہ کسی ایک ذریعہ سے میں بھی ایک ممتاز شاعر سے متعارف ہوا۔ ہوا یہ کہ اتفاقی طور پر ایک ادبی جریدے کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ ایک قطعہ کے چار مصرعوں پر نگاہیں جم کر رہ گئیں۔ اس سے پہلے کہ میں اس پر کوئی مزید اظہار خیال کروں اس قطعہ کو پیش کر دوں تاکہ دوسرے بھی اس سے لطف حاصل کریں۔

یاد ہے وہ مئے گلرنگ کا پینا ساقی جینا اس دور کا اصل تھا جینا ساقی
آج کل تشنہ لبی عام ہے میخانے میں اب ترے بس کے نہیں ساغر و مینا ساقی

یہ قطعہ کسی لکھنؤی شاعر کا نہیں، نہ یہ قطعہ قلعہ معلیٰ کی اردو زبان کے کسی دہلوی شاعر کا ہے۔ یہ بہار اور پنجاب کے بھی کسی شاعر کا قطعہ نہیں ہے، نہ کسی حیدرآبادی شاعر کی ملکیت، بلکہ یہ صوبہ پنجاب میں کھنڈوہ کے رہنے والے ایک ممتاز شاعر کے جذبات کا آئینہ ہے جس سے نہ میں واقف تھا اور نہ وہ مجھے جانتے ہوں گے، بلکہ یہ ایک نادیدہ اتفاقی ملاقات ایک جریدے سے ہو رہی ہے اور اب میں پورے طور پر ان کا تعارف کر رہا ہوں۔ یہ ہیں ڈاکٹر ممتاز احمد خاں خوشتر کھنڈوی اور یہ قطعہ انہیں کے رشحات فکر کا نتیجہ ہے، اس قطعہ کے پڑھنے اور مزید جستجو کرنے پر خوشتر صاحب کے کلام کا ایک مختصر انتخاب مل گیا۔ اور میں نے اسے پورے غور سے پڑھا اور پھر سوچا رہا کہ جسطرح پیغمبری میں کوئی وراثت نہیں پائی جاتی اسی طرح شاعری بھی کسی کی میراث نہیں ہوتی، شعر و سخن سے

ملیں نہ کسی خطۂ زمین کی قید کا پابند نہ کسی مخصوص حلقہ سے اس کا واسطہ، یہ قدرت کا عطیہ ہے جسے
چاہے وہ دیدے، نہ شاعر بنانے سے بنتا ہے اور نہ بنایا جا سکتا ہے، اس کے واسطے نہ مکان و
زمان کی قید نہ ابلتے ہوئے آبشاروں اور سرسبز گلزاروں کی ضرورت، ورنہ ظاہر ہے کہ اسی دنیا میں
کتنے لوگ ایسے موجود ہیں، جو اپنی ساری عمر فلسفہ، منطق، سائنس اور دوسرے علوم وفنون پر صرف
کر چکے ہیں اور ہو سکتا ہے وہ شعر بھی کہہ سکتے ہوں لیکن اس کی حیثیت ایک فن کی ہوگی، لیکن شاعر فطرت کا
ترجمان ہوتا ہے اور ہر وقت اپنے ماحول ہی سے متاثر ہوتا ہے اور اپنے تاثرات کو اپنے حالات اور
واقعات کی مطابقت میں کلام موزوں کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ اور شعر بھی وہی ہوتا ہے جس میں پورے
سماج کی روح تڑپتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ایسے حالات کے تقاضے اور زندگی کے محسوسات ہوتے ہیں،
بے بس غریبوں کے آنسو ہوتے ہیں، اس میں بے چین دلوں کا طوفان ہوتا ہے اس میں کہیں آہ اور کہیں
واہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، شاعر کے شعری جذبات میں زندگی کی تمام حقیقتیں اور ایک انسان کے
دھڑکتے ہوئے دل کی پوری کیفیات سموئی ہوئی ہوتی ہیں، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک شاعر خیالات
کی دنیا میں وہاں تک پہنچتا ہے جہاں ایک عام انسان کا ذہن نہیں پہنچ سکتا، چاہے وہ سائنس کی کرامات
سے ساری عمر خلا میں پرواز کرتا ہے۔ خلا میں تیرنے والا صرف خلا میں تیرنے کی کیفیت ہی بتا سکتا ہے
لیکن شاعر کی ہستی ایسی ہستی ہوتی ہے جو سارے نشیب و فراز کو اپنے موزوں اشعار میں ظاہر کر دیتا ہے
پست و بلند ہر وقت اس کی آنکھوں میں موجود ہوتے ہیں اور وہ اپنے انداز سے کبھی دنیا کے عشرت
کدوں کا جائزہ لیتا ہے اور کبھی عزلت کدوں میں جاتا ہے، کبھی امیروں کے محلوں میں اور کبھی غریبوں
کی جھونپڑیوں کی طرف گذرتا ہے اور پھر اپنے جذبات کو اس طرح پیش کرتا ہے ؎

لوگ دولت سے کیا کرتے ہیں عزت کا شمار　　اسی معیار پہ ہوتا ہے شرافت کا شمار
نیکیاں لاکھوں ہوں انساں کی غریبی میں تو کیا　　کوئی کرتا نہیں اخلاق و مروت کا شمار

اور جب کوئی انسان بحیثیت شاعر عملی زندگی میں آتا ہے تو اس کے تجربات اس کے ذ

و جیات کا احساس اور زیادہ تیز ہو جاتا ہے اور پھر وہ اپنے سماج اپنے ملک کی تہذیب و ادب ترقی، خوشحالی اور ان تمام باتوں کا گہری نظر سے مطالعہ کرتا ہے اور اسکے جائزہ لینے کی رفتار اور تیز ہو جاتی ہے، اور وہ اپنے فلسفۂ محبت کو بنیاد بنا کر عوام کے معیار زندگی، اسکی محنت کوشش، اس کے علم، سرمایۂ اخلاق و تہذیب اور ان کی زندگی کی تمام جزئیات کو پرکھتا اور اس کا تجربہ کرتا ہے، میں نے اسی پیمانہ سے ڈاکٹر ممتاز احمد خاں خوشتر کی شاعری کو دیکھا اور ناپا ہے، اور میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ڈاکٹر ممتاز احمد خاں خوشتر کی شاعری میں خود شناسی اور انسانی محسوسات کا ایک بے پناہ طوفان سمویا ہوا ہے اور وہ خود بھی غالباً دنیا کے اسی بلند و پست کے مراحل سے گذرنے کے بعد ہی ایسی بیباکی سے یہ کہہ سکتے ہیں ؎

ڈوب کر جو بشر ابھرتا ہے | کب وہ طوفان غم سے ڈرتا ہے
خوف کھاتا ہی جو تلاطم سے | وہ کنارے پہ جا کے مرتا ہے

اور جب ہی شاعر مجازی حدود سے آگے بڑھتا ہی تو وہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہی جو ایک سربستہ راز کی حیثیت رکھتا ہی، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جو کچھ دیکھا ہے اس سے زیادہ کوئی حیرت انگیز منظر اس کے سامنے ہے اور اسی حیرت کے ساتھ سوال کرتا ہے ؎

جس نے جی بھر کے تجلی کو کبھی دیکھا ہو | کوئی ایسا بھی تری جلوہ گہہ ناز میں ہے

اور پھر خود ہی جیسے اس کا جواب بھی اس کے سامنے آجاتا ہے اور وہ اپنی زبان سے کہہ اٹھتا ہے ؎

خود آگہی میں ہماری یہ راز پنہاں ہے | کہ بیخودی میں بھی رہتے ہیں ہوشیار سے ہم

جی تو چاہتا ہے کہ حضرت خوشتر کے کلام کے کچھ اور نمونے پیش کروں، مگر طوالت کے خیال سے انہیں کے قول کے مطابق ؎

فرصت زندگی کہاں فرصت زندگی نہ دیکھ | وقت نہ پوچھ موت کا اس کیلئے گھڑی نہ دیکھ

کچھ تو نگاہِ فتنہ گر زحمتِ عرضِ حال دے — ہوش کی بات کہنے دے میری طرف ابھی وہ دیکھ
سجدہ نہیں نہیں سہی، ذوقِ نیاز ہی تو ہے — عجز کی مجھکو داد دے صورتِ بندگی نہ دیکھ

اس سلسلے میں جیسا کہ مفکرین کا خیال ہے شعر و شاعری کی عظمت کو ہمیشہ تسلیم کیا گیا ہے اور اسے ادب کا ایک اہم جزو مانا گیا ہے، ادب انسانی زندگی میں نکھار پیدا کرتا ہے اور شاعری خیالات کی آئینہ دار ہوتی ہے قوموں کے بننے بگڑنے کی صحیح تاریخ کا اندازہ ہوتا ہے اس لئے کہ شاعر جن خیالات کو پیش کرتا ہے وہ واردات کی صداقت پر مبنی ہوتا ہے۔ اور پھر موجود انسانی ذہن و خیال ادھر رجوع ہوتا ہے اور یہی ان کے باقی رہنے کی ضمانت ہوتی ہے، حضرت خوشتر کی شاعری باقی رہنے والی ہے۔ اسکو یوں سمجھنا چاہیئے کہ صبح ہونے سے پہلے اس کا پر کیف اور سہانا منظر دیکھنے کو دنیا ہمیشہ دیکھتی ہے لیکن ایک شاعر اسے جس طرح دیکھتا ہے اور اس کیف کو محسوس اور اسکی تہہ تک پہنچتا ہے مشکل سے ہر انسانی ذہن و دماغ میں آسکتا ہے اور جب شاعر اس کیفیت کو پیش کرتا ہے تو ہر انسان پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور وہ حقیقت اب اس کے سامنے شاعر کے خیالات اور تصورات کی دنیا سے مس ہوتی ہوئی سامنے آتی ہے۔

حضرت خوشتر کھنڈوی ایک خوش فکر شاعر ہیں اور پھر وہ علامہ ناطق ایسی شخصیت سے وابستہ ہیں جنکی توجہ نے ان کے فن کی عظمت میں اور اضافہ کردیا ہے۔

آمین سلونوی
اڈیٹر اسٹوڈنٹ نیوز سروس
امین آباد لکھنؤ

شاعری ایک حساس دل کے ذریعہ کسی ذات یا معاشرے کی انفرادی اور اجتماعی کیفیتوں کی ترجمانی اپنے ماحول کی عکاسی اور اپنے گرد وپیش کی مصوری ہوتی ہے مضامین مواد اور تخییل ماحول عطا کرتا ہے اور الفاظ کا لباس شاعر کی وجدانی صلاحیتیں مہیا کرتی ہیں، البتہ خوبیٔ اسلوبی استادانہ قدرِ زبان و بیان سے میسر آتی ہے۔ یا کل کتاب و کائنات کے مطالعے اور مشاہدے سے نصیب ہوتی ہے، شاعری دراصل طبعِ موزوں کو قدرت کی دین ہے۔ جیسے جہلا زندگی کی تجربہ گاہ میں تپ جاتا ہے اگر شاعر تجربہ، مطالعہ، مشق و مشاہدے کے ساتھ ساتھ تربیت استادسے بھی بہرہ مند ہو تو یقیناً سونے پر سہاگہ ہو جاتا ہے۔ بقول مولانا روم ؎

مولوی ہرگز نشد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

جس طرح تصور کے بغیر کوئی فن شاعری ہو یا مصوری بلندی کو نہیں پہونچ سکتی اسی طرح شاعری

کا فن یا فلسفۂ حیات استعداد کے فقدان کے بغیر پائیداری کو نہیں پہونچتا۔

جب زبان اور ادب کا معاملہ اتنا پیچیدہ اور صبر آزما ہو چکا ہو تو ہمارے شعرا اس دور میں خود اپنی زبان کے ادب کا مطالعہ بھی ترک کر دیں، استادی شاگردی کو قصۂ پارینہ قرار دیں، اور تخیل کو انسانی آفاقی اور عالمگیر بنانے کے بجائے زبان و بیان کی ضروریات سے ہی منہ موڑ لیں تو بھلا بتائیے بیچاری اردو شاعری کا کیا حال ہوگا؟

اس دور میں جب اردو ہی پر صبر آزما وقت پڑا ہوا ہے، ادب کا مستقبل تو ایک طرف حال کی بدحالی ہی بیان سے باہر ہے تو کیا ہم معیاری ادب کے بجائے صرف موضوعاتی اور اخباری ادب ہی کو شاعری اور ترنم و موسیقی ہی کو بجائے گیت و وجدان سمجھ کر ہر آن پڑھ قوال کو شاعر مان لیں، ادب کے ساتھ اس سے زیادہ اور کیا ناانصافی ہوگی، کم از کم آج سے بیس سال پہلے تک لوگ ایک ایک لفظ کی صحت پر اپنی صحتیں قربان کر کے صحتمند زبان، رچا ہوا تغزل اور جدت آپ بیتی کو جگ بیتی اور جگ بیتی کو آپ بیتی کی شکل میں تو پیش کر دیا کرتے تھے ان کا ادب کم از کم اپنے معاشرے اور اپنی زبان کے اہل ذوق کے لئے تو وجہ تسکین ہوتا تھا، مگر افسوس یہ ہے کہ اس دور کی بے راہ روی، آزاد پسندی، بے استادی، اور سیاسی گروہ بندی نے وہ رہی سہی آب و تاب بھی مفقود کر کے چھوڑ دی۔ اب نہ ذوق سلیم کی پرواہ رہی نہ فصاحت کی نہ زبان کی پابندیاں رہیں، نہ بیان کی قید رہی۔ تخیل کی پستی، مضامین کی سستی، پھر بیان اور زبان کی ناواقفیت نے ادب کو بالکل مجروح اور بے دست و پا کر کے چھوڑا۔ آج بہت کم آوازیں ادب میں ایسی ہیں جو حسن و شعر کی امین و ضامن ہوں اور ان کا کیا بگڑا ہے، ابھی کچھ پرانی صورتیں یا پرانی صورتوں کے فیض یافتہ ارباب شعر و سخن موجود ہیں تو کچھ ہم اور آپ بھی سن کر یا پڑھ کر اپنی تشنگی بجھا لیتے ہیں۔ ابھی ایک طرف مجاز اور اختر شیرانی کی یاد تازہ ہے تو دوسری طرف روش صدیقی، بسمل سعیدی، مجروح سلطانپوری، سکندر علی وجد، آنند نرائن ملا، فیض احمد فیض، اگرچہ د

پاکستان میں ہیں، اور عرفی لسیانی وغیرہ میدانِ غزل میں اور ولی شہزا جعفری، نیاز حیدر، اختر الایمان
وغیرہ میدانِ نظم میں آج بھی ہمارے شعر و فن کی لاج سنبھالے بیٹھے ہیں۔ اگرچہ یہ امر واقعہ ہے کہ
آج بھی جوش، جگر اور فراق کی سی خوش گوئی، دسترس اور فکر و فن کی بلندی کسی معاصر کو نصیب نہیں مگر
مستقبل کے امید افزا امکانات اور توقعات ہیں اور ایسے ہی چند اور معاصرین سے وابستہ
کئے جا سکتے ہیں۔ نئی نسل کی تشکیل بدایونی، ساحر لدھیانوی، فضل الرحمن اعظمی، کاظم خوش، کیفی اعظمی، سلام
مچھلی شہری، یا پیجر معصوم رضا راہی، والی آسی، زبیر رضوی کا رشاد یہ بندۂ ناچیز یعنی راقم الحروف مخمور
سعیدی کا اسلم پرویز اور چند معاصر ایسے ادیب ہیں جن کا آپ قدامت و جدت کا امتزاج اور
معتدل اپنا ادب کہہ لیں لیکن یہی گزشتہ ۳۰ سال کے جدید بے ہدف تخیل کے ساتھ ساتھ اپنے
اساتذہ سے زبان و بیان کا اسلوب بھی اپنا لیتے جو ہمارا ورثہ تھا تو پھر ان کی شاعری سے
کیا کیا مرقعے مرتب ہوتے یا ہو سکتے اس کا صرف قیاس ہی ہو سکتا ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود جن حضرات نے ادب کو پالا اور اردو زبان کو برتا،
سنوارا، نکھارا، بنایا، مکمل کیا اور سلیس بنایا اور زبان کے مستند محاورے اور فصاحت
و بلاغت کے قاعدے قانون وغیرہ مرتب کئے اور زبان کو معائب سے روشناس کر کے
اپنی تمام شاعری صلاحیتیں زبان کی حفاظت اور تکمیل کی نذر کر دیں اور اس کا شعر میں فنکارانہ محل
استعمال خود اپنی شاعری میں پیش کر کے دکھایا وہ زبان اور فن کے معمار قابلِ احترام ہیں جنھوں نے بے جا
تخیل کو فن اور زبان سے الگ کیا جیسے نواب مرزا داغ دہلوی، لکھنوی، امیر مینائی، حالی، جلال، آرزو، صفی
ثاقب، مضطر، ریاض، عزیز، خاقانی، بیخود، سائل، شاعر، کیفی، سیماب، نوح ناروی جیسے
اساتذہ مرحومین ہیں۔ اب بقیہ حیات بزرگوں میں مرزا اصغر علی خاں اقر، جوش ملسیانی اور
مولانا تاجور کا شی وغیرہ حضرات دستبرد زمانہ رہ گئے ہیں جن کا نام بطور سرمایۂ
حفاظت اردو زبان و ادب کے لئے باعثِ برکت و سعادت بنا رہے گا ـ

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

ان ہی بزرگ اساتذۂ فن کی ایک قابل فخر اور لائق احترام شخصیت استاد مولانا ناطق گلاؤٹھوی کے لائق و فائق شاگرد جناب ڈاکٹر ممتاز احمد خاں خوشتر کی ذاتِ گرامی ہے۔ ڈاکٹر صاحب جو کھنڈوہ میونسپل کمیٹی کے نائب صدر، ایک ممتاز معالج اور باوضع بزرگ ہیں، زبان اور تغزل کے مشاق شاعر ہیں، زبان اور بیان داغ گھرانے کی، تغزل میں تازگی، اظہار خیال میں شگفتگی اور پختگی ان کا حصہ ہے، بڑے ہی متواضع اور با اخلاق انسان ہیں، شرافت اور نیکی کا پیکر ہیں، ادب کی خدمت اور زبان کی فروغ کے لئے کھنڈوے جیسے دور افتادہ جگہ میں چراغ علم روشن کئے ہوئے ہیں۔ آپ کے یہاں پرانی شراب نئی بوتلوں میں فراوانی سے ملے گی، زبان کا قالب پرانا اور خوبصورت اور خیالات و مضامین بیشتر نئے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ شعر کی خوبیوں کے متعلق سطور بالا میں جو نشاندہی کی گئی ہے کما حقہٗ ان کی تقلید و پیروی سے آپ کا کلام مزین و آراستہ ہے، برسوں سے بزم خوشتر کے تحت مشاعرے بھی منعقد کرتے ہیں اور اپنے خلوص بے پایاں سے خادم کو بھی برادرِ عزیز کی طرح نوازتے ہیں، نام و نمود اور شہرت طلبی سے بے نیاز مخلصانہ خدمتِ ادب کئے جاتے ہیں۔

اب آپ ان سے اس عمر میں "انہی دور کے تقاضوں اور دھماکوں کی ادب میں توقع کریں گے تو عجب نہیں بلکہ غلط ہوگا۔ البتہ یہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کا کلام روانی اور دلچسپی سے کہیں عاری نہیں ہے۔ زیادہ تعریف مناسب نہیں۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید
آپ بھی "افکارِ خوشتر" ملاحظہ فرمائیں اور ادبی نخلستانوں کا سایہ تلاش فرمائیں

——— گلزار دہلوی

سیف گوالیاری
بھوپال

مشاہدات

حضرت خوشتر کھنڈوی ایک نہایت پختہ مشق زود گو، خوش کلام و خوش فکر اور مشہور شاعر ہیں۔ آپ غزل، نظم، رباعی، قطعہ، مرثیہ، سلام، حمد، نعت و منقبت وغیرہ سب کچھ کامیابی سے کہہ لیتے ہیں، نثر کا بھی آپ کو کافی ملکہ ہے، آپ چونکہ علوم متداولہ سے بہرہ ور ہیں اس لئے آپ کا فن ادب و شعر کافی نکھرا، ستھرا اور تابناک ہے۔ کلام میں سادگی کے ساتھ شکوہ، سنجیدگی کے ساتھ رنگینی ہوتی ہے، اسلوب بیان دلکش، زبان شستہ اور سوز و اثر سے بھرپور ہے آپ نے قومی و وطنی، اخلاقی و تہذیبی کافی نظمیں، قطعات وغیرہ لکھے ہیں فن و قواعد پر بھی دسترس ہے۔ آپ دور حاضر کے مسائل اور زندگی کے مقتضیات سے بھی باخبر ہیں۔ آپ کے اشعار میں وقت کی آہٹیں اور عصری پرچھائیاں نمایاں طور پر موجود ہیں تغزل میں مسائل حیات و کائنات کو بڑی فن کارانہ چابکدستی سے سمویا ہے کہ سپاٹ پن یا پروپگنڈا نام کو نظر نہیں آتا۔ اور تغزل کی تمام خصوصیات اور رنگھار باقی رہتا ہے، غزل ہی آپ کا پسندیدہ صنف ہے آپ مقامی و غیر مقامی لوگوں کی اصلاح بھی کرتے رہتے ہیں۔

خوشتر صاحب اپنے صوبہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی کافی مشاعرے پڑھ چکے ہیں بیسیوں جگہ صدارتیں کر چکے ہیں، خاص و عام آپ کی وقعت کرتے ہیں اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، آپکا کلام ملک کے متعدد رسائل و اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

سماجی اور عوامی خدمات بھی آپ کی بہت نمایاں اور قابلِ رشک ہیں۔ آپ نے سرگرم رضا کارانہ سے کام کیا
رہنمایانہ فرائض بلا تفریق مذہب بڑی خوش اسلوبی اور نیک نامی سے انجام دیئے۔ اور یہ تمام خدمات
بے لوث، بے طمع کرتے رہے ہیں حد یہ ہے کہ اپنا جائز معاوضہ اور صحیح حق الخدمت سے بھی حتی الامکان نہ
صرف دامن بچایا بلکہ الٹا ذاتی نقصان اٹھا کر وہ خدمت انجام دی مثلاً مشاعروں میں نذرانہ اور
سفر خرچ وغیرہ شاعر کا جائز حق ہوتا ہے۔ مگر خوشتر صاحب نے نذرانہ تو کیا کرایہ وغیرہ بھی اپنے پاس سے ہمیشہ
خرچ کیا اور کبھی کسی سے کچھ نہ لیا۔ اس قسم کے ایثار کی یہ پہلی مثال ہے کہ ایک کامیاب مقبول
شاعر یہ قربانی کرے۔ ایسے زردار شاعر تو کتنے گذرے ہیں اور آج بھی ہیں کہ محض سیم و زر کے سہارے
بڑے شاعر بن گئے صاحب دیوان ہو گئے، مشاعروں میں مفت بھی جاتے ہیں، افتتاح اور صدارت
کی قیمت بھی دیتے ہیں، مگر خود شعر موزوں نہیں کہہ سکتے۔ ایسا کوئی شاعر نہیں ہے کہ ہر لحاظ سے مکمل
فن کار ہو اور پھر اس قسم کی قربانی کرے۔ یہ اعزاز خوشتر صاحب ہی کو حاصل ہے۔ جو قابلِ صد
مبارک باد ہے۔

یہ ایثار یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ موصوف نادار اور ضرورت مند شعراء کا علمی و ادبی، دینی
و تہذیبی مدرسوں اور اداروں کی اعانت کرتے رہتے ہیں۔ آپ بیحد رقیق القلب اور انتہائی
حساس ہیں کسی کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ جاتے ہیں اور حتی الامکان اس کی تکلیف کو رفع کرنے کی
سعی کرتے ہیں۔ ہر چند کہ آپ پرائیوٹ پریکٹیشنر (ڈاکٹر) ہیں مگر آدھے سے زیادہ غریب، مریضوں کو ان
کے گھر پر جا کر مفت دیکھتے ہیں۔ اور مفت دوا دیتے ہیں۔ یہ آپ کا معمول ہے یہی نہیں بلکہ بعض
انتہائی نادار مریضوں کو اپنے گھر پر رکھ کر ان کے خورد و نوش کا بھی انتظام کرتے ہیں یہ تمام بیانات
سماعی نہیں میرے ذاتی مشاہدات ہیں۔

ڈاکٹر خوشتر نے ہر ہیجانی اور طوفانی دور میں جو ادب و شعر میں برپا ہوتا رہا ہے بڑی صحت
روی اور استقلال و استقامت سے ادب و شعر کی خدمت کی ہے۔ اور کبھی کسی نگاہ کو اپنا نہیں بنایا

ندامی سے متاثر ہوئے آج جب کہ اردو خصوصاً اردو شاعری کا حلیہ بگاڑا جا رہا ہے اور ہم خود ترقی پسندی، جدیدیت کے نام پر جہالت کے انبارے لگائے جا رہے ہیں، خوشتر صاحب بڑی احتیاط سے اپنا ادبی کام کر رہے ہیں۔ اور شاعری کی توانا اور صحت مند روایات کی حفاظت کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر خوشتر علامہ ناطق گلاؤٹھوی مدظلہ کے فارغ الاصلاح ممتاز شاگرد ہیں اور بجائے خود استاد۔ اپنے استاد سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور اپنی شاگردی پر نازاں ہیں۔ اور خود استاد بھی اپنے اس شاگرد پر فخر کرتے ہیں۔

مجموعہ زیر نظر میں کیا ہے اور کیسا ہے اس کا فیصلہ ناظرین ہی کریں گے مجھے اس کی نشاندہی کی چنداں ضرورت نہیں۔ اسی لئے انتخاب اشعار کی رسم ادا نہیں کر رہا ہوں۔ آج کل عام قارئین بھی اتنے بالغ نظر ہیں کہ اچھا برا خود سمجھ سکتے ہیں۔ چہ جائیکہ طبقۂ خاص کے حضرات۔

میں خوشتر صاحب کو مجموعۂ حسین کی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ موصوف مزید ادبی مدارجِ اعلیٰ سے سرفراز ہوں۔ اور ہمیشہ ممتاز رہیں۔

شفا گوالیاری

بھوپال
۱۹ مئی سنہ ۱۹۶۹ء

اعجاز صدیقی
مدیر شاعر بمبئی

خیالے چند

ڈاکٹر ممتاز احمد خاں خوشتر، اُن چند خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنھیں بہ طور عزت و امتیاز کی نعمت ملی ہے۔ ان کا نام اور تخلص اُن کی شخصیت پر پوری طرح اثر انداز ہے۔ طالب علمی کے زمانے سے تکمیلِ علم تک وہ اپنے ہم جلیسوں میں ممتاز رہے۔ ڈاکٹری کی ڈگری لینے کے بعد انھوں نے اپنی ذاتی ڈسپنسری قائم کی اور ایک ہمدرد اور ہوشیار معالج کی حیثیت سے کھنڈوہ اور اُس کے نواح میں خوب نام پیدا کیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ سیاسی اور سماجی کاموں میں بھی نمایاں حصّہ لیا۔ دو برسوں سے کھنڈوہ میونسپل کمیٹی کے وائس پریسیڈنٹ ہیں۔ شخصیتیں خلوص اور [illegible] کے بغیر مرجعِ خاص و عوام نہیں بنا کرتیں، خوشتر صاحب اخلاق و اخلاص اور شرافت و محبت کا مجسمہ ہیں۔ ان کی راہوں میں بہت سے سنگِ گراں آئے بارہا اُن کے اصول و کردار سے مقامی مصلحت پسندیاں ٹکرائیں لیکن ان کے اندر کا چھپا ہوا متین و شریف انسان کبھی نہیں مرا۔ اُن کا وہ نظریۂ حیات و تعلقات جس نے انھیں کانٹوں سے بھی نباہ کرنے پر ہمیشہ آمادہ رکھا ان کے اِس شعر سے ظاہر ہے ؎

بُرائیاں ہی بُرائیاں ہیں بُرائیوں کا جہاں ہے سارا
بُروں سے دامن بچائیں کیوں کر بُروں کے دامن میں کیا نہیں ہے

"بُروں کے دامن میں کیا نہیں ہے" کہہ کر انھوں نے اپنے انسانی مطالعہ کا اعلیٰ ثبوت دیا ہے نیکی اور بدی کے ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

خوشتر صاحب میرے ان چند دوستوں میں سے ہیں جنہیں معیارِ نظر سے ہمیشہ یک رنگ و یک ادا دیکھا، سنائیس اٹھائیس سال کے دیرینہ تعلقات میں کبھی انہیں ایک بار بھی بدلا ہوا نہیں پایا۔ وہ "شیوۂ اربابِ وفا" کے خوگر رہے اور اپنے اُس محبوب اصول کے کاربند رہے جس کا ذکر اُن کے شعر میں ہے ؂

اُسی کی زندگی ہے زندگی دنیا میں اے خوشتر

وہی انسان ہے انسان جو سب کے کام آتا ہے

مندرجۂ بالا دو شعر جہاں ان کے نظریۂ حیات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں وہیں انکی شاعرانہ مشق اور مزاولت کی بھی نشاندہی کرتے ہیں، خوشتر صاحب ۳۸ سال سے حضرت مولانا ناطق گلاوٹھی کے دامنِ فیض سے وابستہ ہیں، مولانا ناطق کی تربیت شعری نے اُن کے ذوق و فن دونوں کو سنوارا اور نکھارا، ہر شاعر کی فکر تو خیر اپنی ہوتی ہے لیکن فنی اکتساب اگر ٹھکانے سے ہو جائے تو کم از کم ایک راہ تو آسان ہو ہی جاتی ہے۔ وہ فنا فی الاستاد ہیں ؂

ممتاز اس کا رنگ ہے ممتاز کیوں نہ ہو

خوشتر مُرید ناطق و ناطق مُریدِ داغ

خاندانِ داغ میں ہر رنگ کے پھول کھلے ہیں، اس خاندان میں اقبال و سیماب بھی ہوئے اور سائل و بیخود و نوح بھی، احسن و ناطق و جوش ملسیانی بھی لیکن زبان و بیان کی سلاست و فصاحت سب میں ایک وصفِ مشترک رہی ہے۔

ڈاکٹر خوشتر کا رنگِ سخن کچھ بھی ہو مگر ان کے یہاں لطفِ زبان ہر جگہ ملتا ہے، اُن کی مشاقی اور پُرگوئی کا بھی احساس ہوتا ہے، انھوں نے بہت کہا ہے، ان کے ذوقِ سخن کا یہ عالم ہے کہ اگر ذرا سی بھی تخلیقِ غزل کی تحریک شروع ہو جائے تو مریضوں کی بھیڑ کے باوجود اشعار کی بھیڑ لگ جاتی ہے، بیک وقت دونوں طرف توجہ دیتے ہیں، اور اُن کا یہ عالم قابلِ دید ہوتا ہے کہ میں

نہیں آتا کہ وہ طبعی اور شعری خود نگر ایک ساتھ کس طرح کر لیتے ہیں؟!! اسے سوائے ایک کیفیت مجموعہ ضدّیت
کے اور کیا کہا جا سکتا ہے

میرے سامنے خوشتر صاحب کا مجموعۂ کلام نہیں ہے۔ نئی اور پرانی چند غزلیں ہیں، اُن ہی
میں سے کچھ اشعار نقطۂ نظر سے بطورِ نمونہ کلام پیش کر رہا ہوں ۔

غم نہ کر خوشیاں نہ آئیں گی تو غم آجائینگے ۔۔۔ بس ہی جائے گی کسی سے دل کی بستی ایک دن
رُک کے جائیگی کہاں ہستی شکستِ رنجت سے ۔۔۔ سربلندی کے مقدر میں ہے پستی ایک دن

جس نے بھی بھر کے تجلی کو کبھی دیکھا ہو ۔۔۔ کوئی ایسا بھی تری جلوہ گہِ ناز میں ہے

غبارِ زندگی میں بے سبب مقصود کیا معنی ۔۔۔ وہ دیوانے ہیں جو اس گرد کو محمل سمجھتے ہیں

تلاشِ صورتِ تسکیں نہ کر او بامِ ہستی میں ۔۔۔ دلِ مخزوں ابھی سکتا نہیں نقشِ باطل سے

دنیا وہی گرد اور وہی سامانِ زندگی ۔۔۔ لیکن بدلتے رہتے ہیں عنوانِ زندگی
اک دن حیات و موت کی اس کھینچا تانی میں ۔۔۔ ہاتھوں سے چھوٹ جائیگا دامانِ زندگی

ہم دیوانوں نے اپنے بھی بس اللہ ہی اللہ کا گھر ۔۔۔ جب وقت کسی پر پڑتا ہے اپنے بھی کنارہ کرتے ہیں

کہاں رہبر نے بھٹکا کے رہ نوردِ غم ہمدم اپنے ۔۔۔ ہزاروں منزلیں میں منزلِ آرام آنے تک

ہم نے جو اشعار پیش کئے ہیں اس انداز کے بہت سے اشعار اُن کے مجموعۂ کلام میں قاری کو ملیں

جائیں گے اور بہت سے اشعار ایسے بھی ملیں گے جو فکر اسلوب کے اعتبار سے رنگِ قدیم کے حامل ہوں گے
مثلاً الفاظ کی تکرار سے

تھے اپنے مطلب کے اپنے دنیا تھی اور اپنا مطلب تھا ۔۔۔ تھی اپنی غرض سے سب کو غرض ہم نے تو زمانہ دیکھ لیا

مشقِ جفا کے واسطے اور جہاں میں کون ہے ۔۔۔ شوق یہ ہے تو شوق سے کیجئے مجھ کو پائمال

دیکھئے ہم کو دیکھئے ہیں بھی کہیں نہیں بھی ہیں ۔۔۔ پوچھئے ہم سے پوچھئے ہستی و نیستی کا حال

رہبرِ راہِ آرزو، بن گئی آپ جستجو ۔۔۔ میرے کمالِ شوق نے کر کے دکھا دیا کمال

یہ تکرارِ لفظی پرانے اساتذہ کے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹری جیسے جدید علم سے واقفیت کے باوجود انکی وہ قدیم طرزِ فکر جو ان کے مجموعہ کلام میں جابجا نظر آئیگی، میرے خیال میں انکی تربیت شعری کا نتیجہ ہے۔ بہر حال انکی خوش فکری اور خوش ذوقی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اپنے علاقے کے مشہور و مقبول شاعر ہیں۔ اور انتہائی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ تمام اصناف شاعری پر انھیں قدرت حاصل ہے۔ ادبی، شعری اجتماعات ان کے تعاون سے کامیاب ہوتے ہیں۔ اردو تحریک کو بھی ان سے مدد ملتی ہے اور یہ بڑی بات ہے۔

دعا گو ہوں کہ خوشتر صاحب کا مجموعہ کلام نشاطِ فکر و نظر بنے اور اسے مقبولیت حاصل ہو۔

بمبئی۔ ۱۰ اپریل ۔۔۔ اعجاز صدیقی
(مدیر "شاعر")

جناب ڈاکٹر ممتاز احمد خاں خوشتر گھنڈوی

د کعی صبالنوی کی نظر میں

صرف مدھیہ پردیش ہی نہیں بلکہ برِ صغیر بھارت کا ہر وہ مقام جہاں ادیب و شاعر فردکش ہوں وہ حضرات ڈاکٹر ممتاز احمد خاں صاحب خوشتر گھنڈوی سے بخوبی واقف ہیں چنانچہ میری اور موصوف کی ملاقات بھی آل انڈیا مشاعرہ اکولہ میں ہوئی تھی میں نے موصوف کا کلام پہلی مرتبہ جب سنا اُسی وقت سے انکا پرخلوص دوست ہوگیا خوشتر صاحب کے کلام پر تبصرہ یا اس پر مقالہ لکھنا میری بے بضاعتی اور عدیم الفرصتی اجازت نہیں دیتی مگر خلوص و دوستی کے سہارے یہ کہتے ہیں کہ ایک مایۂ ناز اور ہندوستان کی صف اول کے ممتاز شاعر کے لئے کچھ نہ لکھنا بخل کے مترادف ہوگا۔

خوشتر صاحب کے کلام پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے ہر صنف میں کامیاب طبع آزمائی فرمائی ہے۔ نظمیں، غزلیں، تاریخیں، سلام، نعت و قصائد آپ کے مجموعۂ کلام کے درخشندہ ارکان ہیں۔ کہنہ مشقی سے وہ کمال ظاہر فرمائے جسکو اہل نظر جواہر پاروں کی طرح چن کر جھوم جھوم کر لطف لیتے ہیں۔ اس بحر ذخارے میں بھی پسند کے چند دُرِ بے بہا ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں ؎

وہ جب روبرو سامنے ہوتے ہیں کچھ بولا نہیں جاتا
وہ آتے ہیں تو میری طاقتِ گویائی جاتی ہے

شعر کی جسقدر تعریف کیجائے کم ہے، زبان کی سلاست اور مضمون کی بلاغت قابلِ ستائش ہے۔

جہانِ بے ثبات کا شکوہ اور ناموافق ماحول کا گلہ کرتے ہوئے خوشتر صاحب فرماتے ہیں ؎

خزاں کا دور جائے گا بہار آئے گی گلشن میں
مگر جب تک خدا جانے کہاں ہوگا قیام اپنا

چند متفرق اشعار ملاحظہ ہوں

وہ دل کی لگی کو کیا سمجھے وہ زیست کا حاصل کیا جانے
دو گام جو چل کر تھک جائے وہ لطفِ منازل کیا جانے

انتظارِ موت ہی میں جیتے ہیں ہم
ورنہ اب جینے سے کچھ حاصل نہیں

اٹھ گیا اچھے برے کا امتیاز
اب وہ محفل زیست کی محفل نہیں

ایک جگہ جنون و خرد کے تقابل میں فرماتے ہیں ؎

کار پردازانِ وحشت کے لئے
کھیل ہے کارِ خرد مشکل نہیں

الغرض خوشتر صاحب سے اکثر و بیشتر آل انڈیا مشاعروں میں میری ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ موصوف نے اپنے مجموعہ کلام کی اشاعت کے لئے کوشاں نظر آتے رہے چنانچہ مستقبل قریب میں ان کا مجموعہ کلام شائع ہوگا اور امید قوی ہے کہ وہ ادبی دنیا میں درخشاں مستقبل کا حامل رہے گا

مخلص
ہرش چندر دکھی جالنوی

ڈاکٹر چاند پوری

حرفِ اوّل

ڈاکٹر ممتاز خوشتر علامہ ناطق گلاؤٹھوی کے ارشد تلامذہ میں شامل ہیں انھوں نے اپنی
بیکراں عقیدت سے ناطق صاحب کی محبت و شفقت حاصل کی ہے۔ میں نے انھیں چند بار تقریر کرتے
دیکھا ہے وہ بڑی روانی سے صاف ستھری اردو میں تقریریں کرتے ہیں اور وقت آنے پر بھی اپنے
غزل سرائی کا آغاز کرتے ہیں کسی کے فیضِ تربیت کا اعتراف بجائے خود بلندیٔ کردار کا آئینہ دار ہے
اور دنیائے شاعری کی ایک قدیم سنت بھی۔ خوشتر صاحب کو اپنے استاد محترم سے گہری اور والہانہ
عقیدت ہے وہ شاعرانہ تعلّی کے ساتھ اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ ؎

ممتاز اس کا رنگ ہے ممتاز کیوں نہ ہو
خوشتر مریدِ ناطق و ناطق مریدِ داغؔ

اگر میں اس سلسلہ کو تاریخی حقائق کی روشنی میں اور طویل کرنا چاہوں تو ذوقؔ و شاہ نصیر
اور میاں محمدی مائل کے توسط سے قائم چاند پوری تک پہونچا سکتا ہوں، اس صورت میں داغ
اسکول کے تمام ستارے اسی آفتاب کے گرد گھومتے نظر آئیں گے۔ ڈاکٹر ممتاز جس پیشے سے تعلق رکھتے
ہیں اس کا رشتہ شعر و ادب سے بہت پرانا ہے، جو قدیم دور سے لیکر جدید دور تک پھیلا ہوا ہے
یونان، عرب، اصفہان و شیراز اور ہندوستان کے اکثر علاج پیشہ حضرات شاعر اور ادیب گذرے
ہیں۔ وید و ویدک کی بہت سی بنیادی کتابیں نظم میں ہیں۔ یورپ کے مشہور ادیبوں اور شاعروں کی

ہر کہ شد صاحب نظر دین بزرگان خوش نہ کرد

ان کے تلامذہ میں جناب آسی نہایت فاضل اور مشہور فن کار تھے، بغاوت کی یہ چنگاری اُن کے شعور میں بھی سلگتی رہی بہر حال ناطق صاحب میں عصر آفرینی کی عظمت موجود ہے، وہ اپنے معتقدین کو وقت اور سماج کے تقاضوں سے چشم پوشی کرنے پر مجبور نہیں کرتے نہ اُن کے ذہن کو محبوس کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی موقعہ پر ایک صید زبوں کی حیثیت سے اس دام میں پھنس جاتے ہیں، جو ہمہ رنگ زمین ہونے کے باعث بڑی بے پناہ چیز ہے۔

جب سے فریب زیست میں آنے لگا ہوں میں
خود اپنی مشکلوں کو بڑھانے لگا ہوں میں

جو شخص رزم گاہِ حیات میں مردانہ وار داخل ہوتا ہے وہ مشکلاتِ زندگی سے گھبراتا نہیں بلکہ قدم قدم پر انھیں دعوت دیتا ہے۔ ؎

غم و کرب و الم سے دُور اپنی زندگی کیوں ہو
یہی جینے کا ساماں ہیں تو پھر ان میں کمی کیوں ہو

زندگی آلام و افکار کا مجموعہ ہے اور صورتِ حال جب یہ ہو تو پھر ان عناصرِ حیات سے گھبرانا فراریت کے ذیل میں آتا ہے۔

شاعر زدہ ان پرست ہوتا ہے، وہ عام طور پر محبوب کے اشارۂ ابرو پر نظر رکھتا ہے، اپنی مرضی کا تابع کر دیتا ہے لیکن داغ کے یہاں محبوب پر فرمانروائی کا جذبہ بھی ملتا ہے، وہ اس کے آستانۂ جمال پر جبیں سائی کرنے کے قائل نہیں اور اپنا ایک الگ وجود رکھتے ہیں جگر مرادآبادی بھی منازلِ محبت سے خود دارانہ گذرنے کے عادی ہیں، خوشتر کے یہاں بھی ایک جگہ یہ غرورِ عاشقانہ نظر آتا ہے

ہماری بھی تو ہوگی کچھ خوشی راہِ محبت میں
یہاں ہر کام پر آخر تمھاری ہی خوشی کیوں ہو؟

خوشتر کے سینہ میں خودی کا جذبہ بھی دبا ہوا ہے، ہر چند بھی اُسے ابھرنے کا موقع نہیں ملا،
وہ کاسۂ بابِ حیات میں دیر و حرم، کعبہ و کلیسا اور یزدان و اہرمن کی فرمانروائی کے قائل نہیں،
انسانی عزائم کو اسیں دخیل سمجھتے ہیں۔

خدا پرستی کہ بُت پرستی کسی میں اب کچھ نہیں ہے باقی
نظامِ عالم پہ خود پرستی وقار اپنا جما رہی ہے

میں خود پرستی کو عرفانِ خودی اور جذبۂ خود آگہی کے مترادف سمجھتا ہوں۔
شوخی و رندی میں حضرتِ داغ کافی شہرت رکھتے ہیں، یوں بھی عام طور پر شعراء، واعظ
محتسب، اور شیخ و زاہد کی پگڑی اچھالتے رہے ہیں، اس سلسلہ میں خوشتر کا ایک شعر بھی سن لیجئے،

شیخ حرم کے ساتھ ہوں مصروف میکشی
ساقی تجھے گواہ کئے جا رہا ہوں میں

بڑی بات ہے کہ وہ شیخ و حرم کی صحبت میں بیٹھ کر تسنیم و کوثر کے شغل میں وقت ضائع
نہیں کرتے بلکہ دختِ رز کے ساتھ معروفِ عیش نظر آتے ہیں۔
خوشتر کے یہاں اچھے اشعار کی کمی نہیں، تاہم وہ بے لطف اور بے جان اشعار بھی
کہہ جاتے ہیں، جن میں "پل بنا، چاہ بنا مسجد و تالاب بنا" والی واعظانہ بات کے سوا کوئی
جذبہ یا تخیل نہیں ہوتا۔

اسی کی زندگی ہے زندگی دنیا میں اے خوشتر
وہی انساں ہے انساں جو سب کے کام آتا ہے

شعر میں سماجی فلاح کا پہلو ضرور موجود ہے، مگر وعظ و تبلیغ کا انداز پیدا ہو گیا ہے۔
ڈاکٹر ممتاز احمد خاں خوشتر کی زندگی ہر حیثیت سے مسرور اور مطمئن ہے لیکن ان کا گھر
بے چراغ ہے، اس لحاظ سے ان کے کلام میں یاس و نا امیدی اور سوز و گداز کی فراوانی ہونی چاہئے

تھی، ناممکن ہے کہ خوشتر کے احساس میں یہ غم نامرادی شعلہ بن کر نہ لپک رہا ہو۔ تعجب ہے کہ ان کے کلام تک اسکی آنچ کیوں نہیں پہونچتی۔ شعر و ادب شاعر کی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے اس کا انفرادی غم بھی اجتماعی غم کی شکل میں نمایاں ہو جاتا ہے .... مگر خوشتر کے یہاں یہ بات نہیں، انفرادی غم کی شراب تلخ کو پی جانے کا یہ حوصلہ داغ اسکول کی تقلید کے شعوری اثر سے پیدا ہوا ہے۔ اس مدرسۂ فکر کے ممتاز شعراء عیش و نشاط کا واضح تصور رکھتے ہیں، سوز و گداز کا نہیں، وہ غم و آلام کے مقابلہ میں لطف و کامرانی اور ہجر و فراق سے زیادہ وصلِ محبوب کے طالب نظر آتے ہیں۔

خوشتر صاحب کا مجموعۂ کلام اکثر اصنافِ سخن کو محیط ہے اور پہلی بار منظر عام پر آ رہا ہے۔ فضا میں جہاں شعراء کی بے شمار ملی جلی آوازیں گونج رہی ہیں، وہاں ان کی ایک آواز کا اور اضافہ ہوگا، اگر یہ آواز اپنے صوتی آہنگ اور لب و لہجہ کے اعتبار سے پہچانی گئی تو یہ بہت بڑی بات ہوگی۔

کوثر چاندپوری

دہلی

۱۳ مئی سنہ ۶۶ء

دورِ جدید

سنہ ۱۹۳۴ء سے سنہ ۱۹۶۶ء تک

مجھے تو عزیز ہے چاہتا ہوں کہ ہو رہوں تری چاہ کا
مری زندگی کو نواز کر مجھے دے سلیقہ نباہ کا

جو سفر میں نقشِ قدم کہیں نظر آئے واقفِ راہ کا
وہیں بیٹھ جا کہ وہی مقام ہے رفعتوں کی پناہ کا

نہیں دُور میری فروتنی سے مقام عزت و جاہ کا
بَد و نیک میری نظر میں ہیں یہ کرم ہے تیری نگاہ کا

ہے بڑا بڑوں سے غلام بندۂ بارگاہِ الٰہ کا
یہ عروجِ عجز ہے بندگی میں تو شاہکار ہے شاہ کا

وہ مقام سامنے آ چلا ہے جہاں ہیں عام تجلّیاں
کوئی خوف اب تو نہیں رہا مجھے اپنے روزِ سیاہ کا

مجھے درد اُس نے جو دے دیا یہ ہزار دین کی دین ہے
دلِ بیقرار بتا سوال اب آہ کا ہے کہ واہ کا

مجھے فخر ہے مجھے ناز ہے کہ تجھی سے رسم نیاز ہے
ہے یہی مقام پناہ کا یہی گھر ہے عزت و جاہ کا

نہ یہ جُرم ہے نہ خطا مری یہ مری نصیب کی بات ہے

کہ مری سرشتِ حیات ہی میں لکھا ہے نقطہ گناہ کا

تری رحمتوں نے بچا لیا مجھے لے کے دامنِ عفو میں

کبھی آ گیا جو خیال بھی مرے دل میں رسمِ گناہ کا

کبھی بحرِ شوق میں غرق ہوں کبھی محوِ رسمِ نیاز ہوں

مرے حال پر ہے ترا کرم کہ ملا ہے مشغلہ چاہ کا

مری گمرہی مجھے لے چلی ہے کہاں کسی کو خبر نہیں

جسے لوگ کہتے ہیں بے خودی وہ چراغ ہے مری راہ کا

مری لغزشوں پہ نظر نہیں، یہ کرم کی شان تو دیکھئے

مجھے رحمتوں کی ملی پناہ یہ ہے ثواب گناہ کا

مجھے خوشترا تو وہ دے ہی دیں جو سزا ہو مجرمِ عشق کی

کہ جب اعترافِ گناہ ہے نہیں کوئی کام گواہ کا

غزل

ہم جو پرسش بھی تھے غافل ہیں تو اب کیا ہوگا
نہ مرے گا ترا بیمار نہ اچھا ہوگا

میں نے واعظ کو بلایا ہے وہ آتا ہوگا
تم بھی آنا مرے گھر آج تماشا ہوگا

دل کو پوچھا تو وہ کس ناز سے فرماتے ہیں
کس سے کہتے ہو تمھی نے کہیں رکھا ہوگا

لئے پھرتی ہے جہاں گردِ فقیری مجھکو
سوچتا ہوں کہ کہیں تو کوئی داتا ہوگا

تین سو ساٹھ وہاں ہمنے تو بت دیکھے تھے
شیخ نے کعبہ میں اللہ کو دیکھا ہوگا

آ پہونچنا تری خلوت میں کچھ آسان نہیں
ہم جو آئے ہیں تو کچھ ہمکو بھی آتا ہوگا

کیا بتائیں تمھیں ہر روز کہاں جاتے ہیں
کوئی دنیا میں ہمیں بھی تو بلاتا ہوگا

بیوفا تم تو نہیں شہر کے لیکن بدنام
دوسرا کوئی اسی نام کا رہتا ہوگا

عام ہے جلوہ اجازت ہے نظر بازی کی
پردہ ہوگا بھی تو آنکھوں ہی کا پردا ہوگا

بات رکھنی ہے تو جو چاہو وہی شوق سے کر
شوق کی بات نہ کر شوق تو رسوا ہوگا

کون سی بات نہیں ان کی گلی میں خوشتر
کون سا اور نیا خلد کا نقشا ہوگا

دل پھر رہا ہے قدرِ محبت لئے ہوئے
پھرتی ہے بدنصیب کو شامت لئے ہوئے

دکھلا کے حسن جو جانباز اٹھ گئے
بیٹھے رہو گے چاند سی صورت لئے ہوئے

لاؤ تو میں بھی اسکی حقیقت کو دیکھ لوں
ہے کسقدر مجاز حقیقت لئے ہوئے

تلقینِ صبر و شکر ہے واعظ کا مشغلہ
کیا اسکی گفتگو ہے نحوست لئے ہوئے

میں بے نیاز ہوں مرا سامان پوچھو
بیٹھا ہوا ہوں رختِ قناعت لئے ہوئے

رہ جائیگا کہاں یہ مرے غم کی کیا بساط
تم آ تو جاؤ اپنی مسرت لئے ہوئے

رحمت کہیں تمام ہی کر دے نہ سب حساب
جائے نہ حشر آکے ندامت لئے ہوئے

اے اہلِ مال جاؤ تو قاروں سے مل تو لو
پوچھو کہاں چلا ہے یہ دولت لئے ہوئے

چکھنا ہے سب کو ذائقۂ تلخ موت کا
ہم تم ہیں خوش تو ایک ہی موت لئے ہوئے

عقل بھٹکی راہ میں منزل پہ دیوانہ گیا — شمع جلتی رہ گئی جل بجھ کے پروانہ گیا

میں ہی کیا تھا میں ہی کیا اک ہو کے دیوانہ گیا — کب تری محفل سے بن کر کوئی فرزانہ گیا

میکدہ کا ہو گیا سب درہم و برہم نظام — خاک اڑتی رہ گئی جب پیرِ میخانہ گیا

وسعتِ صحرا نے بھی دے ہی دیا آخر جواب — لے کے جب سامانِ وحشت تیرا دیوانہ گیا

تو نے رندوں کا ابھی دیکھا نہیں ساقی مقام — چل دیے جس بزم سے ہم ساتھ میخانہ گیا

بات ہی کچھ اور تھی ربطِ بیانِ عشق کی — حسن کے حسنِ بیاں میں لطفِ افسانہ گیا

رہ گیا ہے اب تو باقی ایک نام اللہ کا — مٹ گیا شورِ بتاں وہ زورِ بتخانہ گیا

اے غمِ ہستی کہاں ٹھہرے گا جا کر دیکھئے — ہم ہوئے رخصت ہمارے ساتھ غم خانہ گیا

مل گئی خوشتر جنونِ عشق میں سب سے نجات
فکر اپنوں کی گئی اور رنجِ بیگانہ گیا

کیسی ہی مجھ نے وہ اے شیوہ گر چھوڑ دیا
جس میں آتی تھی تری یاد وہ گھر چھوڑ دیا

ہے یہ کیا بھید کہ تو نے چمن آرائے وجود
نخلِ امید کو بے برگ و ثمر چھوڑ دیا

دے گئی طاقتِ رفتار کہاں آکے جواب
لا کے غربت میں مجھے خاک بسر چھوڑ دیا

انقلاباتِ جہاں کی نہیں پروا مجھکو
میں نے ہستی کو کہیں زیر و زبر چھوڑ دیا

لٹ گیا قافلۂ عمرِ رواں خوب ہوا
رہ نوردانِ مصیبت نے سفر چھوڑ دیا

کھا گیا راہ میں مضمونِ گراں باریِ شوق
نامہ تھا جس میں کبوتر نے وہ پر چھوڑ دیا

پند گو ربطِ ہنر ہے مرا سرمایۂ عمر
عیب چھوڑا تو سمجھنا کہ ہنر چھوڑ دیا

عشق میں ہو کے فنا ہم نے جہاں میں خوشتر
جو کبھی مٹ نہیں سکتا وہ اثر چھوڑ دیا

مرتا ہے کس پہ کون کہاں جاں نثار لوگ
سنتے رہو اُڑاتے ہیں بے پر کی یار لوگ

یہ چھوڑتے نہیں انہیں چھیڑیں ہزار لوگ
رندانِ بادہ کش ہیں بڑے وضعدار لوگ

آنکھ اسطرح لڑا کہ ہمارا لڑے نصیب
دیکھ اسطرح کہ دیکھتے رہ جائیں چار لوگ

آئے تھے دیکھنے کے لئے شامِ بیکسی
رخصت ہوئی جلا کے چراغِ مزار لوگ

طرزِ نیازِ اہلِ غرض جانتا ہوں میں
پڑتے ہیں پاؤں ہونیکو سر پر سوار لوگ

گھبرائیں کیوں نہ اہلِ محبت سے اہلِ حسن
یہ بزمِ اعتبار، دہ بے اعتبار لوگ

تھا کیا کسی شمار میں کوئی نہ تھا وہاں
ہونے کو بزمِ ناز میں تھے بے شمار لوگ

آخر ہوئی ہے کل سے نئی بات کون سی
کیوں پوچھتے ہیں مجھ سے تمہیں بار بار لوگ

خوشتر جہاں میں ہوتا تماشا ہی ایک یہ
رکھتے اگر اجل پہ بھی کچھ اختیار لوگ

آدمی کہتے ہیں کس کو یہ خبر ہے کہ نہیں
آدمیت کا ترے پاس گذر ہے کہ نہیں

کچھ ابھی قیمتِ اربابِ نظر ہے کہ نہیں
ساری دنیا میں کہیں قدرِ ہنر ہے کہ نہیں

زعفراں زار کے اس بار ہیں کیا کیا ساماں
اے بسنت اور بھی کچھ تجھکو خبر ہے کہ نہیں

شرِ دہری وہی باقی ہے جفا کی تو ہنوز
آہِ مظلوم میں سامانِ شرر ہے کہ نہیں

باغباں حالتِ گلزارِ محبت کیا ہے
ان درختوں سے اب اُمیدِ ثمر ہے کہ نہیں

بھاگنے والے بداوسان جھٹک کر دامن
پوچھ تو لے غمِ ہستی سے مفر ہے کہ نہیں

دلِ خستہ کا پتہ بھی ہے کچھ اے جانِ عزیز
خط بھی آتا ہے کبھی کوئی خبر ہے کہ نہیں

کوچۂ ناز میں کہتے ہیں کسی کا نہیں دخل
پوچھتا ہے کہ ہمارا بھی گذر ہے کہ نہیں

ٹھوکریں کھا کے بھی خوشتر یہ بتا ہوش آیا
ہے وہ سودا کہ نہیں اب بھی سر ہے کہ نہیں

وہ جلانے کو بُلاتا ہے مجھے — شمع سمجھا ہے جلاتا ہے مجھے

کون دیوانہ بناتا ہے مجھے — آئے بن جانا بھی آتا ہے مجھے

عقل کچھ کہتی ہے ناصح کچھ اور — شوق کچھ اور بتاتا ہے مجھے

عاشقی سامنے آتی ہے وہاں — یہی پہلو تو دباتا ہے مجھے

دین ہے اسکی خوشی بھی غم بھی — ان کھلونوں سے کھلاتا ہے مجھے

خاک ہونے کی بھی اُمید نہیں — غم کچھ اسطرح جلاتا ہے مجھے

اُن پہ اب دیکھئے خوشتر مرنا
مارتا ہے کہ جلاتا ہے مجھے

تری دوستی کیوں مجھے کھو رہی ہے
یہ کیا ہو رہا ہے یہ کیا ہو رہی ہے

جگا لائے قسمت اگر سو رہی ہے
مری زیست اوقات کیوں کھو رہی ہے

زمانے کی لعنت ہے، یہ فتنہ خوئی
قیامت تری گود میں سو رہی ہے

کہیں داغ چمکے کہیں گل کھلائے
بہار ایک ہی تھی مگر دو رہی ہے

مصیبت کا سامان ہے کشتِ حسرت
یہ کانٹے مری راہ میں بو رہی ہے

مری ہمنوا اہلِ بزمِ سخن میں
فقط ان کی چشمِ سخن گو رہی ہے

اجل لینے آئی ہے غربت میں خوشتر
کھڑی بیکسی سامنے رو رہی ہے

راضی کیا ہے ان کو بمشکل نباہ پر
کہدو نصیب سے کہ اب آجائے راہ پر

اندھیر چھا گیا ہے عجب مہر و ماہ پر
رحمت خدا کی اس مری روزِ سیاہ پر

انکی سی حشر میں نہ کہے جا کے دل کہیں
ہمکو تو اعتماد نہیں اس گواہ پر

دیکھا تو تشنہ لب ہے محبت کا ہر کوئی
دنیا کی زندگی نظر آتی ہے چاہ پر

دنیائے حسن میں ہے جفا و ستم کی ریت
چلتا ہے کاروبارِ جہاں رسم و راہ پر

دیکھو تو اہلِ شوق کی یہ سادہ کاریاں
اکھڑی ہوئی ہوا میں بھروسہ ہے آہ پر

زاہد ہے اپنے زعمِ عبادت میں شاد شاد
میں خوش کہ مجھکو ناز نہیں ہے گناہ پر

خوشتر یہ کس نے لطفِ بیاں کو مٹا دیا
رکھکر مدارِ حسنِ سخن واہ واہ پر

جو رنگِ گردشِ چرخِ کہن سمجھتے ہیں
وہ شامِ غم کو بھی صبحِ وطن سمجھتے ہیں

سخن بقدرِ سخن ہے سخن سمجھتے ہیں
ہم اہلِ فن کو ہیں اہلِ فن سمجھتے ہیں

جو لوگ مقصدِ دار و رسن سمجھتے ہیں
وہی الست کا رازِ کہن سمجھتے ہیں

بہار و بادہ کی سازش کو بھی تو کچھ لوگ
ہمیں کو کس لئے توبہ شکن سمجھتے ہیں

انھیں تو جورِ جفا ہی ہے موجبِ نازش
مری وفا کو وہ دیوانہ پن سمجھتے ہیں

خزاں کو وہ بھی سمجھتے ہیں طرزِ فصلِ بہار
جو خار و خس کو بھی رنگِ چمن سمجھتے ہیں

نظر میں رکھتے ہیں سب اونچ نیچ اے ہمدم
ہم اپنے والوں کا بیگانہ پن سمجھتے ہیں

فریبِ گل سے کچھ اتنے ہوئے ہیں آزردہ
خزاں کو ہم تو بہارِ چمن سمجھتے ہیں

انہی سے پوچھئے نوعیتِ فنا و بقا
جو لوگ عظمتِ دار و رسن سمجھتے ہیں

جہانِ شوق میں محروم جلوہ اہلِ ہوس
مذاقِ دید کو دیوانہ پن سمجھتے ہیں

ادائے خاص سے ہم ان کے روٹھ جانے کو
شبابِ حسن کا اک بانکپن سمجھتے ہیں

مرے سخن سے وہ پاتے ہیں لطف جو خوشتر
سخن طرازئ اہلِ سخن سمجھتے ہیں۔!

جو وحشت کی یہی ہے کار فرمائی تو کیا ہوگا
خزاں آئی تو کیا ہوگا بہار آئی تو کیا ہوگا

مری تارِ گریباں سے صدا آئی تو کیا ہوگا
ہوئی جامہ دری سے انکی رسوائی تو کیا ہوگا

ہے خود بینی کی واعظ کار فرمائی تو کیا ہوگا
جو ہو کر آگہی بھی کچھ نہ کام آئی تو کیا ہوگا

شبِ ہجراں ستارے بھی تو آنکھیں پھیر لیتے ہیں
بلا ہو جائیگی جب شام تنہائی تو کیا ہوگا

غرورِ حسن میں آئینہ دیکھوگے تو کیا لوگے
رہیگی جب نہ باقی شانِ یکتائی تو کیا ہوگا

جنابِ شیخ میخانے میں واعظ بنکے آتے ہیں
نکل آئی جو رندوں سے شناسائی تو کیا ہوگا

کروگے کیا جو ہر پھر کر کسی کی یاد پھر آئی
پرانی چوٹ اگر دل پر ابھر آئی تو کیا ہوگا

مسرت ہے دلِ مضطر کو فصلِ گل کی آمد پر
طبیعت فصلِ گل میں اور گھبرائی تو کیا ہوگا

مصور مہوشوں میں سوچ لے انجام کار اپنا
کوئی تصویر اگر دل میں اتر آئی تو کیا ہوگا

نشاطِ زندگی تو راس آتی ہی نہیں مجھکو
نہ کی آخر کو غم نے بھی پذیرائی تو کیا ہوگا

ذرا سوچو عداوت ہے تمھیں ایسی جو خوشتر سے
کبھی خوشتر کے دلمیں بھی یہ بات آئی تو کیا ہوگا

جو چاہیے ہم نے وہ جتن چھوڑ دیا ہے
اللہ کے بندوں کا چلن چھوڑ دیا ہے

ہم نے کہیں رہنے کا چلن چھوڑ دیا ہے
تھا جس میں نشیمن وہ چمن چھوڑ دیا ہے

بہلاتے ہیں دل دردِ محبت کی خلش سے
اب ہم نے غمِ دردو محن چھوڑ دیا ہے

اب ایک بھی باقی نہیں دلجوئی کا انداز
ظالم بتِ پُرفن نے وہ فن چھوڑ دیا ہے

سنتے ہیں کہ کانٹوں کی دل آزار روش سے
پھولوں نے بھی اب صحنِ چمن چھوڑ دیا ہے

رکھا نہیں مطلب کوئی اربابِ وطن سے
مدت ہوئی ہم نے تو وطن چھوڑ دیا ہے

ہر وار ہے اب اس نگہِ مست کا بھرپور
وہ نیم نگاہی کا چلن چھوڑ دیا ہے

حق سے کوئی مطلب نہیں اب اہلِ جہاں کو
وہ مخمصۂ دارورسن چھوڑ دیا ہے

جسکو بتِ سفاک سمجھتا ہے خوشامد
خوشتر نے وہ اندازِ سخن چھوڑ دیا ہے

غزل

لب ساغر سے پیار کر لیں گے
مے پرستی شعار کر لیں گے

ہم کو آتا ہے انتظار میں لطف
عمر بھر انتظار کر لیں گے

شب فرقت میں ہے بڑی فرصت
ہم ستارے شمار کر لیں گے

گلرخوں نے دیا جو ساتھ ہمیں
اہتمام بہار کر لیں گے

ہم گنہ بے شمار تو کر لیں
رحمتوں کا شمار کر لیں گے

مجھکو برباد کر کے رکھ تو دیا
اور کیا غمگسار کر لیں گے

جبر ان کے اگر ہے قائم
صبر ہم اختیار کر لیں گے

خوگر جور ہو چلے ہیں ہم
اب فضا سازگار کر لیں گے

ہم کبھی اپنی کوچہ گردی کو
گردش روزگار کر لیں گے

آپ پر اعتماد ہے ہم کو
آپ کا اعتبار کر لیں گے

رہ کے غم سے بھی خوش ہم ای خوشتر
زندگی خوشگوار کر لیں گے

کام تدبیر سے کر حاصلِ تدبیر نہ دیکھ
اپنی تقدیر بنا غیر کی تقدیر نہ دیکھ

آہِ سوزاں کی غمِ عشق میں تاثیر نہ دیکھ
خاک ہوتا ہے دلِ زار کر اکسیر نہ دیکھ

اپنی والی پہ یہ آجائے تو قصے ہے تمام
دیکھ اندازِ جنوں پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ

تجھکو بیکار ہے اوہام پرستی کا خیال
خواب دیکھا ہے تو اس خواب کی تعبیر نہ دیکھ

غیر کیا تجھکو سمجھتے ہیں اسے بھی تو سمجھ
اپنے والوں میں جو ہوتی ہے وہ توقیر نہ دیکھ

اس سے حاصل نہیں پیری میں بجز حسرتِ یار
ہے ترے پاس جوانی کی جو تصویر نہ دیکھ

خاک ہونا ہے تو آرائشِ تن کیا معنی
جس کا انجام ہو تخریب وہ تعمیر نہ دیکھ

مشعلِ راہ بنا اپنے تدبر کو مدام
کوئی کرتا ہے جو تیرے لئے تدبیر نہ دیکھ

کچھ نہیں ہمیں یہ دنیا کا مرقع کیا ہے
دل کے آئینہ میں خود اپنی ہی تصویر نہ دیکھ

جب مصیبت ہی اٹھانا ہے تو ڈر کس کا ہے
آگے بڑھ تیغ پڑی سر پہ کہ اب تیر نہ دیکھ

تجھ سے بڑھکر بھی ہیں دنیا میں مصائب کا شکار
اپنے ہی رنج و الم خوشتر دلگیر نہ دیکھ

غزل

رسمِ نیاز و ناز سے ایک مقام پر گیا
حسن سے جو نہ ہو سکا عشق وہ کام کر گیا

دیر گیا حرم گیا اور کدھر کدھر گیا
میں بھی تلاشِ یار میں حد سے پرے گذر گیا

صاف حدودِ زیست کو دیکھئے پار کر گیا
گرتے ہی بحرِ غم میں میں موت کے گھاٹ اتر گیا

شانِ نمود تھی وہی رنگِ وجود تھا وہی
اک ہی تھا نظر نواز میں تو جدھر جدھر گیا

لٹے بہار پر بہار آئی بہار سی بہار
سیر کو جب وہ آ گئے رنگِ چمن نکھر گیا

نام تمام کر دیا اس غمِ زندگی نے تو
تلخیٔ بادہ سے مرا جامِ حیات بھر گیا

ساتھ جو مل گیا مجھے عشقِ جنوں نواز کا
اُن کی حریمِ ناز میں آج تو بے خطر گیا

نغمۂ زندگی میں اب سوز کہاں سے لاؤں میں
تارِ نفس کو چھیڑ کر ساز مرا بکھر گیا

میرا ہی حوصلہ رہا میری ہی جستجو رہی
منزلِ عشق تک مری کب کوئی راہبر گیا

عجز و نیاز سے ملیں دونوں جہاں کی رفعتیں
چھوڑ دی جس نے خودسری بامِ عروج پر گیا

خوشترِ خوش بیاں کو تھا نام و نمود سے گریز
پھر بھی سخن کی بزم میں نام وہ اپنا کر گیا

عقل ہے اور جام بیہوشی
اوج پر ہے مقام مے نوشی

رنگ لائی ہماری خاموشی
چھا گئی زندگی پہ مدہوشی

راس آئی ہر کسی کو مے نوشی
جان لے لیتی ہے غلط کوشی

چشم ساقی کی یاد میں ہوں مست
دیدنی ہے مری یہ مے نوشی

دم کے دم میں ہزار جھگڑوں کو
ٹال دیتی ہے ایک خاموشی

ہم کسی طرح پا گئے آرام
آگئی کام خود فراموشی

لیجئے موسم بہار آیا
کیجئے گرم بزم مے نوشی

یہ کرم ہے نگاہِ ساقی کا
بے پئے بھی ہے مجھ کو مدہوشی

وہ جفا کیش ہے تو ہونے دو
شغل ہے مرا وفا کوشی

فکرِ غم سے کیا ہے مجھے آزاد
دیکھئے تو کمالِ مدہوشی

آ کے ناکامیوں نے گھیر لیا
رنگ لائی مری خطا پوشی

دیکھ کر مجھکو محوِ عیش و طرب
منھ کو تکتی رہی خطا پوشی

خار بن کر کھٹک گئی خوشتر
حاسدوں کو مری ہنر کوشی

غزل

عجز اپنا فروتنی اپنی ۔۔۔ بندگی شانِ زندگی اپنی
غم نہ اپنا نہ اب خوشی اپنی ۔۔۔ یعنی دنیا بدل گئی اپنی
گرم بازار ساقیٔ مہوش ۔۔۔ گرمیٔ بزم ہے کشی اپنی
جب وہ سیرِ چمن کو آ نکلے ۔۔۔ پائی پھولوں نے تازگی اپنی
کیا کریں اس میں اور کیا نہ کریں ۔۔۔ چار دن کی ہے زندگی اپنی
صبحِ محشر کی کس ہمہ سی میں ۔۔۔ شام غربت بھی آگئی اپنی
رخ ہوا کا کدھر ہے کیا کہدوں ۔۔۔ دیکھئے آپ بے رخی اپنی
زندگی بے نیاز غم ہوتی ۔۔۔ ساتھ دیتی جو بے خودی اپنی
کیا چلوں اب کہ بس نہیں چلتا ۔۔۔ جانتا ہوں میں بے بسی اپنی
ان کو سجدے مری جبینِ نیاز ۔۔۔ بس یہیں تک ہے آگہی اپنی
رحم ان کو بھی آگیا اب تو ۔۔۔ آگئی کام بے کسی اپنی
وہ بھی آئیں تو چار چاند لگیں ۔۔۔ چاند اپنا ہو چاندنی اپنی

مہرباں ہوگئے ہیں وہ خوشتر
زندگی اب ہے زندگی اپنی

بزمِ نشاط و عیش کا ساماں لئے ہوئے
آئی صبا بہارِ گلستاں لئے ہوئے

اُٹھتا پھرا جنون یہ ساماں لئے ہوئے
یعنی ہمارے جیب و گریباں لئے ہوئے

کب تک جئے گا دارِ فنا میں بتا تو دے
سر میں غرورِ عالمِ امکاں لئے ہوئے

میرے جنونِ عشق کی وسعت نہ پوچھیے
ہر ذرّہ ذرّہ زورِ بیاباں لئے ہوئے

جسکو اُٹھا سکے نہ پہاڑ اور نہ آسماں
وہ بارِ غم ہیں حضرتِ انساں لئے ہوئے

میرے لئے تو بحرِ الم کا یہ حال ہے
جو موج اٹھی وہ آئی ہے طوفاں لئے ہوئے

اک نسبتِ بہار و خزاں ہے مرا وجود
پھرتا ہوں ساتھ گردشِ دوراں لئے ہوئے

آساں ہے کیوں نہ اہلِ تجسس کو راہِ شوق
ہیں اپنے ساتھ ذوقِ فراواں لئے ہوئے

پھیری لگا رہا ہوں خریدار کی ہے فکر
پھرتا ہوں سر پہ میں غمِ دوراں لئے ہوئے

بہرِ نیازِ ناز ہم آئے ہیں لیکے دل
دل میں ہجومِ حسرت و ارماں لئے ہوئے

خوشتر مجھے ہے ناز کہ اللہ کے حضور
جاؤں گا دل میں دولتِ ایماں لئے ہوئے

اب من و تو پہ منحصر کیا ہے — اُن کا شیدا تو اک زمانہ ہے

ہر نفس موت کا تقاضا ہے — ہمکو لیکن اُمیدِ فردا ہے

سیکڑوں بار اُن کو دیکھا ہے — پھر بھی دیدار کی تمنا ہے

اب چمن میں خزاں کے ماروں کو — ایک اُمید کا سہارا ہے

جیسے وہ شاد ہیں ہم خوش ہیں — اُن کی مرضی ہماری دنیا ہے

موت ہنستی ہے میرے جینے پر — میری ہستی بھی اک تماشا ہے

بحرِ ہستی میں ہے یہ مثلِ حباب — کیا کہوں اور زندگی کیا ہے

یہ ہے موسیٰ و طور کا قصہ — کوئی بیخود ہے کوئی جلتا ہے

ہیں ہمیں سے جہاں کے ہنگامے — اور اس کے سوا دھرا کیا ہے

عام ہے حسن و عشق کا قصہ — آپ کا ذکر میرا چرچا ہے

ہے ہوا پر مدار ہستی کا — زندگی کیا ہے ایک دھوکا ہے

ہے مئے تلخ وجہِ لذتِ بزم — اور اس کے سوا مزا کیا ہے

آپ ہی سے خوشی ہے خوشتر کی
آپ ہی کا اسے سہارا ہے

اُن سے نہ ہے نصیب ملاقات ہوگئی
بولے بھی کچھ نہیں تو بڑی بات ہوگئی

عاشق فریبِ وعدۂ فردا میں آگیا
جیسے تمہاری بات کوئی بات ہوگئی

دل پہ چھا جو رنگِ جنونِ بہار کا
میری خرد بھی شاملِ حالات ہوگئی

روٹھے ہوئے سے ہم نفس و ہم خیال ہیں
ایسے کہ جیسے ہم سے کوئی بات ہوگئی

وہم و گماں سب اُن کے تصور میں بس گئے
بزمِ حیات بزمِ خیالات ہوگئی

تارِ نفس نے سازِ غمِ دل سنا دیا
دل کی لگی بھی شاملِ نغمات ہوگئی

کرنے لگے گناہ بھی توبہ یہ کیا ہوا
کیا بزمِ زیست بزمِ خرافات ہوگئی

دنیا کا کھیل اور بساطِ توہمات
آخر یہی ہوا کہ ہمیں مات ہوگئی

اپنا لیا انھوں نے تو عالم بدل گیا
جنسِ وفا جہاں میں سوغات ہوگئی

خوشتر وہ قدردانوں میں سازِ طرب بنی
اپنی غزل بھی حاصلِ نغمات ہوگئی

کشودِ کار تو ہو جائے انتظار کے بعد — اجل بھی آئے تو آئے کشودِ کار کے بعد

سہاگ اُجڑ کے جو مٹی ہوا نگھار کے بعد — چمن کا حال نہ دیکھا گیا بہار کے بعد

شکست خوردہ طبیعت نے توڑ دی ہمت — تلاشِ کار نہ کی سعیٔ نابکار کے بعد

مٹے جو ہم تو حقیقت کھلی محبت کی — وفا کی قدر ہوئی ہر وفا شعار کے بعد

پلٹ پلٹ کے چمن میں بہار بھی آئی — خزاں کا دور بھی آتا رہا بہار کے بعد

یہ جب وہاں سے اُٹھی سرفراز ہو کے اُٹھی — کہیں جبیں نہ جھکی آستانِ یار کے بعد

فضائے ابر میں ہوتا ہے جشنِ بادہ کشی — کبھی بہار سے پہلے کبھی بہار کے بعد

تو راہِ رسمِ محبت پہ پڑ گئی مٹی — اُٹھا غبار جو گردِ ملالِ یار کے بعد

کہاں سے آ گئی افسردگی نہیں معلوم — گلوں پہ تازگی آئی تو تھی نکھار کے بعد

قدم جو ہم نے بڑھایا تو بڑھ گئی وحشت — مذاقِ دید نہ اُبھرا ترے دیار کے بعد

بہارِ جشنِ نسیمِ بہار کی تھی ادا — گلوں کی شکل نہ آئی نظر بہار کے بعد

بھلا دیا دلِ پُرغم نے یادِ ماضی کو — ملا سکوں جو ہمیں ظلمِ بے شمار کے بعد

نہیں یہ سہل کچھ انسان کے لئے خوشتر
کہ ظلم و جور پہ آئے نہ اختیار کے بعد

پھولوں کا غم نہ خارِ بیاباں کی فکر ہے
اہلِ نظر کو وسعتِ داماں کی فکر ہے

آلودہ دامنی کی نہ عصیاں کی فکر ہے
محشر میں مجھ کو رحمتِ یزداں کی فکر ہے

وہ اور ہیں جو مانگتے ہیں شاخِ گل کی خیر
ہم کو تو آج سارے گلستاں کی فکر ہے

اپنے ہی اپنی اپنی مصیبت میں مبتلا
اب کس کو میرے حالِ پریشاں کی فکر ہے

یہ بھی تو مطمئن نہیں اب اپنے حال سے
خود شامِ غم کو صبحِ درخشاں کی فکر ہے

ہوتی ہے اور اہلِ ہوس کو تلاش کیا
راحت فزا جو ہو اسی ساماں کی فکر ہے

ہیں محوِ دید سب جو وہ آئے ہیں بے نقاب
کس کو کسی کے دیدۂ حیراں کی فکر ہے

اس دن سے گامزن ہوں ہر اک راہِ زندگی
جس دن سے مجھ کو منزلِ عرفاں کی فکر ہے

ہم بے نیاز ہیں کہ تن آرا نہیں جنوں
دامن کی فکر ہے نہ گریباں کی فکر ہے

انسانیت کے دور میں یہ بات تھی ضرور
اب اور دن ہیں اب کسے انساں کی فکر ہے

تحسینِ ناشناس سے خوشتر غرض نہیں
بزمِ سخن میں ہم کو سخنداں کی فکر ہے

کسی کی یاد کو اپنا شعار کرلیں گے　　فضائے دہر کو ہم سازگار کرلیں گے

ہم اپنے غم کو خوشی میں شمار کرلیں گے　　خزاں کے دور میں جشنِ بہار کرلیں گے

رسائی ہوگی جو اس بزم میں کبھی اپنی　　نصیب والوں میں اپنا شمار کرلیں گے

کبھی ملے گا جو اذنِ عبودیت ہمکو　　تو ایک سانس میں سجدے ہزار کرلیں گے

رہا کرم جو تمہارا تو بحرِ ہستی سے　　ہم اپنی کشتیٔ اُمید پار کرلیں گے

تری تلاش میں آئینگے کام داغِ جگر　　ہم اُن سے روشنیٔ رہ گذار کرلیں گے

خوشی سے ملنے لگے ہیں وہ آج کل ہم سے　　ہم اپنی زیست کو اب خوشگوار کرلیں گے

نظر ہے در پہ ہماری کہ دم ہے آنکھوں میں　　ابھی کچھ اور ترا انتظار کرلیں گے

ہم اپنے خلق کی دُنیا سنوار کر خوشتر
حصولِ رحمتِ پروردگار کرلیں گے

ہو گئے منسوب ہو کر بیدلی کے نام سے
ہمنے جو دو دن گذارے زندگی کے نام سے

ہم سے تو کتنا چلے گا آگہی کے نام سے
ہم بھی ای زاہد ہیں وقف بندگی کے نام سے

ہم نے کھائی اسقدر ہیں دوستداری کو فریب
جان گھبرانے لگی ہے دوستی کے نام سے

کیا کہیں کیا کیا بنایا ہم کو اہلِ دید نے
سو تماشے ہو چکے ہیں بیخودی کے نام سے

مٹ گیا طرزِ محبت اٹھ گئی رسمِ وفا
کچھ نہیں دنیا میں باقی دوستی کے نام سے

بے تکلف یہ بنا لیتے ہیں دشمن کو بھی دوست
اہلِ دل کو دشمنی ہے دشمنی کے نام سے

بن پیے بھی ہمنے دیکھا ہے کہ آتا ہے سُرور
سرخوشی آتی ہے واعظ میکشی کے نام سے

انقلابِ انتظامِ باغِ ہستی دیکھئے
پھول مرجھانے لگے ہیں تازگی کے نام سے

کس قدر ہونے لگی ہے دلکو وحشت کیا کہوں
دلربائی کی خبر سے دلبری کے نام سے

کھوٹے سکے بھی چلا کرتے ہیں خوشتر آجکل
بوالہوس بکنے لگے ہیں عاشقی کے نام سے

مطلب نہ صبح سے نہ غرض کوئی شام سے
اپنی تو زندگی ہے فقط دورِ جام سے

واقف ہے کون غنچہ و گل کے مقام سے
صحنِ چمن میں پھیلے ہوئے ہیں جو دام سے

ہوتی نہیں ہے جن کو میسر شبِ نشاط
صبحِ بہار کے لئے رُوتے ہیں شام سے

دنیا سمجھ گئی ہے کہ ہے یہ فریبِ زیست
ڈرنے لگے ہیں لوگ محبت کے نام سے

نفس کی نَے پہ ہے آوازِ زندگی
نغمے برستے رہتے ہیں سازِ دوام سے

عزمِ صمیم لیکے نکلتا ہوں جب کبھی
منزل دکھائی دیتی ہے دو چار گام سے

ہوتی چلی ہے جب سے طبیعت جنوں نواز
رہنے لگا ہوں دُور خرد کے مقام سے

سادہ دلی نہیں تو اسے اور کیا کہیں
ہم غم اُٹھا رہے ہیں مسرت کے نام سے

خوش تر ملیں گے سب مری حالاتِ زندگی
خود آپ جانچ لیجئے میرے کلام سے

غم دیکھیے پھر نشاط کا ساماں نہ ہو سکا
دردِ جگر کا آپ سے درماں نہ ہو سکا

جو پھول فصلِ گل میں نمایاں نہ ہو سکا
گلشن میں وہ بہار کا ساماں نہ ہو سکا

رکھتا وہ دوسروں کی شفقت پہ کیا نظر
خود اپنے حال کا جو نگہباں نہ ہو سکا

وہ کیا گئے کہ روشنیٔ بزم بھی گئی
پھر کوئی اُن کے بعد چراغاں نہ ہو سکا

بدقسمتی بھی روتی ہے اسکے وجود پر
جو گل چمن کا زینتِ داماں نہ ہو سکا

تھا تو شبابِ حسن بڑی چیز ہاں مگر
رودادِ زیست کا مری عنواں نہ ہو سکا

ملتی بقدرِ ذوق رہی سبکو سرخوشی
ان کے کرم سے کوئی ہراساں نہ ہو سکا

عصیاں کا اک ہجوم تھا محشر میں میرے ساتھ
لیکن جوابِ رحمتِ یزداں نہ ہو سکا

کشتِ اُمید پر نہ ہوئی بارشِ کرم
اب کے برس بھی جشنِ بہاراں نہ ہو سکا

اتنا ملا کہ دامنِ اُمید بھر گیا
پھر ان کی دین کا مجھے ارماں نہ ہو سکا

بے کیفیٔ حیات کا عالم نہ پوچھیے
خوشتر بہار میں بھی غزلخواں نہ ہو سکا

صرف اپنے پاس بادہ کشی کا سوال ہے — مے ہو تو جامِ جم ہی جامِ سفال ہے

کیا کیجئے اسے کہ کمی ہے کلیم کی — ہر طور اب بھی وہی، وہی برقِ جمال ہے

میرے لئے فنا ہے مگر یہ تو دیکھئے — جو غم دیا ہے دوست نے وہ لازوال ہے

پرتو ہے اس میں حسنِ رخِ یار کا ندیم — اتنا حسیں جو منظرِ ماہِ کمال ہے

آتی ہے ہر قدم پہ نظر منزلِ نشاط — جب سے فضائے دہر مرے حسبِ حال ہے

ہر اہلِ دید کے ہیں وہی مرکزِ نظر — جس پر نگاہ کیجئے محوِ جمال ہے

کروٹ بدلتی رہتی ہے دنیا کی زندگی — کیسا تجھے یہ وہم عروج و زوال ہے

ہے میرا حالِ زار بھی کتنا الم نواز — جنکو خوشی تھی اسکی انھیں اب ملال ہے

اب میں ہوں اور شورشِ ہنگامۂ شباب — عشقِ جنوں نواز سے بچنا محال ہے

قاصر زباں ہے کیسے کرے شکریہ ادا
خوشتر یہ بیکراں کرمِ ذوالجلال ہے

جتنا میں خوش ہوا تھا درِ یار دیکھ کر — اُتنا ہی غم ہے صورتِ اغیار دیکھ کر

باطل پرست حق کی حمایت کریں گے کیا — گھبرا رہے ہیں جو رسن و دار دیکھ کر

دیکھو انھیں حقیقتِ جلوہ یہی تو ہے — بے ہوش ہو گئے ہیں جو دیدار دیکھ کر

میری جبینِ شوق سے سجدے برس پڑے — دل جھک گیا جو سنگِ درِ یار دیکھ کر

چشمِ فسوں طراز نے ساقی کی دیکھئے — سرشار کر دیا مجھے اک بار دیکھ کر

دیکھا تو ایک وہم ہے انساں کا وجود — سر پھوڑنا پڑا مجھے اسرار دیکھ کر

اظہارِ غم سے دل کو بہت روکتا ہوں میں — آنسو نکل ہی آتے ہیں غمخوار دیکھ کر

مانا کہ اپنے ہاتھ میں ہے نبضِ کائنات — بے بس ہیں پھر بھی موت کا آزار دیکھ کر

خوشتر مرا کلام ہے رودادِ زندگی
سمجھا کرو مجھے مرے اشعار دیکھ کر

نیاز سے ناز کے انداز سنور جاتے ہیں
عشق سے حسن کے تیور بھی نکھر جاتے ہیں

تلخئ وقت کے گو زخم تو بھر جاتے ہیں
یاد رہ جاتی ہے لمحات گذر جاتے ہیں

ساتھ پھر ہم نے دیا گردشِ دوراں کا بہت
لوگ تو چار قدم چل کے ٹھہر جاتے ہیں

آپ کیا جانتے ہیں سب مری بربادی کے
جتنے الزام ہیں وہ آپ کے سر جاتے ہیں

لڑتے رہتے ہیں جو طوفانِ حوادث سے مدام
ڈوب کر بحرِ الم میں وہ ابھر جاتے ہیں

جن کی شرکت سے سنورتی ہے کتابِ ہستی
وہ ورق ہم نے یہ دیکھا ہے بکھر جاتے ہیں

چھاؤں ملتی ہے ببولوں کی جو وحشت میں کہیں
دو گھڑی کے لئے دیوانے ٹھہر جاتے ہیں

گردِ رہ میں نظر آتی نہیں منزل اب تو
کارواں سیکڑوں آتے ہیں گذر جاتے ہیں

تیرہ بختی کا ہے اب دور کچھ ایسا کہ نہ پوچھ
ہم سے لمحاتِ حسیں بچ کے گذر جاتے ہیں

ہے سرِ طور تو خوشتر وہی جلووں کا ہجوم
اب کہاں اس طرف اربابِ نظر جاتے ہیں

نگارخانۂ بزمِ جہاں کی بات کرو
شراب و سبزہ و آبِ رواں کی بات کرو

قفس کے دور میں ختمِ آشیاں کی بات کرو
یہیں گذرنی ہے اب تو یہاں کی بات کرو

زمانہ ہنس کے ہنسی میں اڑا رہا ہے
کسی سے اب غمِ بیکراں کی بات کرو

ہمیں بہار نہیں آئی راس اہلِ چمن
ہمارے سامنے دورِ خزاں کی بات کرو

وہ بزمِ ناز مقامِ سکونِ خاطر ہے
تو اب شورشِ دردِ نہاں کی بات کرو

قفس میں یادِ بہارِ چمن تو کرتے تھے
چمن میں آتشِ برقِ تپاں کی بات کرو

دلاؤ یاد نہ پیری میں ضعفِ پیری کو
ہمارے سامنے عزمِ جواں کی بات کرو

مرا خیال لگاتا ہے چار چاند اسکو
بیانِ حسن میں حسنِ بیاں کی بات کرو

حرم بھی دیر بھی ہے میکدہ بھی ہے خوشتر
جو راس آئے تمھیں اس مکاں کی بات کرو

غزل

تو جب سے نظر میں ہے اے جلوۂ جانانہ
کھویا ہوا رہتا ہے میرا دلِ دیوانہ

ہے جب سے خفا ساقی شیشہ ہے نہ پیمانہ
اجڑے ہوئے میکش ہیں بیگانہ ہے میخانہ

محفل میں تماشا تھا یہ حسنِ محبت کا
ہنستی رہی سب محفل جلتا رہا پروانہ

ہر جامہ دری مقصد تحریر سے مطلب ہے
وحشت سے نمایاں ہے محویتِ دیوانہ

کیسا غمِ تنہائی اب خوب گذرتی ہے
یاد انکی ہوئی ساتھی راس آگیا ویرانہ

سنکر دلِ مضطر کی روداد مصیبت کو
صد حیف وہ کہتے ہیں یہ کیسا ہے افسانہ

منہ دیکھنا پڑتا ہے تیرے لئے اک اک کا
میں دید کے ارماں میں ہو جاؤں نہ دیوانہ

جینا بھی ہے مرنا بھی اب تو مجھے اس در پر
منزل مری الفت میں کعبہ ہے نہ بتخانہ

ہے کون یہاں کس کا دنیائے محبت میں
میں کس کو کہوں اپنا ہر ایک ہے بیگانہ

جب عشقِ نبی لیکر پہنچوں گا میں اے خوشتر
داروغۂ جنت سے ہو جائے گا یارانہ

آگیا ہے پھر خیالِ دَورِ پیمانہ مجھے
ذوقِ رندی لے چلا پھر سوئے میخانہ مجھے

برق کی تخریب کا دینا ہے ہمت سے جواب
پھر وہیں کرنی ہے اَب تعمیرِ کاشانہ مجھے

بات کیا ہے آج اپنانے وہ آئے کس لئے
جو سمجھتے تھے کبھی محفل میں بیگانہ مجھے

آگیا تھا تنگ اپنوں سے تو کرتا اور کیا
آخر اپنانا پڑا طرزِ حریفانہ مجھے

غم غلط کر لوں کہ اب آتا ہے توبہ کا خیال
لائیے دیدیجئے اک اور پیمانہ مجھے

میں نے گم ہو کر بدل ڈالا ہے طرزِ دورِ جام
ڈھونڈھتا پھرتا ہے میخانے کا میخانہ مجھے

یہ سیہ بختی کے دن یہ پیچ و تابِ زندگی
تیری زلفوں نے بنا رکھا ہے دیوانہ مجھے

سوچتا ہوں آتشِ عشقِ مجازی کا مآل
کچھ سبق آموز ہے تو نقشِ پروانہ مجھے

کوئی دیوانہ ہوں میں جو ہوش میں آجاؤں گا
جب وہ خود کہنے لگے ہیں اپنا دیوانہ مجھے

اہلِ مسجد کے بھی کچھ اطوار اچھے ہیں ضرور
لیکن آتے ہیں پسند آدابِ میخانہ مجھے

پھول افسردہ ہیں خوشتر اور غنچے ہیں اداس
اب تو گلشن بھی نظر آتا ہے ویرانہ مجھے

بھٹکتا ہے کیوں تشنہ کام محبت — درِ یار پر ہے مقام محبت

جو رکھتے نہیں احترامِ محبت — کہیں اُن سے کیا ہم پیامِ محبت

نہیں ایسی کلفت سنے جائیے گا — مری داستاں ہے بنامِ محبت

ترستا ہوں کیفِ مئے بے خودی کو — پلا دیجئے مجھ کو جامِ محبت

کہاں ان کو ملتی ہے عرفاں کی منزل — سمجھتے نہیں جو مقامِ محبت

یہاں غیریت کارفرما نہیں ہے — وہاں خوب تر ہے نظامِ محبت

اِسے غیر سنکر بھی ہوتا ہے اپنا — بڑا پُر اثر ہے کلامِ محبت

فلک کو بھی ہے سربلندی تو حاصل — مگر اس سے اونچا ہے بامِ محبت

اُسے فکرِ ہستی سے آزاد جانو — جو صید آگیا زیرِ دامِ محبت

کدورت کو دل سے مٹاتا ہے خوشتر

زباں پر جب آتا ہے نامِ محبت

خود اپنی زندگی کے واسطے آزار ہو جائے
غرورِ ایذا پسند انسان دنیا دار ہو جائے

دلِ حق جو شریکِ محفلِ ابرار ہو جائے
تو ظاہر اس پہ رمزِ عالمِ اسرار ہو جائے

خدا کی شان ہے یوں حق کا بیڑا پار ہو جائے
بھڑک کر آتشِ نمرود خود گلزار ہو جائے

گذر جاتی ہے اپنی اختلاطِ رنج و راحت سے
جو سب آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

سببِ محرومئ دیدار کا ہے اپنی کوتاہی
حجاباتِ نظر اٹھیں تو جلوہ بار ہو جائے

نہیں تفریق باقی اب ہو الحق و انا الحق کی
یہی ہوتا ہے جب پندار ہی پندار ہو جائے

اگر اخفائے رازِ عشق ہو سکتا نہیں دل سے
تو اچھا جائے اب رسوا سرِ بازار ہو جائے

خیالِ یار ہی میں جبکہ ہوش آتا نہیں پہروں
تو اپنا حال کیسا ہو اگر دیدار ہو جائے

وہی خود ہم نشیں پیغامِ راحت بن کے آجائیں
نصیب اپنا مقدر سے اگر بیدار ہو جائے

وہ شانِ غم دکھا دو کر کے پیدا حضرتِ خوشتر
کہ ہر اپنا پرایا آپ کا غم خوار ہو جائے

چلن کچھ آج کل بدلا ہوا ہے اہلِ گلشن کا — عداوت کر رہا ہے ہم سے ہر تنکا نشیمن کا

نہ غم برقِ تپاں کا ہے نہ خطرہ ہے کسو رہزن کا — مقدر ہو چکا ہے دانہ دانہ اپنے خرمن کا

بقدرِ وحشتِ دل اسمیں گنجائش بہت کم ہے — ہمیں تو اے جنوں اندازہ ہے صحرا کے دامن کا

چمن میں خاک تک باقی نہیں شاخِ گلِ تر کی — پتہ اب برق ہی سے پوچھنا ہوگا نشیمن کا

اُنہی کو زندگی میں غیرت بھی راس آتی ہے — نظر آتا نہیں ہے داغ جنکو اپنے دامن کا

کسی کی پردہ داری پر مجھے پاسِ حجاب آیا — مری آنکھوں کا پردہ بن گیا ہے تار چلمن کا

اُسے معلوم ہے ایذا رسانی خارِ مژگاں کی — دلِ محزوں نے دیکھا ہے کرشمہ چشمِ پُرفن کا

جنھیں تخریب ہی کی توفیق باقی ہے — کریں گے کام ایسے لوگ کیا تعمیرِ گلشن کا

بتِ پُرفن کی چالوں نے کیا بدنام الفت کو — کہ بنکر دوست ظالم کر رہا ہے کام دشمن کا

ہمارے تال سُر سے اب کسی کی دُھن نہیں ملتی — کچھ ایسا راگ بگڑا ہے نوا سنجانِ گلشن کا

کبھی بھولے سے اے خوشتر جو اپنا ذکر آتا ہے
بتاتے ہیں بدل جاتا ہے نقشہ بزمِ دشمن کا

حسنِ نظر نواز نے کیا کہوں مجھکو کیا دیا ‏ ‏ ‏ ‏ دیکھ نگاہِ دور بیں جامِ جہاں نما دیا

ساقیٔ مست نے مجھے عالمِ بے بہا دیا ‏ ‏ ‏ ‏ چشمِ فسوں طراز سے آبِ بقا پلا دیا

جذبۂ شوقِ دید نے حوصلہ جب بڑھا دیا ‏ ‏ ‏ ‏ ذوقِ نظر نے بڑھ کے خود پردۂ رُخ اٹھا دیا

کون بھلائی میں رہا کس نے مرا بُرا کیا ‏ ‏ ‏ ‏ آکے اجل نے کیا لیا زیست نے رہ کے کیا دیا

ہوش و ہواس ولولہ ذوقِ متاعِ زندگی ‏ ‏ ‏ ‏ عشق نے بڑھ کے حسن پر شوق سے سب لٹا دیا

یہ تو بڑا غضب ہوا ہو گئے وہ بھی مضطرب ‏ ‏ ‏ ‏ کس نے یہ جا کے حالِ زار میرا انہیں سنا دیا

یوں تو خوشی کے نام پر نام خدا ہے آجکل ‏ ‏ ‏ ‏ یاد نے آکے آپکی غم کو مگر بڑھا دیا

سوزِ الم کی جب ہوئی سازِ حیات میں کمی ‏ ‏ ‏ ‏ تارِ نفس نے پھر مجھے نغمۂ غم سنا دیا

اشکِ الم کو پی کے میں اور نڈھال ہو گیا ‏ ‏ ‏ ‏ جیسے کسی نے زہر کا گھونٹ مجھے پلا دیا

خوشترِ خوار و خستہ ہے غم کے خراب خانے میں
لو تمہیں اہلِ جستجو ہم نے پتہ بتا دیا

وہ جدا مجھ سے ہو گئے مل کے
رہ گئے دل میں حوصلے دل کے

چل کے نقشِ قدم پہ کامل کے
ہم قریب آ گئے ہیں منزل کے

پردہ پوشی حیا لبِ خاموش
ہیں یہ آداب اُن کی محفل کے

اُن کے غم میں گذر ہی جائیں گے
چند لمحے ہیں اور مشکل کے

بے بسی، بے کسی، وفا کوشی
ہیں یہ ساماں مصیبتِ دل کے

بدنصیبی کہ کشتیٔ اُمید
آ کے ڈوبی ہے پاس ساحل کے

خوب کاری گری جنوں نے کی
چاک دامن ہوئے ہیں سِل سِل کے

جام جم سے بھی کچھ نہیں بنتا
جب بگڑتے ہیں طور محفل کے

طوقِ وحشت پڑا جو گردن میں
سلسلے مل گئے سلاسل کے

جنکو طوفان بھی ڈبو نہ سکا
کام آ گئے وہ موجِ ساحل کے

اشکِ غم سے بھی شامِ غم میں نے
داغ دھوئے ہیں دامنِ دل کے

جن پہ احساں ہیں اپنے اے خوشتر
وہ دغا کر رہے ہیں مل مل کے

بڑی مکر و فن ہے یہ خودکار دنیا | کہ مطلب کی ہے اپنے ہشیار دنیا
رہا اسکو مطلب ہمیشہ بدوں سے | بدی کی رہی ہے طلب گار دنیا
اٹھایا ہے سر ہر طرف شور و شر نے | مصیبت سے ہے آج دوچار دنیا
مسرت تک اپنی رسائی ہو کیوں کر | کھڑی ہے بنی غم کی دیوار دنیا
زمانے کے سارے بھلے بھی بُرے بھی | سمجھتے ہیں تجھکو ریاکار دنیا
حقیقت ہم افکار دنیا کی سمجھے | تو سمجھے کہ ہے نام افکار دنیا
تجھے سب سمجھتے ہیں میخانۂ غم | نہیں تجھ سے خوش کوئی میخوار دنیا
یہ سمجھو فریب نظر مفلسی کا | نظر آرہی ہے جو زردار دنیا

بہت تجھکو دیکھا بہت تجھکو سمجھا
بہت تجھ سے خوشتر ہے بیزار دنیا

اب یہ بزمِ شوق میں شامل نہیں — عشرتِ دنیا پہ دل مائل نہیں

ڈوبتی جاتی ہے نبضِ کائنات — زندگی کا اب کوئی حاصل نہیں

کوئی ایسی زندگی کو کیا کہے — جس میں دردِ زندگی شامل نہیں

غیرت برتی نہیں جاتی یہاں — مشربِ رنداں میں یہ داخل نہیں

اُن کے جاتے ہی اُداسی چھا گئی — سب ہیں اور وہ رونقِ محفل نہیں

لاکھ اپنی بھی نہیں مجھ کو خبر — کارِ ہستی سے جنوں غافل نہیں

اُٹھ گیا ہے امتیازِ نیک و بد — اب وہ محفل زینتِ محفل نہیں

کارپردازانِ وحشت کے لئے — کھیل ہے کارِ خرد مشکل نہیں

بحرِ غم میں ہے تلاطم ہر طرف — ڈوبنے والے کہیں ساحل نہیں

ہم یہ بندہ اور وہ بندہ نواز
ورنہ خوشتر خود کسی قابل نہیں

مر مٹے شمع پر جو پروانے
حسن اور عشق کے ہیں افسانے

دیکھ ویراں ہیں جو کاشانے
تجھکو صحرا کا غم ہے دیوانے

ہے عبث جستجوئے بزمِ طرب
شہرِ ہستی میں سب ہیں غم خانے

جب ترا ذکر کوئی کرتا ہے
جھوم اُٹھتے ہیں تیرے دیوانے

ہو گئے گم ہر اک تصوّر میں
ڈھونڈتے رہ گئے صنم خانے

کاملانِ جنوں کی حالت پر
رشک کرتے ہیں آج فرزانے

بام و در آج بھی لرزتے ہیں
کیا اُجڑ کر بسے ہیں کاشانے

کس کی توبہ کا ہے اثر باقی
ٹوٹ کر رہ گئے جو پیمانے

بادہ نوشی کے دن گئے گذرے
اتو سونے پڑے ہیں میخانے

دیکھ اندھیر یہ زمانے کا
لُٹ گئے دن دھاڑے کاشانے

مر بھی جائینگے خوشترؔ اہلِ جفا
بھر تو لیں یہ ستم کے پیمانے

تھا تو گناہ گار مگر یہ ضرور تھا
جو کچھ کیا تھا میں نے تمہارے حضور تھا

اتنا تو بزمِ ناز میں مجھکو شعور تھا
پیشِ نظر وہاں کوئی جلوہ ضرور تھا

کیسا عجیب عالمِ بزمِ سرور تھا
ہر ایک اپنے رنگِ محبت میں چور تھا

سمجھا مجھی کو قابلِ غم ہائے زندگی
اتنا کرم تو مجھ پہ کسی کا ضرور تھا

تھی فکرِ انتہا بھی ہمیں ابتدا کیساتھ
روزِ ازل سے سامنے یوم النشور تھا

آتا نظر جو چشمِ بصیرت سے دیکھتے
بزمِ مجاز میں بھی حقیقت کا نور تھا

اب تو یہ اپنے وہم و گماں سے بھی دور ہے
نام و نمود کا کبھی خواہاں ضرور تھا

جلوے کی یادگار بھی نورِ نظر بنی
سُرمے کا ایک ڈھیر جو دیکھا تو طور تھا

اچھا نبردِ شوق میں قصہ ہوا تمام
میرا بڑا حریف دلِ ناصبور تھا

کی جس طرف نگاہ وہی تھے نظر نواز
ہر ذرۂ وجود سے پیدا ظہور تھا

کروٹ بھی ایک زیست کی خوشتر ہے انقلاب
سمجھے نہ ہم اسے تو یہ اپنا قصور تھا

چلے ہو کہاں آج گھر سے نکل کر
خراماں، خراماں سنبھل کر سنبھل کر

رہا کیا، رہی جام و مینا میں چل کر
وہ رخصت ہوئی رنگِ محفل بدل کر

یہاں ایکدم رہ گیا دم نکل کر
ذرا اس نے دیکھا جو تیور بدل کر

وہاں پاؤں پڑ کر بھی مطلب نہ نکلا
محبت میں ہم رہ گئے ہاتھ مل کر

مری پردہ داری وہ جلوہ کریں گے؟
ہوئی پردہ در جو حجابوں میں پل کر

نصیحت کی باتیں تو سب کچھ ہیں واعظ
مگر بے عمل پہلے خود تو عمل کر

ہم اب حالِ دل کہہ کے پچھتا رہے ہیں
پرائی ہوئی بات منہ سے نکل کر

الگ ہے مری راہِ منزل الگ ہے
کوئی کیا کرے گا مرے ساتھ چل کر

کمالِ سخن ہے خوشا فکرِ خوشتر
نکلتے ہیں مضموں سانچے میں ڈھل کے

رحم کر رحم غم کے ماروں پر
بیقراروں پہ بے سہاروں پر

اب بتاؤ علاج کیا اس کا
اُن کو شک ہے وفا شعاروں پر

زندگی میں ملا نہ چین انھیں
مر مٹے جو ترے اشاروں پر

کشتیاں ہیں جہاں میں ایسی بھی
ڈوب جاتی ہیں جو کناروں پر

زخم سب ہو گئے ہرے دل کے
آ گئی زندگی بہاروں پر

یہ بھی رونا عجب ہے دنیا کا
لوگ ہنستے ہیں جاں نثاروں پر

بحرِ غم سے نکل کے جائیں کہاں
زورِ طوفاں ہے اب کناروں پر

کیا کریں اہلِ غم اگر نہ ہنسیں
حرف آتا ہے غم گساروں پر

خوفِ طوفاں انھیں ہو کیا ہمدم
جن کی منزل ہے غم کے دھاروں پر

باغِ عالم میں ہے اداسی سی
پڑ گئی اوس کیوں بہاروں پر

یاد اُن کی ہے اُن کا غم خوشتر
جی رہا ہوں انہی سہاروں پر

ہوش کی گفتگو نہ کر عالمِ بے خودی دیکھ
خانہ خرابِ شوق کی حالتِ زندگی نہ دیکھ

فرصتِ زندگی کہاں، فرصتِ زندگی نہ دیکھ
وقت نہ پوچھ موت کا اس کے لئے گھڑی نہ دیکھ

کچھ تو نگاہِ فتنہ گر، فرصتِ عرضِ حال دے
ہوش کی باتیں کرنے دے میری طرف ابھی نہ دیکھ

سجدہ نہیں، نہیں سہی، ذوقِ فروتنی تو ہے
عجز کی مجھکو داد دے صورتِ بندگی نہ دیکھ

کاخِ بلند پر نہ جا خانۂ دل میں گھر بنا
اسمیں دھرا ہوا ہے کیا شوکتِ ظاہری نہ دیکھ

طرزِ جفا کو دُور کر رسمِ وفا کے واسطے
یہ تیری بس کی بات ہے آخری بے بسی نہ دیکھ

اہلِ ہوس کی جانچ کو آتشِ رشک چاہیئے
ان کو جلا جلا کے دیکھ دل کی یہاں لگی نہ دیکھ

نارِ جحیم سے نہ ڈر خلد کی آرزو نہ کر
طاعتِ بے نیاز کر حاصلِ بندگی نہ دیکھ

عیب کلامِ غیر میں خوشترِ خوش بیاں ڈھونڈھ
خود نہ اسی پہ کر نظر اپنی ہی شاعری نہ دیکھ

کرم ہو کے ارزاں گراں ہو نہ جائے
وہ آرامِ جاں جانستاں ہو نہ جائے

یہی بے نشانی نشاں ہو نہ جائے
مری زندگی جاوداں ہو نہ جائے

جو رازِ نہاں ہے عیاں ہو نہ جائے
کہیں انقلابِ جہاں ہو نہ جائے

چمن میں یہ شورِ عنادل سے ڈر ہے
کہ دشمن کہیں باغباں ہو نہ جائے

ترا طرزِ تخریب مرغوب ہو کر
یہی رنگِ بزمِ جہاں ہو نہ جائے

کہیں کھا نہ جائے فریب اس نظر سے
دلِ غمزدہ شادماں ہو نہ جائے

غرورِ عبادت مصیبت ہے زاہد
تری بندگی رائیگاں ہو نہ جائے

سمجھ کر ادھر دیکھنا دیکھو، دیکھو
مرا حوصلہ بھی جواں ہو نہ جائے

کروں عرضِ مطلب یہ حسرت ہے دل کی
گماں یہ کہ وہ بدگماں ہو نہ جائے

مرے گھر سے تیرا نشاں ملتے ملتے
مرا در ترا آستاں ہو نہ جائے

تری بزم کا راگ بگڑا ہوا ہے
ہر اک بوالہوس نغمہ خواں ہو نہ جائے

مجھے ڈر ہے اپنی تباہی سے خوشتر
یہاں ہوتے ہوتے وہاں ہو نہ جائے

وہ حسن وہ شباب گل و لالہ زار کا
اب تک مری نظر میں ہے نقشہ بہار کا

اب کوئی چارہ ساز نہیں حالِ زار کا
دامن پکڑ کے روئیے فصلِ بہار کا

کیفِ مے الست سے بیخود ہوں رات دن
میرے نشے میں دخل نہیں ہے خمار کا

یارانِ ہم نفس نہیں باقی تو کچھ نہیں
نقشہ ہی اب بدل سا گیا ہے دیار کا

جھگڑے کو کاٹنا ہو تو قطعِ امید کر
یوں کٹ سکیگا وقت کہیں انتظار کا

گردش پہ چشمِ مست کی چلتا ہے دورِ جام
مسلک یہی ہے اب تو ہر اک بادہ خوار کا

دل مطمئن ہے زلفِ پریشاں کی دید سے
کچھ تو اثر ہے ان پہ مری حالِ زار کا

رسمِ حجاب مٹ گئی رسمِ حیا کے ساتھ
اب حسن کو خیال نہیں پردہ دار کا

گم کردہ راہ ڈھونڈ رہے ہیں بہار نیست
کوسوں پتہ نہیں ہے جہاں سبزہ زار کا

قدموں میں ان کے رونقِ بزمِ سرور ہے
آتے ہیں وہ تو آتا ہے موسم بہار کا

ہوتا ہے ان بڑوں کے برا چاہنے سے کیا
خوشتر کرم ہے جب مرے پروردگار کا

غزل

مقامِ معرفت کا یہ اثر ہے
کہ اپنی اب یہاں کس کو خبر ہے

زمینِ خاکساری عرش پر ہے
کہاں میں ہوں کہاں میری نظر ہے

کہاں دورِ کہن کی رہ گذر ہے
نئی دنیا کو اس کی کیا خبر ہے

انھیں پا کر بھی ان سے دور ہوں میں
مری گم گشتگی کی یہ خبر ہے

چلا جاتا ہوں دم لیتا نہیں میں
جنونِ شوق میرا ہمسفر ہے

جہاں میں ہوں وہاں کا کیا کہوں حال
جہانِ زندگی زیر و زبر ہے

تماشا دیکھ لیتا اہلِ ساحل
کہ طوفاں کی بھی ساحل پر نظر ہے

اِدھر کیوں جھک پڑے ہیں ماہ و انجم
وہ شاید آج تنہا بام پر ہے

ٹھکانا کاروانِ زندگی کا
ابھی تارِ نفس کے دوش پر ہے

بھروسہ کیجئے دنیا میں کس کا
یہاں بے اعتباری معتبر ہے

خیالِ دوستی بھی ہے تو خوشتر
مآلِ دوستی پیشِ نظر ہے

آستاں اُن کا وہ در یاد آیا
تو ہمیں موت کا گھر یاد آیا

زندگانی کا پڑا فق جو چراغ
عالمِ شمعِ سحر یاد آیا

نہ رہی کش مکشِ دیر و حرم
جب مجھے آپ کا در یاد آیا

ہم بھی بہلانے میں واعظ کا مزاج
پوچھ تو لیں گے اگر یاد آیا

ہے کچھ ایسی ہی جھلک آپ میں بھی
تم کو دیکھا تو قمر یاد آیا

ہوش آیا ہمیں جب موت آ گئی
آج سامانِ سفر یاد آیا

دلِ سوزاں کو تڑپتے دیکھا
عالمِ رقصِ شرر یاد آیا

ہے مروّت انہیں منہ دیکھے کی
آ گیا کوئی نظر یاد آیا

آ گئی جوش پہ رحمت خوشتر
جب مرا دامنِ تر یاد آیا

دردِ دل سوزِ جگر یاد آیا جب ترا تیرِ نظر یاد آیا

خانۂ برباد وہاں اب کیا ہے کون سی بات پہ گھر یاد آیا

جیتے جی آپ نے پوچھا مجھکو لی کبھی خیر خبر یاد آیا

یاد آیا ہمیں وہ نقشِ قدم حاصلِ راہ گذر یاد آیا

نخلِ الفت کی جو یاد آئی ہمیں جو ملا تھا وہ ثمر یاد آیا

مجھ سے ہو جائیگی الفت اکدن بار بار اسکو اگر یاد آیا

میں قفس میں بھی چنوں گا تنکے آشیاں مجھکو اگر یاد آیا

جب گیا سر سے خودی کا سودا ہمکو اللہ کا گھر یاد آیا

ہاتھ اٹھاتے ہی ملا دلکو سکوں کیا دعاؤں کا اثر یاد آیا

بیخودِ شوق رہے ہم جبتک خیر یاد آئی نہ شر یاد آیا

اپنی بے راہ روی پر خوشتر
شیوۂ اہلِ ہنر یاد آیا

دنیا وہی ہے اور وہی سامانِ زندگی
لیکن بدلتے رہتے ہیں عنوانِ زندگی

کیا کام کر رہا ہے یہ مہمانِ زندگی
بھرتا ہے کیوں گناہ سے دامانِ زندگی

وحشت نصیب ہے سر و سامانِ زندگی
اُلفت میں تار تار ہے دامانِ زندگی

ہر دیکھنے کی چیز بھی کچھ دیکھتا ہے کیا
سیرِ جہاں ہے خوابِ پریشانِ زندگی

کافی ہے اپنے واسطے آرائشِ وجود
آرائشوں سے پاک ہے دامانِ زندگی

موجوں سے کھیلتا ہوا باہر نکل نہ جا
آخر یہ کس لئے غمِ طوفانِ زندگی

اک دن حیات و موت کی اس کھینچ تان میں
ہاتھوں سے چھوٹ جائیگا دامانِ زندگی

مرنا ہی جب جہاں میں ہے جینے کا ماحصل
ناحق اٹھائیں کس لئے احسانِ زندگی

سمجھے ہوئے تھے ہم جسے عیش و طرب کا گھر
زندانِ غم بنا ہے وہ ایوانِ زندگی

پیری چلیگی کیا مری پیری کے دور میں
آئے کہاں سے پہلی سی اب شانِ زندگی

ہر فصلِ گل کا زور بہارِ دنیہ ہے شباب
کیا پُر فضا ہے آج گلستانِ زندگی

کس سے وفا کی دہر میں خوشتر امید ہے
عہدِ وفا سے دور ہے پیمانِ زندگی

بہار آئی چلی گیا کہیں بہار سے ہم / خوشی جو پا نہ سکے دورِ خوشگوار سے ہم

ابھی تو پوچھتے ہیں قلبِ بیقرار سے ہم / سکون پائیں گے کیا بزمِ انتشار سے ہم

دیارِ دوست بھی دیکھا دیارِ دشمن بھی / رہے جہاں بھی رہے عزت و وقار سے ہم

فریبِ عیش کی دنیا ارے معاذ اللہ / شکست خوردہ ہیں ڈرتے ہیں اب بہار سے ہم

جو رازِ عشق زباں تک کبھی نہیں آیا / بتائیں کیا کہ وہی سن چکے ہزار سے ہم

شرابِ ناب ہے صحنِ چمن ہے اور وہ ہیں / بہار ہم سے ہم آغوش ہے بہار سے ہم

خبر نہ تھی کہ بہاروں میں بے سر و ساماں / اٹھائے جائیں گے یوں بزمِ سازگار سے ہم

ادھر وہ جلوے بھی اہلِ نظر کی تاک میں ہیں / ادھر ہیں دید کی خواہش میں بیقرار سے ہم

فلک کو یہ بھی نہ بھایا خدا کی قدرت ہے / کبھی جہان میں مل کر رہے جو چار سے ہم

تمہارے وعدۂ فردا پہ جی رہے ہیں ابھی / گذر کے جائیں کہاں حدِ انتظار سے ہم

خود آگہی میں ہماری یہ راز پنہاں ہے / کہ بیخودی میں بھی رہتے ہیں ہوشیار سے ہم

ابھی نگاہِ کرم کا خیال باقی ہے / امیدوارِ وفا ہیں جفا شعار سے ہم

کبھی تو سمجھے گا یہ نا سمجھ بھی اے خوشتر / عشد سے ملتے ہیں اکثر اس عتاب سے ہم

غزل

عشق کی مجھ پر عنایت ہو گئی
زندگی وقفِ مصیبت ہو گئی

ان سے کیا مجھکو محبت ہو گئی
ساری دنیا سے عداوت ہو گئی

دلکو ان کے غم سے الفت ہو گئی
ہو گئی جینے کی صورت ہو گئی

عاقبت کام آ گئی ان کی جفا
مجھکو دکھ سہنے کی عادت ہو گئی

بندگی میں ان کو اتنا تو ملا
عجز کی اچھی ہی عادت ہو گئی

آ گئے تم آ گئی فصلِ بہار
بزمِ دنیا بزمِ راحت ہو گئی

مر رہے ہیں کس قدر جینے پہ ہم
زندگی کمبخت زحمت ہو گئی

میں نے روشن کر دیا ہے نامِ عشق
میری محنت اسکی عظمت ہو گئی

ہم مٹے کیا مٹ گئی رسمِ وفا
کچھ سے کچھ دنیا کی حالت ہو گئی

پردہ داری کا مزا جاتا رہا
بے نقاب آخر حقیقت ہو گئی

کام آئیں میری شب بیداریاں
شامِ غم کی صبحِ عشرت ہو گئی

مل گئی خوشتر گناہوں سے نجات
ساتھ میرے اُن کی رحمت ہو گئی

ہاتھ اُٹھے سلام سے پہلے   عجز سیکھو کلام سے پہلے
پہنچے ہم اژدہام سے پہلے   مل چلے اذنِ عام سے پہلے
گر گئی برق شام سے پہلے   آشیاں میں قیام سے پہلے
چشمِ میگوں نے کر دیا بے خود   رند کو دورِ جام سے پہلے
ان کے تیور کے سب نشیب و فراز   ہم نے دیکھے کلام سے پہلے
دیکھ لو عفو کی بھی ہے کچھ شان   سوچ لو انتقام سے پہلے
ذوقِ محنت کشی تو پیدا کر   فکرِ عیشِ دوام سے پہلے
ہم کہاں تھے خبر نہیں ہم کو   بے خودی کے مقام سے پہلے
میں وہ میکش ہوں خود ہی جانب   شیشہ بڑھتا ہے جام سے پہلے
بات بنتی تو کس طرح بنتی   اُٹھ گئے وہ کلام سے پہلے
ہم کو جینا پڑا ہے مر مر کر   زندگیٔ دوام سے پہلے
میری قسمت ہوئی گرفتاری   دام اُٹھے نہ دام سے پہلے
بے خبر کر شعور کو پیدا   زیست کے ہر نظام سے پہلے
یہ مرا داغِ دل ہے شمع نہیں   جل رہا ہے جو شام سے پہلے
ہے جو ناکامیوں کا ڈر پیدا   دل الجھتا ہے کام سے پہلے

مل تو لو پھر اُسے بُرا کہنا
خوشترِ خوش کلام سے پہلے

ابھی نہیں سوال پہ سائل سے چھیڑ چھاڑ
کی کیا سمجھ کے تم نے مری دل سے چھیڑ چھاڑ

ہے مجھ سے قید و بند کا جھگڑا لگا ہوا
رہتی ہے روز طوق و سلاسل سے چھیڑ چھاڑ

لیلیٰ کا نام بھی نہیں صحرائے نجد میں
مجنوں عبث ہے اب کسی محمل سے چھیڑ چھاڑ

اب چھیڑتی ہے آ کے وہ یادِ چمن مجھے
رہتی تھی جب گلوں سے عنادل سے چھیڑ چھاڑ

ساقی شرابِ ناب کا اُترا چلا ہے رنگ
اٹھتی چلی ہے اب تری محفل سے چھیڑ چھاڑ

کشتی چلی ہے منزلِ الفت اسی طرح
ہوتی چلی ہے رہبرِ منزل سے چھیڑ چھاڑ

محفل سے اُن کی بڑھ کے یہ ظالم اٹھا نہ دے
کچھ درد کر رہا ہے مرے دل سے چھیڑ چھاڑ

یہ شوخیاں ہیں آمدِ فصلِ بہار کی
کلیاں جو کر رہی ہیں عنادل سے چھیڑ چھاڑ

آئینہ دیکھتے ہی وہ خاموش ہو گئے
کچھ کر سکے نہ مدِ مقابل سے چھیڑ چھاڑ

دیتا ہے ہر مٹے کے جہاں کو فنا کا درس
کرتی ہے موج اس لئے ساحل سے چھیڑ چھاڑ

خوشتر نکل ہی آئیں گی باتیں بھی کام کی
کرتے رہا کرو کسی عاقل سے چھیڑ چھاڑ

ہم نے رکھا ہی ہمیشہ کام اپنے کام سے
یوں گذرتی جا رہی ہے زندگی آرام سے

دُور ہی راحت کی صورت دَورِ صبح و شام سے
چیخ اٹھتا ہی زمانہ گردشِ ایام سے

دیکھتا کیا ہے چلا چل اے دلِ ناکام ابھی
اور تھوڑی دُور ہیں ہم منزلِ آرام سے

اسقدر کھائی ہیں دنیا نے محبت کے فریب
اب تو گھبراتے ہیں اہلِ ہوش اسکے نام سے

کیا ہوا ساقی کہاں ہی مے پرستوں کا ہجوم
کیوں گلے مِل مِل کے روتی ہی صراحی جام سے

آگئے بالیں پہ وہ ذوقِ نظر ہے کامیاب
مطمئن ہوں آج اپنے آخری انجام سے

آمد آمد آج ہے اس غیرتِ خورشید کی
صبح کا عالم نظر آتا ہے مجھکو شام سے

حال کیا کہیے کہ ہو کر دامِ الفت میں اسیر
ہو گئے ہیں ہم کسی کے بندۂ بے دام سے

خالق و مخلوق دونوں ہیں خریدارِ وفا
بندہ بکتا ہے ہمیشہ بندگی کے نام سے

ہم نے کیا سمجھا تھا الفت کو یہ نکلی کیا بلا
بے خبر ہوتا ہے کتنا آدمی انجام سے

طائرِ آزاد باغِ قدس اور قیدِ قفس
روح گھبراتی ہی خوشتر عالمِ اجسام سے

انقلابِ زندگی کیسا تماشا ہو گیا
دیکھتے ہی دیکھتے کیا سے جہاں کیا ہو گیا

دل کی بیتابی سے ہو جانا تھا رُسوا ہو گیا
کروٹیں دنیا نے بدلیں میرا چرچا ہو گیا

کارِ ہستی عاقبت بیکار ہی سا ہو گیا
کیسی دنیا بن گئی ہے کس کا سودا ہو گیا

لگ گئی کتنے گھروں میں آگ کیا کیا ہو گیا
داغِ دل کیا جل اُٹھا اک حشر برپا ہو گیا

دیکھنا یہ ہے کہاں رہتے ہیں اب اہلِ حرم
ختم کب کا قصۂ دیر و کلیسا ہو گیا

ہو گیا ہے ذرہ ذرہ مل کے دنیا کا وجود
قطرہ قطرہ جب ملا سامانِ دریا ہو گیا

یوں تو ملنا رنگ میں رنگ کے مِل جانا ہی تھا
ہو گیا اہلِ ہوس غم خوارِ دنیا ہو گیا

چھیڑتا ہے ہم نشیں بزمِ طرب کا راگ کیا
اَب تو سازِ دل کو ٹوٹے اِک زمانا ہو گیا

دشمنِ جاں تھا جسے سمجھا کیے آرامِ جاں
یہ فریبِ زندگی تھا مجھکو دھوکا ہو گیا

کر لیا گلشن میں اندازِ نوا سنجی سے گھر
ہوتے ہوتے باغباں بلبل پہ شیدا ہو گیا

یوں وفا کے نام پر پڑتی گئی گردِ ملال
مٹتے مٹتے رنگِ الفت دل بھی میلا ہو گیا

عاشقی بھی کوئی خوشتر چھپنے والی چیز تھی
اسکو ہو جانا تھا رازِ دل فسانہ ہو گیا

منھ پہ اپنے تازگی ہے اِن دنوں — یعنی غم کی بھی خوشی ہے اِن دنوں

اِک جنونِ دوستی ہے اِن دنوں — سر میں یہ سوداگری ہے اِن دنوں

کس مپرسی ہے زمانے کا چلن — عام ہی کچھ بےکسی ہے اِن دنوں

دامنِ اُمید میں اے زندگی — دولتِ بیچارگی ہے اِن دنوں

بادۂ عرفاں سے خالی جام ہے — خوب دَورِ مے کشی ہے اِن دنوں

وحشتِ دَورِ جنونِ عاشقی — رہنمائے زندگی ہے اِن دنوں

گل بھی آتے ہیں نظر مجھکو اداس — کیا افسردہ زندگی ہے اِن دنوں

عاشقی کو شورشِ ہستی پسند — عقل محوِ بےخودی ہے اِن دنوں

مطمئن ہے کون خوشتر آج کل
کس کے ہونٹوں پر ہنسی ہے اِن دنوں

غزل

کارگر ہر ایک پر افسونِ دنیا ہو گیا
جو یہاں آیا وہی محوِ تمنا ہو گیا

داغِ دل نورِ حقیقت سے مجلا ہو گیا
مرحبا روشن چراغِ طورِ سینا ہو گیا

حسنِ زیبا کا تماشائی تماشا ہو گیا
دیکھنے والے کو ہو جانا تھا رسوا ہو گیا

یہ تری چھل بل ابھی کیا تھی ابھی کیا ہو گیا
اے خیالِ یار تو تو اک چھلاوا ہو گیا

ڈال دی رسمِ وفا پر آپ نے گردِ ملال
رنگِ عالمتابِ الفت گھٹ کے میلا ہو گیا

اہلِ دل جا کر کہاں پہنچائیں الفت کا پیام
اب تو ہر سو دیکھئے اندھیر برپا ہو گیا

اے تعال اللہ وہ آئے گیا دورِ نشاط
پھر بہارستاں مرا باغِ تمنا ہو گیا

آ گیا اعراب میں نفرت کے فرزینِ خرد
جب مذاقِ بے رخی آئینِ دنیا ہو گیا

چل پڑی صحرا میں میرے ساتھ زنجیرِ جنوں
چلتے چلتے یہ بھی اے زلفِ چلیپا ہو گیا

چاہ میں آئے نہ پایا نفع و نقصاں کا خیال
دیکھتا تھا کون اندھا دھند اک دھندا ہو گیا

اضطرابِ زیست آیا جی اٹھی بزمِ خراب
مے کے آتے ہی جہانِ مردہ زندہ ہو گیا

خوش بخواں و زندہ باش اے خوشترِ شیریں بیاں
پیش پیش اہلِ سخن میں تجھ سے کھنڈوا ہو گیا

حسن کی دنیا نئی ہے ان دنوں — سادگی ہی سادگی ہے ان دنوں

دل رہینِ بندگی ہے ان دنوں — زندگی ہی زندگی ہے ان دنوں

شانِ رحمت جوش پر آتی نہیں — کچھ گناہوں میں کمی ہے ان دنوں

اب میسر وہ کہاں ذوقِ نظر — وہ کہاں جلوہ گری ہے ان دنوں

دوستی سرمایۂ دنیا نہیں — دشمنی ہی دشمنی ہے ان دنوں

دیکھ یہ اندھیر تو دنیا کا دیکھ — روشنی بھی تیرگی ہے ان دنوں

خود بخود ہے نغمہ خواں تارِ نفس — اک ترنم زندگی ہے ان دنوں

راہ بر سے راہ رو رہ ہوشیار — رہبری بھی رہزنی ہے ان دنوں

اہلِ فن اہلِ سخن خوشتر کہاں
اور ہی کچھ شاعری ہے ان دنوں

غزل

جنونِ عشق کی یہ خستہ سامانی نہیں جاتی
نہیں جاتی ہماری چاک دامانی نہیں جاتی

مصیبت یوں کبھی دنیا میں پہچانی نہیں جاتی
نہیں آتی بلا جو سر پہ وہ مانی نہیں جاتی

گمانِ بد نہ کرے محتسب رندوں کی علت پر
کہ ہو کر چاک دامن پاک دامانی نہیں جاتی

نہیں مرتا کبھی گو بوالہوس ہر اک پہ مرتا ہے
نہیں جاتی سبک سر کی گراں جانی نہیں جاتی

زیادہ دور ساحل تو نہیں کچھ بحرِ ہستی کا
مگر کشتی کدھر جائے کہ طغیانی نہیں جاتی

ہمارے گھر کی ویرانی سے ہے دل بستگی اس کو
نہیں جاتی نہیں جاتی پریشانی نہیں جاتی

تمہارے دم سے رونق ہے ہماری بزمِ ہستی کی
تم اٹھ کر جب چلے جاتے ہو ویرانی نہیں جاتی

تماشا دیکھنے والے تو لاکھوں آ کے جاتے ہیں
وہی جلوے ہیں جلووں کی فراوانی نہیں جاتی

تری تصویر آئینہ ہے میری چشمِ حیرت کا
نہیں جاتی ان آئینوں کی حیرانی نہیں جاتی

ابھی نظروں میں پھرتا ہے وہ بزمِ ناز کا منظر
مرے دل سے تری جلووں کی ارزانی نہیں جاتی

حجاباتِ جہاں کو ہر ادا چھن چھن کے آتی ہے
غرض پردے سے ان کی جلوہ سامانی نہیں جاتی

مجھے سمجھا رہے ہیں آپ کیا اے ناصحِ مشفق
محبت میں کسی کی بات ہی مانی نہیں جاتی

رہے گا شاعری کا نام خوشتر رہتی دنیا تک
سخن فہمی، سخن گوئی، سخن دانی نہیں جاتی

غزل

جو لوگ اُن کے آنے کا مژدہ سنا گئے
وہ اور میرے غم کا زمانہ بڑھا گئے

جامِ مئے الست وہ آکر پلا گئے
زندانِ غم کو محفلِ رنداں بنا گئے

راہِ نجاتِ عمر جو آکر دکھا گئے
بگڑے ہوئے نصیب کو میرے بنا گئے

دامن بُرائیوں سے جو اپنا بچا گئے
آدابِ زندگی وہ جہاں کو سکھا گئے

ساری تمھیں سے رونقِ بزمِ حیات ہے
آئی بہارِ عیش بھی جس دن وہ آگئے

حسرت تھی ایک دید کی وہ بھی نکل گئی
اچھا ہوا! جو موت سے پہلے وہ آگئے

خاصا انھیں ہنسی کا یہ سامان مل گیا
دانستہ ہم فریبِ تسلی جو کھا گئے

دامانِ عجز تھام لیا بندگی کے ساتھ
ہم گھوم پھر کر دامنِ رحمت میں آگئے

جچتا نہیں جہاں کا کوئی منظرِ حسیں
جب سے نظر میں آپ کے جلوے سما گئے

اہلِ ہوس پہ تنگ ہوئی صورتِ حیات
دنیائے بے ثبات کے پھندے میں آگئے

یہ دیکھیے بنا کے تماشائی جمال
وہ آج خود مجھی کو تماشا بنا گئے

رنگِ نشاط حضرتِ واعظ پہ چھا گیا
کچھ دیر کو تو محفلِ رنداں میں آگئے

خوشترؔ کہاں وہ راہ سفر، ہمسفر کہاں
ہم اپنے کارواں سے بہت دور آگئے

جانِ مضطر ہے ہماری اور پیکانِ فراق
دردِ دل ہی دردِ دل ہے حال پرسانِ فراق

یہ مصیبت ہی مصیبت ہے جو سامانِ فراق
اور درد دل ہم ہیں اس دنیا میں مہمانِ فراق

تیری بے مہری کے اے سفاک ظالم اب تو ہیں
لوگ بیزارانِ الفت جاں نثارانِ فراق

بے خبر ہو جانا ہی ہے سو علاجوں کا علاج
ایک جامِ بیخودی ہوتا ہے درمانِ فراق

ترکِ الفت کرتے ہیں جائیے جھگڑا مٹا
لیجئے ہم نے بڑھا دی آج دوکانِ فراق

دیکھ لینا یہ بھی ہو کر ہی رہیگا تار تار
خارزارِ زندگی ہے اور دامانِ فراق

وہ مصیبت کچھ نہیں کر اس مصیبت کا علاج
وصل کے ارمان سے ہوتا ہے سامانِ فراق

زندہ رہنا تھا تو مر مر کے بھی ہم زندہ رہے
جھیل کر لاکھوں ستم جیتا ہے میدانِ فراق

جستجو شوقِ طلب ذوقِ تلاشِ بے حجاب
انہماکِ زندگی کی فکر عنوانِ فراق

جاؤ جاؤ ساتھ چھوٹا آج خوشتر تو چلا
الوداع والفراق اے کوچہ گردانِ فراق

غزل

ہمیں مہنگی پڑی دنیا چلے ہیں سرگراں ہوکر
سمجھتے تھے کہ دو دن رہ سکیں گے میہماں ہوکر

تری چین جبیں نے بات ہی کھو دی عیاں ہوکر
ہمیں خاموش رہنا پڑ گیا منہ میں زباں ہوکر

حسینانِ جہاں سے شانِ حسنِ ذات پیدا ہے
ستارے جسطرح لاکھوں عیاں ہیں کہکشاں ہوکر

کہاں ہو تم یہاں تو اب اسی کا زور چلتا ہے
حکومت پاسباں کی ہے تمہارا آستاں ہوکر

نظر آتا ہے منزل تک پہنچنا دور ہے اب تو
مری پسماندگی رہتی ہے گردِ کارواں ہوکر

بھروسہ ہے کہ رکھ لیگی ہماری بات محشر میں
تری رحمت الٰہی چارہ سازِ عاصیاں ہوکر

بڑے ہیں ہم کہ تم کو سب سے اچھا ہم سمجھتے ہیں
تم اچھے ہو کہ رہتے ہو ہمیں سے بدگماں ہوکر

محبت وہ بلا ہے جو چھپائے چھپ نہیں سکتی
کہ دل کی چوٹ صورت سے بھی رہتی ہے عیاں ہوکر

مصیبت ہے دلِ محزوں کی آنکھ کا خشک ہو جانا
بہا دیتے تھے گردِ غم کو جو آنسو رواں ہوکر

نتیجہ دیکھ لینا جستجوئے عزمِ محکم کا
نہ سمجھو تم یہ رہ جائیگی سعی رائیگاں ہوکر

شکستِ جام کی آواز میخانے میں اے خوشتر
مرے کانوں تک آتی ہے نوائے بیکساں ہوکر

اُداسی کیا بتاؤں اپنے گھر کی / فضا خاموش ہے اب بام و در کی

تلاش اور وہ بھی حسنِ رہ گذر کی / کہاں تکمیل ہو ذوقِ نظر کی

یہی روداد ہے بس عمر بھر کی / جہاں سایہ ملا ہم نے بسر کی

خرد ہے روز و شب کی کش مکش میں / جنوں کو فکر کیا شام و سحر کی

دلِ ایذا طلب ہی جانتا ہے / کرشمہ سازیاں حسنِ نظر کی

ہمیشہ فکرِ ساحل بحرِ غم میں / کبھی طوفاں پہ بھی تو نے نظر کی

ہماری احتیاج زندگی میں / دعا محتاج پھرتی ہے اثر کی

قفس سے اڑ کے جائینگے کہاں ہم / ضرورت کیا رہی اب بال و پر کی

مدار اس کا ہوا جاتا ہے شر پر / بری حالت ہے اب نوعِ بشر کی

اجل سر پر کھڑی ہے آ کے غافل / ارے کچھ فکر کر رختِ سفر کی

کہاں ہے آج کل خوشتر وہ دنیا
جہاں کچھ قدر ہوتی ہے ہنر کی

آتے جاتے ہیں یہاں نامہ و پیغام ابھی
یعنی کچھ اپنی محبت نہیں ناکام ابھی

ہاتھ میں ساقیٔ بدست کے ہے جام ابھی
ہوش کا رندِ خرابات نہ لے نام ابھی

بیکسی کا نہ گلہ کر دلِ ناکام ابھی
ساتھ دیتے تو ہیں اپنا غم و آلام ابھی

کس لئے ہے یہ ندامت مری بربادی سے
تم پہ آیا تو نہیں ہے کوئی الزام ابھی

میں نے گلشن میں ہر اک گل کو جلا بخشی ہے
پتے پتے کی زباں پر ہے مرا نام ابھی

دور ہے اُن سے بہت وسعتِ دامانِ خیال
تنگیٔ دل سے لیا کرتے ہیں جو کام ابھی

بادہ نوشی کے ہیں ایام یہ کیسی توبہ
کام سے کام رکھ اپنے دلِ ناکام ابھی

ہے مقدر میں خوشی بھی تو کہاں سے لاؤں
ہے زمانہ میں تو دورِ غم و آلام ابھی

جان کر کس لئے میں خواہشِ دیدار کروں
ہے نگاہوں میں مری طور کا انجام ابھی

حادثے سر سے نکل جاتے ہیں خوشتر آکر
شاملِ حال ہے ان کا کرمِ عام ابھی

ہوں گے ہوں گے کبھی پورے مرے ارماں ہوں گے
زندگی ہے تو سبھی عیش کے ساماں ہوں گے

دل کے داغوں کو تو ہونا ہی نمایاں ہوں گے
دیکھ لینا کبھی صد رشکِ چراغاں ہوں گے

ہم نہ ہوں گے تو نہ ہوگا یہ زمانے کا بھرم
ہم نہ ہوں گے تو نہ یہ عہد نہ پیماں ہوں گے

تم ہی سوچو مرے اندازِ جنوں سے اچھے
کون سے اہلِ خرد و عقل کے ساماں ہوں گے

میں بھی اے بخت کبھی گھی کے جلاؤں گا چراغ
وہ بھی کیا آ کے کبھی شمعِ شبستاں ہوں گے

بحرِ ہستی کے یہ گرداب بھی ہو جائیں گے گرد
ہوں گے کچھ ایسے سفینے بھی جو طوفاں ہوں گے

حسن والوں کا خیال اور چھپے دل میں یہ کیا
پھول کہتے ہیں جنھیں خارِ مغیلاں ہوں گے

یہ مری خانہ خرابی، مرا اندازِ جنوں
دیکھ لینا کبھی رشکِ سر و ساماں ہوں گے

اپنی والی پہ جب آ جائیں گے کردارِ جنوں
چاک رہ جائیں گے باقی نہ گریباں ہوں گے

ہے کچھ امید توں سے تو ہے خوشتر بکار
کام انساں کے وہ آئیں گے جو انساں ہوں گے

تم سے جو کچھ مجھے کہنا ہے فراموش نہیں
ہاں مگر سامنے تم آئے تو اب ہوش نہیں

کوئی ایسا تو زمانے میں بلانوش نہیں
نگہِ مست سے ساقی کی جو مدہوش نہیں

ذوقِ رسوائی طلب شوقِ تلاشِ منزل
یوں تو سب کچھ ہے حریفوں میں مگر جوش نہیں

ہوش والے تو وہی لوگ ہیں اے اہلِ خرد
اپنی ہستی کا بھی دنیا میں جنھیں ہوش نہیں

دیر میں رہ کے سمجھتا ہوں حرم کا بھی مقام
میں وہ کافر ہوں کہ آداب فراموش نہیں

سب ہی جینے کی تمنا میں مرے جاتے ہیں
حسرتِ زیست سے کوئی بھی سبکدوش نہیں

آج الجھے ہوئے ہیں کشمکشِ زیست میں ہم
کہ سلجھنے کا اب انداز نہیں ہوش نہیں

میری رسوائی کا افسانہ چلا جاتا ہے
یار کی چشمِ سخن گو ابھی خاموش نہیں

زندگی نام ہے جس کا ہوئی جاتی ہے وبال
کون سا سر ہے کہ جو بارِ سرِ دوش نہیں

کون خوش ہے بتِ کافر کی جفا سے خوشتر
جو وفا کیش ہیں اب وہ بھی وفا کوش نہیں

غزل

ہم نے بتا دیئے ہیں اسرار زندگی کے
ہم نے دکھا دیا ہے دنیا کو غم میں جی کے

کیا دن نصیب ہونگے انکو ہنسی خوشی کے
جو صید ہو چکے ہیں احساس کمتری کے

راحت میں کیا گذارے لمحات زندگی کے
خود سوچتا نہیں جو اسباب بہتری کے

دو چار دن ہیں غم کے دو چار دن خوشی کے
کیوں اسکی فکر یہ تو جھگڑے ہیں جیتے جی کے

پہنچے ہیں وہ ہمی سے غیروں کی محفلوں میں
قائم ہیں آجتک جو آداب زندگی کے

منزل یہیں سے شاید بدلیگی کارواں کی
بدلے ہوئے سے ہیں کچھ آثار زندگی کے

یہ اہلِ دل ہی جانیں یا اہلِ ہوش سمجھیں
ہم نے مزے جو لوٹے محفل میں بیخودی کے

دنیا کی بزم کلفت ہمکو وبالِ جاں تھی
جیتے رہے سہارے لے لیکے بیخودی کے

پیغامِ مرگ مجھ کو ہے روٹھنے کا عالم
سامانِ حشر تیرے انداز برہمی کے

رسمِ نیاز ہی سے جو لوگ بے خبر ہیں
سمجھیں گے وہ بھلا کیا اسرار زندگی کے

ہم بھی سمجھ رہے ہیں انکی نوازشوں کو
کرتے ہیں دشمنی جو پردہ میں دوستی کے

سنجیدگی ہے باقی خوشتر کہاں ادب میں
پہلے سے اب کہاں ہیں انداز شاعری کے

غزل

جب بتوں کی داستانِ عشق دہراتا ہوں میں
سچ کہوں اپنے کئے پر آپ شرماتا ہوں میں

جب خیال و شوق کی دنیا میں آجاتا ہوں میں
اجنبی سا خود کو سیرِ زیست سے پاتا ہوں میں

پھر سے جالیتا ہوں ٹکرا انکی تیغِ ناز سے
جب وفورِ درد میں اپنی کمی پاتا ہوں میں

یہ سنا ہے اب وہ رو دیتے ہیں میرے حال پر
کیا مصیبت ہے انہیں کیوں یاد آجاتا ہوں میں

عاشقی میں ہے مری وجہ پریشانی کچھ اور
وہ سمجھتے ہیں ہجومِ غم سے گھبراتا ہوں میں

عالم ہوش و خرد ہنستا ہے میرے حال پر
جان کر بھی جب فریبِ زندگی کھاتا ہوں میں

یاد کر لیتے ہیں وہ جس دن حریمِ ناز میں
کاروانِ شوق کو لیکر پہنچ جاتا ہوں میں

بیخودی کو منزلِ الفت میں رہبر دیکھ کر
عالمِ امکاں کی بھی حد سے گزر جاتا ہوں میں

انقلاب آتا تھا برسوں میں کبھی وہ دن گئے
ہر قدم پر آج تو دنیا نئی پاتا ہوں میں

سب بکھر جاتا ہے یہ شیرازۂ نظمِ عمل
جب اصولِ زندگی سے جا کے ٹکراتا ہوں میں

آگہی کیسی کہاں کا عجز کیسی بندگی
اب تو راہِ منزلِ عرفاں سے کتراتا ہوں میں

مجھ پہ ہے خوشتر یہ جو ہے روز و شب فضل و کرم
نام لیتا ہوں انہیں کا انکے گن گاتا ہوں میں

بادۂ غم آج کل لبریز ہے ساقی — فضائے زندگی کیسی الم انگیز ہے ساقی

یادہ کی سازش تو دل آویز ہے ساقی — مگر کیا کیجیے یہ دورِ ستم آمیز ہے ساقی

ی لغزشِ مستی پشیمانی کا باعث ہو — زمانے کی فضا ہم پر تبسم ریز ہے ساقی

ے قلقلِ مینا ترانہ سازِ ہستی کا — ہر اک تارِ نفس اپنا طرب انگیز ہے ساقی

سے دورِ مے کی سمت ہو رفتار کیوں ایسی — ابھی تو صحنِ گلشن پر صبا گل ریز ہے ساقی

تو ہو جو ظالم کچھ نہ ہونے پر بھی سب کچھ ہو — حبابِ زیست بحرِ غم میں طوفاں خیز ہے ساقی

ا کچھ ادھر ہے سوزِ ہوا کچھ اور کہتی ہے — کہیں بزمِ طرب میں کوئی نغمہ ریز ہے ساقی

ل کر چل نظر آتا ہے آگے دورِ پامالی — کہ رفتارِ زمانہ آج کل کچھ تیز ہے ساقی

ے ڈر ہے کہ چل جائے نہ رندانِ قدح کش میں — ترا اندازِ چشمِ مست شر انگیز ہے ساقی

ل طوفان اٹھتے ہیں یہاں فتنے برستے ہیں — جہانِ عشق کا ہر لمحہ محشر خیز ہے ساقی

یہاں سرخوش ہوئے پیدا یہاں خوشتر ہوا پیدا
زمیں شعر و ادب کی بھی بڑی زرخیز ہے ساقی

ہے اُن کی نگاہوں میں اب دل کا خدا حافظ
دل دیکھیے غافل ہے، غافل کا خُدا حافظ

کیا دیکھیے دیکھا ہے کیا کیجیے دنیا ہے
شمع کی خدائی ہے سائل کا خُدا حافظ

حق اپنی حقیقت سے یہ کہہ کے ہوا رخصت
اب دور ہے دنیا میں باطل کا خُدا حافظ

کیا کیجیے مشکل ہے مشکل میں ہے آسانی
آسان بھی مشکل ہے مشکل کا خُدا حافظ

چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا آلام و مصیبت سے
ہو جس میں ہجوم غم اس دل کا خُدا حافظ

پہنچیگی کہاں منزل جب ہم نہیں پہنچینگے
اِس دَور کی منزل میں منزل کا خُدا حافظ

کیوں ہم سے چلے محفل لو ہم چلے محفل سے
اب ہم سے چلی محفل، محفل کا خُدا حافظ

طوفانِ حوادث کی موجوں میں نہ بہہ جائے
بحرِ غمِ ہستی کے ساحل کا خُدا حافظ

خوشتر ہے زمانہ ہی اب شعلہ نوائی کا
ناقص کی حفاظت ہے، کامل کا خدا حافظ

ز و نیاز کا بیان ناز و نیاز کی اتیال — میرے سوال کا جواب ان کے جواب کا سوال

بلیہ رہا ہوں ہر طرف ایک ہی جلوۂ جمال — جب سے میری نظر میں ہے آپکا حسنِ بے مثال

ب تو ہر ایک گام پر منزلِ دلفریب ہے — ہر جو نشیب بے نظیر ہے جو فراز بے مثال

داہشِ رفعتِ وجود ہی تو ہے نکبتِ وجود — تجھکو مٹا نہ دے کہیں نام و نمود کا خیال

ہمتِ پائدار رکھ، کوششِ استوار رکھ — بہرِ عروجِ زندگی چاہیئے عزمِ لازوال

ہبرِ راہِ آرزو بن گئی آپ جستجو — میری کمالِ شوق نے کر کے دکھا دیا کمال

یری حسابِ زیست میں شادی و غم رہے نہیں — مجھکو خزاں کا خوف ہے اب نہ بہار کا خیال

شقِ جفا کے واسطے اور جہاں میں کون ہے — شوق یہ ہے تو شوق سے کیجیے مجھکو پائمال

یجیے ہمکو دیکھئے ہیں بھی کہیں نہیں بھی ہیں — پوچھئے ہم سے پوچھئے ہستی و نیستی کا حال

ہیں بھی اور انہیں بھی ہے ترکِ دوئی ہوئی — ایک ہے سطحِ زندگی کیسا عروج کیا زوال

لاکھ گناہ گار ہوں میری مدد کے واسطے!

حشر میں خوشتر آئیگی رحمتِ ربِّ ذوالجلال

آمد سے اُن کی دیکھئے گلشن ہے باغ باغ — روشن ہر ایک سمت خوشی کے ہوئے چراغ

کلیوں نے جب بہار کا آکر دیا سُراغ — گلشن میں لالہ زار کے جلنے لگے چراغ

کرتا ہے یہ ہوا سے بھی باتیں فلک سے بھی — ہوتا ہے جب عروج پر انسان کا دماغ

شاید نہیں نصیب میں اپنے مے نشاط — ہاتھوں میں آتے آتے نکل جاتا ہے ایاغ

ناداں بھلا بُرا کسے سمجھائیے یہاں — ہے اپنی اپنی عقل پہ ہر ایک کا دماغ

عیش و نشاط آ گئے ہیں دوشِ بہار پر — آئی ہے فصلِ گل تو لئے ہاتھ میں ایاغ

منزل پہ جا لگیں گے فروغِ حیات کی — جدت پسندیاں ہیں جو آمادۂ سُراغ

روشن ہے اس سے بزمِ جہاں رہروِ حیات — بجھتا نہیں ہے منزلِ اخلاص کا چراغ

کر دیں گے صاف دیکھئے فردِ گناہ کو — دھو کر رہیں گے اشکِ ندامت سے ہم یہ داغ

ساقی نہیں تو دیکھئے سامانِ میکدہ — پھوٹا ہوا ہے شیشہ تو ٹوٹا ہوا ایاغ

ممتاز اس کا رنگ ہے ممتاز کیوں نہ ہو

خوشتر مریدِ ناطق و ناطق مریدِ داغ

تری محفل کو ہم خورشید کی محفل سمجھتے ہیں
یہاں کے ذرّے ذرّے کو مہِ کامل سمجھتے ہیں

بنائے جائینگے اہلِ خرد ناداں ابھی چل کر
وہی ہوشیار نکلیں گے جنہیں غافل سمجھتے ہیں

جہاں والے بقا کی راہ سے ہیں بے خبر کتنے
جہاں یہ سانس رکتی ہے وہیں منزل سمجھتے ہیں

ملی ہے کسکو جائے عافیت دریائے ہستی میں
وہیں گرداب ہوتا ہے جہاں ساحل سمجھتے ہیں

ہمیں تو اس میں ہر صورت سے رسوائی نظر آئی
اسی کو ہم تو اپنے عشق کا حاصل سمجھتے ہیں

تماشہ ہے امید شادمانی دار فانی میں
ہم اک ماتم کدے کو عیش کی محفل سمجھتے ہیں

غبارِ زندگی میں لیلیٰ مقصود کیا معنی
وہ دیوانے ہیں جو اس گرد کو محمل سمجھتے ہیں

دلِ بیتاب کے مارے ہوئے تھے موت برحق تھی
تمہارا کیا گلہ ہم کب تمہیں قاتل سمجھتے ہیں

بھلا ہم کیا ہیں خوشتر کیا کہیں اب اپنی ہستی کو
کرم احباب کا سمجھو کہ وہ قابل سمجھتے ہیں

ساری دنیا کو وہی درسِ وفا دیتے ہیں
جو محبت کیلئے گھر کو لٹا دیتے ہیں

زندگی صبر و تحمل سے سجا دیتے ہیں
ہم مذاقِ غمِ دنیا کو جلا دیتے ہیں

اہلِ ثروت کا نسلے نام یہ کیا دیتے ہیں
اُن سے کچھ مانگیے تو ہاتھ اٹھا دیتے ہیں

میں نے جو کام کیا آپکی خاطر سے کیا
آپ کس بات کی اب مجھکو سزا دیتے ہیں

ہٹ کے آئینِ وفاداری سے یارانِ وطن
مجھکو اکثر مرے مسلک سے ہٹا دیتے ہیں

چھوڑیے نام وفا کیجیے اب کس سے وفا
آجکل لوگ کہاں دادِ وفا دیتے ہیں

جب کبھی بھول کے آجاتے ہیں ایامِ بہار
اُٹھ کے ہم عمرِ گذشتہ کو صدا دیتے ہیں

کیف آمادہ ہو غافل ہے یہی راحتِ زیست
زخمہائے دلِ غمگیں بھی مزا دیتے ہیں

تلخیٔ وقت کا احساس الٰہی توبہ
(ق) ایسے لمحے غمِ ہستی کو بڑھا دیتے ہیں

جب وہ آتے ہیں کوئی فتنۂ محشر لیکر
میرے سوئے ہوئے جذبات جگا دیتے ہیں

ہو جہاں چشمِ کرم ساغر و مینا بیکار
وہ تو نظروں ہی سے جی بھر کے پلا دیتے ہیں

وہ خدا جانے کہاں رہتے ہیں لمحاتِ سرور
منزلِ عیش کا آکر جو پتا دیتے ہیں

کامیابی کا زمانہ نظر آتا ہے قریب
اب تو اغیار بھی خوشتر کو دعا دیتے ہیں

غزل

عمرِ خضر ملے بھی تو ایسی دعا نہ مانگ ‏— جس میں فنا کو دخل نہ ہو وہ بقا نہ مانگ

اچھا اگر ہے تو تو خدا سے بُرا نہ مانگ ‏— دشمن کے واسطے بھی کبھی بد دُعا نہ مانگ

ٹوٹی ہوئی ہے آس یہ بگڑا ہوا ہے ساز ‏— تارِ نفس پہ اب کوئی رنگیں صدا نہ مانگ

وجہِ سکوں ہے صبر و قناعت کی زندگی ‏— تو کس ہوا میں ہے کبھی حرص و ہوا نہ مانگ

بیکار زندگی ہے تو بن نیستی پسند ‏— ظالم ثباتِ ہستیٔ بے مدعا نہ مانگ

پیدا کر اپنی ذات میں اپنا شعور آپ ‏— ملتا نہیں کسی سے یہ ذوقِ فنا نہ مانگ

اے رہ نوردِ زیست بھروسے کے دن نہیں ‏— خود اپنی راہ ڈھونڈ کوئی رہنما نہ مانگ

ناداں نہ بن کہ ایک وہی کارساز ہے ‏— غیر از خدا کسی سے برائے خدا نہ مانگ

رکھ شکر پہ مدار مقامِ رضا نہ چھوڑ ‏— جو مل رہا ہے کم نہیں اس سے سوا نہ مانگ

نقصاں نہ کر کیے کو نہ یوں خاک میں ملا ‏— احساں اگر کیا ہے تو اس کا صلہ نہ مانگ

برباد جس سے قدرِ سخن ہو جہان میں
وہ دورِ بزم خوشترِ شیریں نوا نہ مانگ

کب زمانہ سازگارِ خاطرِ ناساز تھا
کس کا دم بھرتے ہمارا دم ہی جب دمباز تھا

کیا بتاؤں بزم کا اُنکی عجب انداز تھا
آشنائے راز بھی ناآشنائے راز تھا

اپنے مطلب کی ہر اک سُنتا تھا بزمِ دہر میں
کس سے کہتے حالِ دل اپنا کوئی ہمراز تھا

ہم ہی ہم تھے ہم سے تھی دنیائے عشرت کی بہار
زندگی میں وہ بھی دن گذرے ہیں جن پر ناز تھا

وحشتِ ذوقِ طلب میں جب اُٹھے بڑھتے گئے
کسکو دامانِ جنونِ شوق کا انداز تھا

اپنی ہستی میں اُلجھ کر دیکھتا کیا خود پسند
ذرّے ذرّے میں جہاں کے زندگی کا راز تھا

بے پیے بھی میکشوں پر بیخودی چھائی رہی
یہ نگاہِ ساقیٔ بدمست کا اعجاز تھا

وہ بھی چپ تھے دیکھ کر میرا سکوتِ غم نواز
میری خاموشی کے عالم میں بھی کوئی راز تھا

کس نے دنیا کو بنایا کس کی دنیا بن گئی
یوں تو کہنے کے لئے ہر ایک دنیا ساز تھا

ہم ہیں اب اور الفتِ صیاد اسیری کا لحاظ
اُڑ گیا یک لخت جو زورِ پرِ پرواز تھا

کل محبت کا نشہ تھا اور کیفِ بےخودی
لیتے میں تھا اور سرورِ جلوہ گاہِ ناز تھا

دیکھتے خوش حال کیا خوشتر مجھے اہلِ حسد
خار خار اُنکی نگاہوں میں مرا اعزاز تھا

غزل

چمن میں لطفِ چمن یعنی ہمنوا نہ ملا
بہارِ زیست گئی ہمکو آشنا نہ ملا

پھر اس کیواسطے سب ایک ہے ملا نہ ملا
جسے جہاں میں دلِ درد آشنا نہ ملا

وفا کا دوست سے ہمکو کوئی صلا نہ ملا
وہ مدعی تو نہ تھا دل کہ مدعا نہ ملا

دیارِ دوست میں رہ کر بھی ہم نے دیکھا ہے
وہاں بھی رہ کے ہمیں کوئی آسرا نہ ملا

ذلیل و خوار ملا بوالہوس معاذ اللہ
مگر نصیب کے لکھے سے کچھ سوا نہ ملا

تلاشِ یار کی محویتیں ارے توبہ
ہم ایسے گم ہوئے اپنا ہی کچھ پتا نہ ملا

فریب رند بھی دیتے ہیں پارسائی کا
ہمیں تو شیخ بھی دیکھا تو پارسا نہ ملا

کسی نے قربِ خداوند دو جہاں پایا
کسی کو دیر و حرم کا بھی راستا نہ ملا

بہ کار باش کہ فرصت ہے ورنہ پھر غافل
ملا ملا نہ ملا دردِ بے بہا نہ ملا

نکل کے دیر سے پابندئ حرم میں رہے
ہمیں تو بھاگ بھی جانے کو راستا نہ ملا

کسی کے لطف سے امید کیا کریں ہمدم
ہمیں تو اپنی ہی محنت کا کچھ صلا نہ ملا

حرم کے پاس بھی رہ کر خودی رہی جسمیں
بتوں سے دور بھی رہ کر اُسے خدا نہ ملا

جہانِ شعر میں ڈھونڈا بہت مگر خوشتر
ہمیں تو حضرتِ ناطق سا رہنما نہ ملا

لو کتابِ زیست سے لفظِ وفا جاتا رہا ‌ ‌ ‌ ‌ بے وفائی کا زمانے کی گِلا جاتا رہا

ہو گیا دل گردِ دل سے درد کیا جاتا رہا ‌ ‌ ‌ ‌ زندگی سے زندگی کا ہی مزا جاتا رہا

دل گیا قصہ نیاز و ناز کا جاتا رہا ‌ ‌ ‌ ‌ اُن سے تھا جن کی بدولت واسطا جاتا رہا

ہم نے ان کے تو اپنا ناتوں کو آ گیا ‌ ‌ ‌ ‌ دَیر سے بھی اب دوئی کا مشغلا جاتا رہا

کھو کے ہم کو اس کفِ افسوس کا عالم نہ پوچھ ‌ ‌ ‌ ‌ ملتے ملتے ہاتھ سے رنگِ حنا جاتا رہا

آشنائی کی تمنا اب نہیں اے اہلِ جور ‌ ‌ ‌ ‌ ہم گئے اب وہ دلِ درد آشنا جاتا رہا

زدِ طوفاں سامنے ہے ساتھ ہے نامِ خدا ‌ ‌ ‌ ‌ اپنی کشتی سے خیالِ ناخدا جاتا رہا

ہو گیا ہے شاملِ حال آپکا جب سے کرم ‌ ‌ ‌ ‌ وہ مری ناکامیوں کا سلسلا جاتا رہا

آ کے میخانہ میں لیتا شیخ کیا جاذی کا نام ‌ ‌ ‌ ‌ پارسائی ہاں گئی وہ پارسا جاتا رہا

اب کشش ہی کونسی باقی ہے بزمِ دَیر میں ‌ ‌ ‌ ‌ آشنا جاتا رہا نا آشنا جاتا رہا

ولولۂ ذوقِ طلب، جوشِ جنوں، پائے ثبات ‌ ‌ ‌ ‌ ہر اک اپنی جستجو کا رہنما جاتا رہا

وہ تصور میں بھی اب آتے نہیں یہ کیا ہوا ‌ ‌ ‌ ‌ ان کے میرے درمیاں کا واسطا جاتا رہا

آ گئے خیر البشر دنیا میں لیکر امن کو

دہر سے خوشتر وہ ظلم ناروا جاتا رہا

اے آسماں آہ میری بے اثر نہیں
میں کیا ہوں کون ہوں ابھی تجھ کو خبر نہیں

یہ کیا کریں گے اس پہ ہماری نظر نہیں
سائل تو ہیں مگر طلبِ سیم و زر نہیں

میرا بیانِ جور و ستم معتبر نہیں
یہ کس لئے کہ اُن کی کرم کی نظر نہیں

زنداں پہ کیا ہے گھر ہو چمن ہو کہ میکدہ
اب تو سکوں کہیں دلِ شوریدہ سر نہیں

اس خارزارِ ملکِ وفا کا نہ پوچھ حال
اِک میں ہی میں ہوں کوئی میرا ہمسفر نہیں

کاٹو کسی طرح سے کہ کانٹوں پہ ہے مدار
صحرائے زندگی میں گلوں کا گذر نہیں

گم کردہ راہ ہم کو ملا کاروانِ زیست
دیکھا تو خود ہی راہ پہ اب راہبر نہیں

اُن کا حریمِ ناز مرا پردۂ نگاہ
وہ جلوہ گر ہیں سامنے اور جلوہ گر نہیں

جینے کی ہے ہوس کبھی تو مرنے کی بات ہے
موج و حباب کیا ترے پیشِ نظر نہیں

رہتی ہے فکرِ کار و سرانجام کار کی
انجامِ کار کی تو ہمیں کچھ خبر نہیں

پاتا ہے دل سکوں تری بزمِ خیال میں
یہ وہ مقام ہے کہ جہاں شور و شر نہیں

پیغامِ مرگ ہم کو ملا زندگی کے ساتھ
اب عمر بھر ضرورتِ پیغامبر نہیں

یہ بھی تو کم نہیں کہ کسی سے نیاز ہے
اپنے مقامِ عجز کو سمجھا بشر نہیں

خوشتر مذاقِ عام پہ اب منحصر ہے فن
اہلِ ہنر کی قدر بہ قدرِ ہنر نہیں

پروا نہیں ہمیں جو فنا ہے بقا کے بعد
دارالبقا بھی آئیگا دارالفنا کے بعد

ڈھونڈو مقامِ درد کہاں ہے جفا کے بعد
وہ بات اب کہاں دلِ درد آشنا کے بعد

کچھ تو کرو جفا ہی بنے تو جفا سہی
کوئی صلہ تو دو مجھے میری وفا کے بعد

اے بے خبر ہے کشتِ گہہ آخرت جہاں
سامان زندگی کا یہاں کر فنا کے بعد

ڈر ہے نہ ٹوٹ جائے امیدوں کا سلسلہ
کیا ہوگا کچھ اگر نہیں پایا دعا کے بعد

ساقی مئے الست کے دو گھونٹ اور بھی
پھر کس کو ہوش آئیگا جامِ فنا کے بعد

سرخی نہ کیوں سوا ہو ترے دستِ ناز میں
خونِ وفا کا رنگ ہے رنگِ حنا کے بعد

لو چار چاند لگ گئے حسنِ حجاب میں
رنگِ شباب بڑھ گیا رسمِ حیا کے بعد

جورِ بتاں کا تو یہی رہتا ہے سلسلہ
ہوتی ہے ابتدا بھی یہاں انتہا کے بعد

اہلِ ہوس کی بات جہاں میں کہیں نہیں
رہتی بھی ہے ہوا کہیں حرص و ہوا کے بعد

کیف آفریں کرم ہے ترے دستِ ناز کا
بڑھتی ہے اور جرم کی ہمت سزا کے بعد

راحت ہے موت بھی بے زندہ دلانِ عشق
دورِ حیات آئیگا قاتل قضا کے بعد

اس کو مقامِ دیں کہو خوشتر کہ کافری
اپنا بتوں پہ ہے تو بھروسہ خدا کے بعد

آتا چلا ہوں ان کی نگاہِ وقار میں
آتی چلی ہے زیست مری اب شمار میں

شاید نہ اسکو یاد نہیں کلفتِ خزاں
خوشیاں منا رہی ہے جو بلبل بہار میں

آخر وفا کے سامنے شرما گئی جفا
بدلی ہے آج آکے تری جیت ہار میں

ہم چھپ گئے ہیں دیکھئے گردِ ملال سے
آتا نظر نہیں انہیں کچھ اس غبار میں

آئے سکونِ خاطرِ ناشاد کے نہ دن
گزری تمام عمر ترے انتظار میں

آئی نہ وہ چمن میں تو رونق نہ آسکی
اپنے بھی آئے غیر بھی آئے بہار میں

دُنیائے یادوں بھلا انھیں فکرِ نجات کیا
گم ہو گئے ہیں جو ترے نقش و نگار میں

کیا دیکھتے ہو طاقتِ نظارہ ہے کہاں
جلوے تو اہلِ دید ہیں خود انتظار میں

فکرِ نشاط و عیش ہجومِ غمِ حیات
کانٹے بھرے ہیں زندگیٔ مستعار میں

اے باغباں یہ یاد رہے گی تری جفا
تو نے چمن کو ہم سے چھڑایا بہار میں

خوشتر نبی کا خوانِ کرم ہے نہ ہے نصیب
مہمان خانۂ پروردگار میں

گر راہ پہ نظر شوق کے اقدام سے پہلے
تکلیف کا سامان ہے آرام سے پہلے

ناکامی کا ڈر دل میں نہ رکھو کام سے پہلے
انجام کی کیوں فکر ہو انجام سے پہلے

رسوائے جہاں میں ہوں تو تو کب ہے نکو نام
آتا ہے ترا نام مرے نام سے پہلے

ساقی نگہِ ناز سے آغازِ کرم ہو
یہ جام عطا کر مجھے اس جام سے پہلے

راحت کی طلب میں کبھی راحت نہیں ملتی
سو جاتی ہے قسمت مری آرام سے پہلے

مشہور اسی نام سے اب تک ہوں جہاں میں
تھا تم نے پکارا مجھے جس نام سے پہلے

بے موت مرا حیف کہ غرقابِ محبت
بیچارے کا دن ڈوب گیا شام سے پہلے

دینا ہے اسے زہر تو ہاں زہر بھی دینا
کچھ کام تو لے لو دلِ ناکام سے پہلے

صیاد نے کر لی تھی گرہ میں مری قسمت
دام آ گئے تھے پھیلائے ہوئے دام سے پہلے

ڈرتا ہوں کہیں رخ سے وہ پردہ نہ ہٹا دیں
اک حشر نہ ہو حشر کے ہنگام سے پہلے

ہم جاتے ہیں اس در پہ تو اس شان سے خوشتر
سو سجدے کیا کرتے ہیں ہر گام سے پہلے

دل آزاری بہارِ زیست کا ساماں نہیں ہوتی
الٰہی کانٹوں سے ظالم زینتِ داماں نہیں ہوتی

بہارِ گُل کچھ اب وجہِ نشاطِ جاں نہیں ہوتی
گلستاں کی مسرت عیش کا ساماں نہیں ہوتی

شکایت کس کی ہے نیت کا پھل سرمایۂ ہستی
جہاں ہو تنگیٔ دل وسعتِ داماں نہیں ہوتی

مری بربادیوں پہ ہمنشیں مجھ کو ملامت کیوں
خود اپنے ہاتھ میں تو قسمتِ انساں نہیں ہوتی

مجھے کیا دیکھتا ہے چارہ گر چل راہ لے اپنی
یہ دل کی چوٹ ہے جو قابلِ درماں نہیں ہوتی

ہر اک تصویر بن جاتا ہے تیرے سامنے آکر
دمِ نظارہ پھر بھی جنبشِ مژگاں نہیں ہوتی

وہاں بس تیرگی ہی تیرگی رہتی ہے نخوت کی
جہاں قبضے میں دل کے دولتِ ایماں نہیں ہوتی

کبھی یوں بھی ٹھکانے عقل آجاتی ہے اے غافل
مصیبت کیا مصیبت کا کبھی درماں نہیں ہوتی

دلِ ناکام آخر سعیٔ لاحاصل سے کیا حاصل
نہ ہو جب عزمِ صادق زندگی آساں نہیں ہوتی

ہزاروں زندگی میں انقلاب آتے ہی رہتے ہیں
پریشانی سے دنیا آجکل حیراں نہیں ہوتی

شکایت کیا اگر پورے ارادے کچھ نہیں ہوتے
تری مرضی تو خوشتر مرضیٔ یزداں نہیں ہوتی

جو تھا دیوانۂ الفت حسینوں پر جو مائل تھا
مرا دل تھا مرا دل تھا مرا دل تھا مرا دل تھا

محبت ہم نے جب کی ہے بجز غم کچھ نہیں پایا
یہ حاصل تھا یہ حاصل تھا یہ حاصل تھا یہ حاصل تھا

جہاں ڈوبی ہے کشتی جا کے ہم سے نامرادوں کی
وہ ساحل تھا وہ ساحل تھا وہ ساحل تھا وہ ساحل تھا

تمہاری یاد سے ہم جیتے جی کیوں کر جدا ہوتے
یہ مشکل تھا یہ مشکل تھا یہ مشکل تھا یہ مشکل تھا

یہ لو وہ شیخ شیشہ کی پری کی قید میں آیا
جو عامل تھا جو عامل تھا جو عامل تھا جو عامل تھا

مٹا اچھا ہوا یہ نقش ہستی کیوں نہ مٹ جاتا
کہ باطل تھا یہ باطل تھا یہ باطل تھا یہ باطل تھا

خیالِ چشمِ فتانِ ستمگر آخری دم تک
مقابل تھا مقابل تھا مقابل تھا مقابل تھا

جھڑکنا دل کو یوں زیبا نہیں تھا عرضِ مطلب پر
کہ سائل تھا یہ سائل تھا یہ سائل تھا یہ سائل تھا

سمجھ لینا کہ خوشتر جس نے اپنے نقص کو سمجھا
وہ کامل تھا وہ کامل تھا وہ کامل تھا وہ کامل تھا

غزل

کوئی ناکامئ مبہم کی حالت پوچھ لے دل سے
کہ لاکھوں بار جا کر یہ پلٹ آیا ہے منزل سے

کریں کیا ہم بہت مجبور ہیں بیتابئ دل سے
سمجھتے ہیں اٹھائے جائینگے اب انکی محفل سے

اگر لو کام لے اے قیس اپنے جذبِ کامل سے
تو ناقہ کیا نکل آئیگی لیلیٰ دکے محمل سے

جنونِ عشق لیجا کر رہیگا دشتِ وحشت میں
علاجِ وحشتِ دل ہو نہیں سکتا سلاسل سے

الٰہی کب وہ دن پلٹیں گے اب جہاں نصیبوں کے
بہادروں میں جنہیں ہم ڈھونڈ کر لائے تھے مشکل سے

انہیں موجوں سے کشتی ڈوبتی ہی جا کے طوفاں میں
یہی موجیں لگاتی ہیں اسے لیجا کے ساحل سے

یہ کیا ہے کس لئے بھر کر الٹ جاتا ہے پیمانہ
گیا ہے کون پیاسا آج ساقی تیری محفل سے

کہاں کا حشر دیکھو تو ابھی کچھ رنگ لائیں گے
یہ دھبے خون کے پیٹے میں جو دامانِ قاتل سے

کہوں کیا اک نئی سی کیفیت ہر وقت ہوتی ہے
وہ جب آتے ہیں اس دل میں وہ جب جاتے ہیں اس دل سے

تلاشِ صورتِ تسکیں نہ کر اوہامِ ہستی میں
دلِ محزوں بہل سکتا نہیں اس نقشِ باطل سے

حقیقت میں یہ فیضِ حضرتِ ناطق ہے اے خوشتر
کمالِ نظم آیا ہے اسی استادِ کامل سے

خود ہو کے دل ملال اُٹھاتا ہے روز روز
شامت یہ اپنی آپ بلاتا ہے روز روز

اب تو وہ میری خواب میں آتا ہے روز روز
سویا ہوا نصیب جگاتا ہے روز روز

جنّت کا ذکر ہم کو سناتا ہے روز روز
واعظ تو سبز باغ دکھاتا ہے روز روز

دیتا ہے کون برق کو دعوت اسے غضب
کیوں آشیاں چمن میں بناتا ہے روز روز

منظور تاب دید کا تھا امتحاں اُسے
ورنہ نقاب کب وہ اُٹھاتا ہے روز روز

اے دردِ جان لے کے یہ جھگڑا تمام کر
کیوں آکے میرے دلکو ستاتا ہے روز روز

ہر کام اہلِ ذوق شباب حیات سے
یہ دورِ زندگی کہیں آتا ہے روز روز

میں کیا کہوں کہ مجھکو تصوّر میں رات دن
آکر جمالِ یار ستاتا ہے روز روز

کتنی خلش فلک کو میرے آشیاں سے ہے
طوفانِ برق و باد اُٹھاتا ہے روز روز

آؤ سنیں کہ آج ہے خوشتر بھی نغمہ سنج
کب وہ غزل کسی کو سناتا ہے روز روز

نگاہِ باغباں تک ہے نہ کچھ برقِ تپاں تک ہے — یہ سب جھگڑا جو سچ پوچھو تو میرے آشیاں تک ہے

جہاں تک بات ہے اسکی اُسی فکرِ بیاں تک ہے — تری محفل کا چرچا ہے ہماری داستاں تک ہے

ہماری بات اُٹھے اعظمِ مکاں سے لامکاں تک ہے — تری فکر و نظر کی حد فقط باغِ جناں تک ہے

انھیں کے نام سے ہے اگر توقیر سجدوں کی — اُنھیں کے آستاں تک ہے اُنہیں کے آستاں تک ہے

مری خاطر ہے ساری شورشِ ہنگامۂ ہستی — ہجوم یاس و حرماں ایک جانِ ناتواں تک ہے

ہوس کارانِ الفت دیکھ لینا کیا بنا لیں گے — جو شوقِ جستجو ہے ایک سعیِ رائیگاں تک ہے

فنا کیا ہے ہماری اک بقا کی آئینہ داری — نشانِ زندگی اپنا نشانِ بے نشاں تک ہے

ہوئی جاتی ہے دنیا درہم و برہم تو ہونے دو — ہمیں بھی دیکھنا ہے برہمی انکی کہاں تک ہے

بری تقدیر کے چلتے کسی کی کچھ نہیں چلتی — بس اتنا آدمی چلتا ہے بس چلتا جہاں تک ہے

خلوصِ زیست اخلاص و مروت ہیں چراغ ایسے — کہ جنکی روشنی قائم زمیں سے آسماں تک ہے

مری کشتی کو خوش ساحل خوف کیوں ہو بحرِ عصیاں کا
رسائی جب مری محبوبِ ربِ دو جہاں تک ہے

غزل

یارب جہانِ یاس سے میں بھاگتا نہیں
تیرا کرم جو ہو تو مجھے کچھ گلا نہیں

کچھ مجھ کو تجھ سے دوریٔ منزل گلا نہیں
میں راہ و رسمِ شوق سے ناآشنا نہیں

محویتِ خیال کی دنیا میں غرق ہوں
آنکھیں کھُلی ہوئی ہیں مگر سوجھتا نہیں

جبتک جواں ہیں حوصلے دلمیں اُمنگ ہے
اے کاروانِ شوق غمِ رہنما نہیں

بننے کی فکر میں ہوں بگڑ کر بھی مطمئن
یہ سوچتا ہوں کیا کوئی بگڑا بنا نہیں

میں کیا کہوں کہ میری تسلی کے واسطے
دنیائے رنگ و بو میں کوئی مشغلا نہیں

بیٹھا ہوں اک خیال کی دنیا لئے ہوئے
کیا کہئے میرے حُسنِ تصوّر میں کیا نہیں

وہ دور ہیں تو مجھ کو بھی ہے فرصتِ حیات
اُن سے قریب رہ کے تو کچھ سوجھتا نہیں

واقف ہیں میرے حال سے وہ یہ خوشی تو ہے
قسمت کی نارسائی کا مجھکو گلا نہیں

اے دل خوشی سے کاٹ مصیبت کی زندگی
ہمت کا کام شکوۂ جور و جفا نہیں

خوشتر جہاں میں کس سے اُمیدِ وفا کریں
جب اپنی زندگی بھی یہاں باوفا نہیں

توبہ کہاں کی محتسب ابر کا رنگ دیکھ کر — جام و سبو چھلک پڑے پا کے بہار کی خبر

نغمۂ زیست کیا کریں تارِ نفس پہ چھیڑ کر — ٹوٹا ہوا سا ساز ہے سوز میں ہے کہاں اثر

عام ہے اذنِ دید بھی سامنے ہیں وہ جلوہ گر — رنگِ بہار ناز ہے دیکھ جو کام دے نظر

کسکو یقین آئیگا شکوۂ جور کیا کروں — میرا بیان کچھ نہیں اُن کی ہے بات معتبر

میں ہوں نحیف و ناتواں سر پہ ہے بارِ غم گراں — راہ جہاں ہے دُور تر منزلِ عیش دُور تر

فکرِ نشاط میں اگر جیتے رہیں بھی ہم تو کیا — زیست کی یہ مصیبتیں ختم نہ ہوں گی عمر بھر

وقفِ خیالِ یار ہوں، محوِ جمالِ یار ہوں — دل کی خلش سے بے نیاز رنج و الم سے بیخبر

ختم ہوئے وہ پیچ و تاب دل کی کشش ہے کامیاب — عشق کی بارگاہ میں حُسن ہوا ہے جلوہ گر

جنکو یہ راس آگیا ان کو جہانِ شوق میں — کیوں نہ ہو پھر عزیز تر دورِ حیاتِ مختصر

کام ہے اپنے کام سے انکو کسی کی فکر کیا — محوِ جفا و جور ہیں اہلِ وفا سے بے خبر

خوشترِ خوش زباں ہو کیا شانِ حبیب کا بیاں
ایک انھیں کی ذات ہے موجبِ نازشِ بشر

غزل

جب سوالِ زلفِ جاناں سامنے آجائے ہے ہم لپٹتے جائیں ہیں اور دل الجھتا جائے ہے

اپنی از خود رفتگی میں جب یہ کھویا جائے ہے کیا خبر ان کو کہاں محوِ تمنا جائے ہے

بھولا بھٹکا جو چلا جائے ہے مارا جائے ہے اُن کی کوچے میں تو اب اندھیر بڑھتا جائے ہے

دینی آنے لگے ہیں جب تو بندہ جائے ہے یہ تمہارا رنگِ محفل کس سے دیکھا جائے ہے

گھیر کر بیٹھا ہے مجھکو دورِ رنگینِ حیات توڑ کر رشتہ بھلا اب کس سے جایا جائے ہے

غیرت آتی نہیں رندوں کی محفل میں کبھی جو یہاں آئے ہے وہ اپنا ہی سمجھا جائے ہے

خود فریبی بن گیا ہے ساری دنیا کا شعار اب ہر اک دھوکا یہاں دانستہ کھایا جائے ہے

یادِ رنگیں سے تری ہوتی ہے تسکینِ حیات جب خیال آتا ہے تیرا دلکو بہلا جائے ہے

ہائے وہ دردِ جگر، جو یادگارِ دوست تھا ہائے وہ داغِ دروں جو دل سے مٹتا جائے ہے

زد میں ہے برقِ ستم کی یہ ٹھکانا بھی مرا لو قفس بھی آشیاں کیا تھم جلتا جائے ہے

نیند آنیکی ہوتی یا نیند اُڑ جانیکی بات میرا افسانہ کبھی کو جب سنایا جائے ہے

لاکھ بڑھ جائے طلب عمرِ رواں کیسا ساتھ ہے زندگی کا وقت تو ہر لمحہ گھٹتا جائے ہے

ہو گئی رنگیں شوقِ دید خوشتر ہو گئی
اب جدھر اٹھتی ہیں نظریں وہ نظر آجائے ہے

غزل

سُن جنونِ عشق میرا حد سے بڑھتا جائے ہے / دیکھ اے پردہ نشیں اب تیرا پردا جائے ہے

دل ہمارا غیر کی کلفت پہ گھبرا جائے ہے / تم سے کیونکر حالِ بیدانیوں کا دیکھا جائے ہے

جان و دل تن من ہر اک سوئے تماشا جائے ہے / یہ کشش جلووں کی اُن کی جو کہ کھنچتا جائے ہے

ہو خدا حافظ ہماری کشتیِ امید کا / اب تو ہر اک موج سے طوفان اُٹھتا جائے ہے

خود چمکتا ہی نہیں مہرِ دیارِ عشقِ دوست / قسمتِ اہلِ محبت کو بھی چمکا جائے ہے

کیسے پہونچیں گے سلامت منزلِ مقصود تک / ہر قدم پر کاروانِ شوق لُوٹا جائے ہے

خوب قسّامِ ازل ہی تیری قدرت کا نظام / اپنی قسمت کا لکھا ہر اک بشر پا جائے ہے

جمع کر لیں بھی تو کیا حاصل جہاں کی دولتیں / ساتھ اپنے کون سا سامانِ دُنیا جائے ہے

اُس سے اب کیا کہیے کیا سنیے بتا اے ہم نشیں / جو مری ہر بات پر انکار کرتا جائے ہے

رنگ لا کر ہی رہا آخر مرا حالِ تباہ / دیکھ کر میری طرف اب وہ بھی شرما جائے ہے

وہ مروت اور اخلاص و محبت ہیں کہاں / اپنے مسلک سے تو اب انسان ہٹتا جائے ہے

اب مری ہر بات میں باتیں نکلتی ہیں یہاں / اب مرے ہر حرف کا افسانہ بنتا جائے ہے

ناطقؔ و داغؔ آگے بڑھ کر حضرتِ ذوقؔ و نصیرؔ
خوشترؔ اُن کی شاعری سے فیض پاتا جائے ہے

اک حقیقت کی جھلک یوں تو ہر انداز میں ہے
پھر حقیقت جسے کہتے ہیں ابھی راز میں ہے

ساز بازِ اہلِ نظر جلوہ گہہ ناز میں ہے
اک اشارہ ہے جو چشمِ غلط انداز میں ہے

رازداری غمِ الفت کی مصیبت ہے اُسے
اک مری آگ کا شعلہ دلِ ہمراز میں ہے

دُور ہے دُور ابھی حاصلِ دنیائے حیات
فکرِ انجام تجھے منزلِ آغاز میں ہے

چشمِ پُرفن بھی دل آرا ہے لبِ نازک بھی
سحر میں بھی ہے وہی بات جو اعجاز میں ہے

جس نے جی بھر کے تجلّی کو کبھی دیکھا ہو
کوئی ایسا بھی تری جلوہ گہہ ناز میں ہے

دولتِ صبر و توکل میں ہے اعزازِ بشر
کچھ نہ دولت ہی میں رکھا ہے نہ اعزاز میں ہے

دل ہلا دینے کا انداز گیا اے خوشتر
درد پہلا سا کہاں اب تری آواز میں ہے

بتا گم گشتگی یہ کیسی منزل ہے کہاں میں ہوں
کہاں ہے ہوش کی دنیا کہاں دل ہے کہاں میں ہوں

ہوئی آسان راہِ زندگی مشکل پسندی سے
تھی دیکھو کہاں اب میری مشکل ہے کہاں میں ہوں

یہاں گردابِ طوفاں کے سوا رکھا ہوا کیا ہے
کہاں اے کشتیِ اُمید ساحل ہے کہاں میں ہوں

خیالِ تیغِ ابرو کر رہا ہے ذبح فرقت میں
کہاں وہ سنگدل سفاک قاتل ہے کہاں میں ہوں

کہاں سے آ رہا ہے یہ اُجالا خانۂ دل میں
خداوندا کہاں وہ ماہ کامل ہے کہاں میں ہوں

کہاں لایا گیا ہوں یہ مقامِ زندگی کیا ہے
کہاں کی بے کلی میں جانِ بسمل ہے کہاں میں ہوں

علاجِ بادیہ پیما خیالی چارہ گر کیا ہے
کہاں اے بے خبر قیدِ سلاسل ہے کہاں میں ہوں

جُدا خوشتر ہو کیا نغمہ سرائی ہمصفیروں سے
کہوں کس سے کہاں بزمِ عنادل ہے کہاں میں ہوں

بنا لیتے تھے ہم بےخوف ہوکر آشیاں پہلے
کبھی ایسا بھی تھا ہمدم نظامِ گلستاں پہلے

چمن میں دیکھتے آماجگاہِ برق ہے اب تک
وہی شاخِ شجر تھا جس پہ میرا آشیاں پہلے

ہوا پر بات اڑ جاتی دبی تھی وہ دن بھی تھے اپنے
زمانہ غور سے سنتا تھا اپنی داستاں پہلے

وہیں پھر لے چلا ہے مجھکو میرا ذوقِ رسوائی
گئیں جس بزم میں مجھ سے مری رسوائیاں پہلے

تمہیں منظور اگر اپنا غمِ جاوید دینا تھا
تو کرنا تھا عطا مجھکو حیاتِ جاوداں پہلے

سمجھتا ہے ہمیں اب کیا زمانہ یہ نہیں سمجھے
خبر ہے یہ کہ ہم تھے رونقِ بزمِ جہاں پہلے

زمانے کی روش جو آج ہے وہ کل نہیں ہوگی
مصیبت کے حوادث لنہ میں یہی ان تھی کہاں پہلے

ہزاروں انقلاب آئے گئے آزمائے جاتے ہیں
وہی اب بھی جو ہو خوشتر یہ دنیا تھی جہاں پہلے

غزل

پسِ مردن بھی ہم دشتِ جنوں کو یاد آتے ہیں
کہیں مشکل سے ایسے خانماں برباد آتے ہیں

تمہاری صورتِ دلکش کا نقشہ کس سے آئیگا
یہاں تصویر بنکر مانی و بہزاد آتے ہیں

وہ جب سنتے ہیں میرا حالِ غم کہتے ہیں یوں ہنسکر
یہ جب آتے ہیں لیکر اِک نئی روداد آتے ہیں

کہوں کیا حضرتِ ناصح کی باتیں اَی معاذ اللہ
وہ جب آتے ہیں لیکر نشترِ فصّاد آتے ہیں

ہمیشہ یاد کرکے ہمکو اُن کی یاد آتی ہے
وہ یاد آئے ہی جاتے ہیں برابر یاد آتے ہیں

امیر و داغ سے خوش تر سخن کی داد ملتی ہے
ہماری بزم میں اہلِ عدم آباد آتے ہیں

دنیا نے ہمیں چھوڑا بھی نہیں، جاگیر بھی اپنی ہو نہ سکی
زنجیر کی پابندی بھی رہی زنجیر بھی اپنی ہو نہ سکی

اچھے تھے بُرے تھے، جو کچھ تھے ہم تھے ہی تمہارے جس حال میں تھے
تخریب بھی اپنی ہو نہ سکی، تعمیر بھی اپنی ہو نہ سکی

تھا اہلِ وفا کا نام کہاں اربابِ ہوس کی دنیا میں
مشہور تو ہونا مشکل تھا تشہیر بھی اپنی ہو نہ سکی

اس بزمِ جہاں میں آ جا کر ہم گوشہ نشیں اچھے ہی رہے
توقیر بھی اپنی ہو نہ سکی تحقیر بھی اپنی ہو نہ سکی

نکلا نہ دعا سے بھی مطلب افسوں بھی نہ آیا کام وہاں
تحریر بھی اپنی ہو نہ سکی تقریر بھی اپنی ہو نہ سکی

اک چشمِ کرم اک خوابِ وفا تعبیرِ مسرت تھی جس کی
وہ خواب بھی اپنا ہو نہ سکا تعبیر بھی اپنی ہو نہ سکی

واعظ کی باتوں میں آ کر اللہ کہاں سے آ جاتا
کچھ اپنے گھر کی دعا بھی تھی تاثیر بھی اپنی ہو نہ سکی

خوشتر نہ رکھا مطلب ہم نے دنیا کے اندھیرے اجالے سے
سایہ بھی اپنا ہو نہ سکا تنویر بھی اپنی ہو نہ سکی

غزل

نظامِ ہر دو عالم انتظامِ وسعتِ دل ہے
یہ جو کچھ ہے وہی سب کچھ ہے سب کچھ اس میں شامل ہے

مجھے آتا ہے ہر مشکل کو آسانی بنا لینا
مجھے مشکل نہیں مشکل بڑی مشکل یہ مشکل ہے

تلاشِ منزلِ مقصود ہے اک شغلِ بیکاری
بہت کچھ ہم کو اپنی سعیٔ لاحاصل سے حاصل ہے

مقامِ عافیت ملتا ہے کب برگشتہ قسمت کو
ہم آ پہونچے تو یوں سمجھو بلا منزل پہ نازل ہے

بچا لے جائے تو کشتی کو موجوں کے تھپیڑوں سے
ابھی تو دور ہی عافیتِ ساحل سے ساحل ہے

ترے پس ماندگانِ راہ بھی ہیں رہبرِ عالم
یہاں تو جو کوئی ناقص بھی ہے کامل سے کامل ہے

ہجومِ حسرت و ارماں سے گھر خالی نہیں رہتا
جہاں ہم ہیں وہاں ہر وقت اک محفل کی محفل ہے

جہاں خود دار بنتا ہے وہاں خود دار بنتا ہے
یہی تو حال خوشتر ہے جہاں سائل ہی سائل ہے

مجھ کو خبر ہے کون سے ذرّے کہاں کے ہیں
نقشے مری نگاہ میں دونوں جہاں کے ہیں

دیر و حرم میں دیکھ تو جلوے کہاں کے ہیں
دو حصے ہیں مگر یہ انھیں کے مکاں کے ہیں

دل پر اثر کرے جو وہی کام کی ہے بات
یوں تو ہزار رنگ ہمارے بیاں کے ہیں

ابتک تو برق کے لئے ہے دعوتِ نظر
تنکے قفس میں چند مرے آشیاں کے ہیں

اغیار اور یار اُنھیں، بزمِ ناز میں
ایسی کہاں ہے بات وہ ایسے کہاں کے ہیں

کیونکر جھکے گی غیر کے در پر مری جبیں
سجدے جب نصیب ترے آستاں کے ہیں

لے دے کے صحنِ باغ میں میرے لئے تو اب
گلچیں کے ظلم اور ستم باغباں کے ہیں

خوشتر یہ حادثات سے دوچار ہے مگر
پھر بھی تو حوصلے وہی اُردو زباں کے ہیں

ای عمرِ دو روزہ جیتے جی جینے کا سہارا ہو نہ سکا
کیا کہیے اب کیونکر گذری دو دن بھی گذارا ہو نہ سکا

یوں بحرِ محبت میں بیڑا اربابِ ہوس کا غرق ہوا
طوفاں کی طرف ہمت نہ بڑھی ساحل سے کنارا ہو نہ سکا

جو چیز گئی اور پھر نہ ملی وہ چیز ہماری کیونکر تھی
وہ کام ہمارا تھا ہی نہیں جو کام ہمارا ہو نہ سکا

ہم جان پہ کھیلے بیٹھے تھے ہونیکو تو سب کچھ ہو جاتا
یہ کیسی شوخ نگاہی تھی کیوں تم سے اشارا ہو نہ سکا

کیا جا کر عرضِ کرم کرتے احسان تو پھر احسان ہی تھا
منظور بھی وہ تو کر لیتے خود ہمکو گوارا ہو نہ سکا

کچھ ان کی چشمِ کرم نہ ہوئی کچھ عمر نے کی نہ وفا دل سے
کچھ ہونے کے تو لائق تھا قسمت کا مارا ہو نہ سکا

بکھرے ہوئے تھے جلوے بھی بہت اور ذوقِ نظر بھی سب کچھ تھا
اس بات کو خوشتر کیا کہیے کیا تھا کہ نظارا ہو نہ سکا

غزل

نہ وہ مسرت گناہ میں ہے، نہ وہ کشش اب ثواب میں ہے
خراب سامانِ زندگی سب جہاں کی بزمِ خراب میں ہے

حسین بیشک ہے بزمِ انجم قمر بھی ہاں کچھ حساب میں ہے
مگر یہاں تو ہی تو ہے یکتا سوال تیرے جواب میں ہے

یہاں ہے بیکار اسکی حسرت، یہاں کی وہ چیز ہی نہیں ہے
کرے وہ راحت کی جستجو کیوں جو اس جہانِ خراب میں ہے

بڑی ہے بیباک جب سے اسکو پلا دیا ایک جامِ مستی
بلا کی مستی بھری ہوئی اس نگاہِ مستِ شباب میں ہے

بدل گئی ہے نگاہِ ساقی تو رنگِ محفل بدل گیا ہے
نہ اب وہ پہلی سی میکشی ہے نہ وہ مزا اب شراب میں ہے

سُنا تھا ہم نے کہ حشر میں وہ دکھانے والے ہیں اپنا جلوہ
مگر جو دیکھا تو آج بھی وہ جمالِ رنگیں نقاب میں ہے

دکھا رہا ہے اچھل اچھل کر یہ سب کو جوشِ نمودِ غافل
کہ گویا دریائے بیکراں اک نہاں جہانِ حباب میں ہے

کہاں وہ نغموں میں سوزِ مطرب کہاں وہ عیش و طرب کی دنیا
کہاں وہ پہلا سا کیف باقی صدائے چنگ و رباب میں ہے

قفس میں جس دن سے آئے ہیں ہم نہ وہ بہاریں نہ وہ عالم
ہوا ہے یہ انقلاب جب سے، جہان خود انقلاب میں ہے

ہزاروں رنگینیاں بھی دیکھیں ہزار جلوے بھی ہم نے دیکھے
مگر جو پھر غور کر کے دیکھا، تو حسنِ مطلق حجاب میں ہے

جہاں کے سب رنج و غم مٹا دے مری مقدر کو پھر جگا دے
الٰہی خوشتر کی التجا یہ مدام تیری جناب میں ہے

نہیں وحشی نہ اس وحشت کا ساماں دیکھنے والے
عبث شاداں نہ ہوں مجھکو پریشاں دیکھنے والے

سُنیں کہتے ہیں کیا اُن کا گریباں دیکھنے والے
ذرا اپنی خبر لیں میرا داماں دیکھنے والے

کہاں ہیں اب مذاقِ بزمِ امکاں دیکھنے والے
نہیں ملتے ہیں انساں کو انساں دیکھنے والے

بہارِ فصلِ گل کا دورِ رفتہ پوچھئے ان سے
جو ہیں پہلے کے اندازِ گلستاں دیکھنے والے

جہاں کی تلخیوں میں راحتیں بھی ہیں مزا بھی ہے
یہی سب کچھ ہیں دردِ غم کا درماں دیکھنے والے

چلا ہے ہر کوئی چادر سے باہر پاؤں پھیلانے
نہیں دنیا میں اب اندازِ داماں دیکھنے والے

کسوٹی پر جسے جانچا ہے اپنی اہلِ دنیا نے
کہاں ہیں وہ در و دیوارِ زنداں دیکھنے والے

کسی نے بھی مقدّر کا لکھا ٹلتا نہیں دیکھا
سمجھتے ہیں یہ بربادی کا ساماں دیکھنے والے

جہاں میں منتشر جلوے ہیں ہر سو دشتِ ایمن کے
مگر اب ہیں کہاں دیدارِ جاناں دیکھنے والے

جنونِ خود پسندی نے کیا ہے بدحواس اتنا
کہ ہیں فرعونِ بے ساماں سلماں دیکھنے والے

یہ آبادی ہے خود دیکھو تو اک سامانِ بربادی
ہزاروں آج ہیں دنیا کو ویراں دیکھنے والے

نہیں ڈرتے کبھی جورِ فلک کی چیرہ دستی سے
زمیں کو رات دن محشر بداماں دیکھنے والے

یہ ہے اہلِ جہاں آئینۂ قدرت کا نظارا
کہ خود حیران ہیں اب مجھ کو حیراں دیکھنے والے

حباب و موج کی سی زندگی ہے بحرِ ہستی کی
ابھی دیکھیں گے ساحل پر بھی طوفاں دیکھنے والے

ہمارے دم سے ہے دورِ سرودِ میکشی خوشتر
ہمیں دیکھیں بہارِ بزمِ رنداں دیکھنے والے

جو میری حالت پہ ہنس رہے ہیں مجھے کچھ اُن سے گلہ نہیں ہے
وہ نا سمجھ ہیں سمجھ رہے ہیں کہ جیسے میرا خدا نہیں ہے

خلوص ادھر بھی ہو اور اُدھر بھی تو دل سے پھر دل جدا نہیں ہے
میں ان کو چاہوں وہ مجھ سے روٹھیں کبھی تو ایسا ہوا نہیں ہے

جھکائیے دل کو سر سے پہلے کہ لطف حاصل ہو زندگی کا
نہ ہو اگر عجز بندگی میں تو بندگی کا مزا نہیں ہے

بُرائیاں ہی بُرائیاں ہیں بُرائیوں کا جہاں ہے سارا
بُروں سے دامن بچائیں کیونکر بُروں کے دامن میں کیا نہیں ہے

یہ میں نے مانا کہ زندگی میں حوادثاتِ جہاں بھی کچھ ہیں
مگر ہے مجھ پر کرم بھی ان کا نصیب میرا بُرا نہیں ہے

نظامِ دنیا بدل ہی دے گی اِسے سمجھ ندائے غیبی
صدائے تکبیر جو ہماری ہے یہ ہماری صدا نہیں ہے

گل و شجر پہ ہے مُردنی سی فضا پہ چھایا ہوا ہے ماتم
یہ تجھکو کیا ہوگیا ہے بلبل جو آج نغمہ سرا نہیں ہے

پتہ ہی ملتا نہیں کچھ اس کا ہیں تو بازارِ زندگی میں
تو کیا جہانِ خراب میں اب کہیں بھی جنسِ وفا نہیں ہے

جہاں سے ہے رابطہ رہا تک جہاں ہمارا جہاں کے ہم ہیں
یہ کیسے کہہ دیں کہ زندگی میں کسی سے کچھ واسطہ نہیں ہے

ہجومِ عصیاں سے کچھ نہیں ڈر سمجھ چکا ہوں بروزِ محشر
ہے اسکی رحمت کا سایہ سر پر تو کیوں کہوں آسرا نہیں ہے

جو آ ہی بیٹھا ہے آج خوشتر تو ہو کے جائیگا خوش سے خوشتر
تمہارے در سے اُٹھے یہ کیونکر ابھی تو دامن بھرا نہیں ہے

مری بندگی نے زمین کو بھی مقامِ ناز بنا دیا
بتبسمِ قلب کبھی جو میں نے سرِ نیاز جھکا دیا

یہ جو میں نے لی ہے بلائے غم یہ جو دلکو درسِ وفا دیا
یہ سمجھ رہا ہوں کہ کام آئے گا ایک دن یہ لیا دیا

نہ نگاہِ لطف و کرم ہوئی نہ کبھی وفا کا صلا دیا
مجھے بزمِ شوق سے بیوفا تری بیرخی نے اٹھا دیا

مجھے غم کا غم نہ رہا کبھی مجھے درد نے بھی مزا دیا
مری کلفتوں نے وجود میں مجھے کامیاب بنا دیا

یہ کشش بھی جذبۂ شوق کی یہ کرم تھا شانِ نیاز کا
کہ جو میں نے خواہشِ دید کی تو انھوں نے جلوہ دکھا دیا

یہ بہارِ عیش، غمِ خزاں، ہیں اسی کی بندہ نوازیاں
کبھی اُس نے رنج و الم دیئے کبھی شادماں بھی بنا دیا

غمِ عاشقی نے نواز کر مجھے کائناتِ حیات دی
مجھے یہ دیا مجھے وہ دیا مجھے دے کے اُسنے بنا دیا

نہ اُمیدِ لطف و کرم رہی نہ جفا و جور کا غم رہا
مری زندگی نے سکون کا مجھے راستہ یہ دکھا دیا

وہ جو انقلاب تھے رات دن وہ جو حادثوں پہ تھے حادثے
مرے بختِ خفتہ کو دیکھئے انہیں ٹھوکروں نے جگا دیا

مری اس طرح سے گذر رہی ہے امیدیوں کی زندگی
کبھی اک چراغ جلا دیا کبھی اک چراغ بجھا دیا

مجھے بندگی کا شعور تھا اسے کیا کہوں کہ غرور تھا
وہ جو راز ناز و نیاز کا سرِ دار میں نے بتا دیا

جو کبھی رباب اٹھا لیا وہی لذّت کی چھیڑ دی
جسے سن کے چونک اٹھے تھے وہ وہی نغمہ میں نے سنا دیا

وہ جو کام ہونا تھا ہو گیا رہی اب ضرورتِ برق کیا
مرے سوزِ آہ نے خود ہی کل مری آشیاں کو جلا دیا

نہ کرم کہیں نہ عتاب کچھ یہ نگاہِ ناز کے کھیل ہیں
جسے اس نے چاہا بڑھا دیا جسے اس نے چاہا گرا دیا

وہ تو مستعار تھی زندگی مجھے دی بھی دی تھی تو لے بھی لی
جو لیا تو کیا کہوں کیا لیا جو دیا بھی اس نے تو کیا دیا

یہ زبانِ خوشترِ ناتواں کرے کیوں نہ شکر ترا بیاں
یہ کرم نہیں ہے ترا اور کیا جو طلب سے تو نے سوا دیا

مصیبت کا شکوہ نہ لائے زباں پر دلِ زار چپ چاپ دم کر دن گزارے
چھری کے تلے ہے گلا یاد رکھے اگر خیر چاہے تو اب دم نہ مارے

چلن میں یہ چالیں یہ باتوں میں گھاتیں عجب ڈھنگ ہوتے چلے ہیں تمہارے
یہی تو ہیں بس دل کے پھٹنے کی باتیں انہی سے کلیجے پہ چلتے ہیں آرے

ٹرے جائے ہمت سے بیکار ہستی یہاں مرتے مرتے بھی دو ہاتھ مارے
نصیب بھی لڑتا ہے لڑتے ہی لڑتے جو انسان ہارے تو ہمت نہ ہارے

یہ کیا وصل ہی وعدہ کی رسم الفت یہ آنکھوں ہی آنکھوں میں کیسے اشارے
مرے گھر میں اب کون ہے آنے والا اُتر آئیں کیا دیکھتے ہیں ستارے

محبت کی بازی لگائی تھی جاکر وفا و جفا کی رہیں اُن سے چالیں
جوا کھیلنا تھا جوا کھیل آئے نہ پوچھو یہ اب ہم سے جیتے کہ ہارے

چلن مہوشوں کا چلا ہے چلے گا یہ بن ٹھن کے رہنا یہ تن تن کے چلنا
کہیں کیا یہ کہنے کی باتیں نہیں ہیں کریں کیا جو ان کو جوانی ابھارے

یہ دنیا نہیں راست بازی کی دنیا حساب اسکے جھوٹے شمار اسمیں کھوٹے
وہاں تین دو پانچ ہوں گے کہاں سے جہاں چھکے پنجے میں ہوں والے پیارے

یہ دن رات کھیلی تھی ہاتھوں میں جن کے مروت نہ کی ان سے بھی کچھ قضا نے
بچائی بہت جان اہل جفا نے مگر آ گئی ان کی باری بھی بارے

پڑی ہے ابھی کون سی ان کو جلدی چلو جان کو رو تو آئیں بڑوں کی
اٹھا رکھو کسی روز فرصت سے ہوں گے یہ آپس کے جھگڑے ہمارے تمہارے

یہ ظالم شب غم کا اندھیر دیکھو کہ آئی تو آیا نظر کچھ نہ ہم کو
یہ سمجھے تھے خالی سے بیگار ابھی یہ سوچے تھے گنتے رہیں گے ستارے

نہ سمجھے تھے اپنی مصیبت بنے گی کبھی جا کے زیب شب تار ہستی
ہمیں کیا خبر تھی کہ جگنو بنیں گے وہ بے سود آہوں کے بے سود شرارے

وہ آ کر مقدر سنواریں گے میرا سنور جائے جلدی ذرا بزم انجم
اسی کے سنورنے کی ہے دیر باقی کہو لیلیٰ شب سے گیسو سنوارے

اگر زندگی میں نہ تھا کوئی اپنا تو اپنے پرائے کی پروا کسے تھی
یہاں زندگی کا ہمیں ہوش کب تھا رہی بیکسی بیخودی کے سہارے

پئے سیر عشرت رواں سے لگی تھی گئے تھے لگا آئے دنیا کا چکر
گزاری وہاں زندگی ایسی خوشتر کہ جیسے کوئی رہگذر میں گزارے

تھکا سا کس لئے محفل میں دورِ جام ہے ساقی
تو کیا یہ بھی رہینِ گردشِ ایّام ہے ساقی

شکستہ دل ہے رندی، میکشی ناکام ہے ساقی
ترے ہوتے ہوئے کیوں میکدہ بدنام ہے ساقی

سُبو ٹوٹا فسردہ بزم، خالی جام ہے ساقی
تری اک بیدلی کا دیکھ یہ انجام ہے ساقی

رواجِ بیخودی ہی بیخودی کیوں عام ہے ساقی
کسی کو ہوش میں لانا بھی تیرا کام ہے ساقی

ہماری شانِ مستی ہے خیالِ چشمِ میگوں سے
سُرورِ مے کشی اک مرغِ زیرِ دام ہے ساقی

بہار آتی ہے رعنائی کا لینے کو سبق ہم سے
چمن کے پتے پتے پر ہمارا نام ہے ساقی

مجھے ہے واسطہ بزمِ شرابِ مرد افگن سے
مےِ عرفاں کا میرے ہاتھ میں اب جام ہے ساقی

یہ تری مست نظروں کی فسوں کاری ہے محفل میں
سرورِ جامِ مے کا تو فقط اک نام ہے ساقی

میسر ہیں کہاں دنیا کو رندِ بادہ کش ایسے
مری تکریم سے باقی ترا اکرام ہے ساقی

ندامت سی ہوئی آکر ہمیں تو رنگِ محفل سے
سنا تھا میکدے میں آج اذنِ عام ہے ساقی

بہک جانے بھی والے ہیں کہیں دو گھونٹ ئے پی کر
ہمارے ظرف پر یہ تو غلط الزام ہے ساقی

ہمارے نام کا رکھا ہے خالی جام محفل میں
جنونِ مے کشی کا کیا یہی انعام ہے ساقی

مدارِ عافیت ہے میکشوں کی پختہ مغزی پر
خیالِ واعظِ ناداں خیالِ خام ہے ساقی

خوشی کی بات ہے بزمِ طرب میں سرخوشی تیری
بہت خوش تجھ سے ہر اک رندِ مے آشام ہے ساقی

کہاں فرصت ہے خوشتر کو جو آئے سوئے میخانہ
کہ اسکی زندگی وقفِ غم و آلام ہے ساقی

مری زندگی کا یہ حال تھا یہی شکلِ راہ رَوی رہی
کہ نہ غم کا غم ہی رہا کبھی نہ خوشی کی مجھکو خوشی رہی

نہ وہ پردہ دار ہے راز میں نہ کسی کی پردہ دری رہی
جو پڑے تھے پردے سب اُٹھ گئے مگر اب بھی جلوہ گری رہی

شبِ ہجر گذری ہے کسطرح تمھیں کیا سناؤں یہ ماجرا
میں اجل کے سایہ میں تھا کھڑا مری سر پہ موت کھڑی رہی

تری یاد میں بتِ حیلہ جو، یونہی گذرے شام و سحر مرے
کبھی دن میں آہ سے کام تھا کبھی شب میں نوحہ گری رہی

نہ کسی کے دشمنِ جاں ہوئے نہ کسی کو دشمنِ جاں کیا
یہی بات تھی کہ جو غیر سے بھی ہمیشہ اپنی بنی رہی

مری حسرتیں، مرے حوصلے، سب ہی جل کے خاک میں مل گئے
یہ کسی کی دی ہوئی آگ تھی جو لگی تو دل میں لگی رہی

وہ گھٹا کا زور کہاں گیا، شبِ ماہ کیا ہوئی ساقیا
کہ نہ لطفِ بزم سرور ہے نہ بہارِ بادہ کشی رہی

یہ نوازشیں تری باغباں کہ کہیں کا میں نہیں رہ گیا
نہ وہ رنجِ دورِ خزاں رہا نہ وہ فصلِ گل کی خوشی رہی

مری بے کسی سے جہان میں نہ ہوا ابھی کچھ تو بہت ہوا
وہی بے بسی تو رہی مگر تری یاد دل میں بسی رہی

یہ سوال کیوں یہ خیال کیا، ہے وفا تو اس کا مآل کیا
یہی ذکر وردِ زباں رہا، یہی فکر دل کو لگی رہی

نہ مجھی کو اپنا پتہ ملا، نہ تجھی کو ڈھونڈھ کے پا سکا
نہ مری خبر، نہ تری خبر، عجب ایک بے خبری رہی

بہ مقام شکر ہے بے گماں رہا خوش ہی خوشترؔ خوش بیاں
نہ عطا و جود میں تھی کسر نہ کرم کی اُس کے کمی رہی

جب چشمِ بصیرت سے ہم نے وہ جلوۂ یکتا دیکھ لیا
آئینۂ حیرت خود بن کر ہستی کا تماشا دیکھ لیا

جب اپنی حقیقت کو سمجھے جب حال خود اپنا دیکھ لیا
تو حسنِ حقیقت کو ہم نے ہر حال میں گویا دیکھ لیا

غیروں پہ بھروسہ کر دیکھا اپنوں کا بھروسہ دیکھ لیا
دنیا یہ پھر آخر دنیا تھی دنیا سے ملا کیا دیکھ لیا

ہر سمت ہجومِ جلوہ تھا کیا دیکھ سکے کیا دیکھ لیا
افسونِ تماشا کیسا تھا کیا اہلِ تماشا دیکھ لیا

رکھی ہی رہی سب چارہ گری مرنا تھا جنہیں وہ مر ہی گئے
کچھ بن نہ سکا کچھ کر نہ سکے عیسیٰ کا مداوا دیکھ لیا

خود بڑھ کے گناہوں کی کشتی ساحل سے لگا دی رحمت نے
خود بحرِ کرم اب آب ہوا عاصی کو جو رسوا دیکھ لیا

انساں کا دشمن تھا انساں حیوان بھی تھے انسانوں میں
انسانیت ایسی بھی دیکھی اک یہ بھی نظارا دیکھ لیا

تھے اپنے مطلب کے اپنے دنیا تھی اور اپنا مطلب تھا
تھی اپنی غرض سے سب کو غرض ہنسے تو زمانہ دیکھ لیا

بدلے ہوئے انساں بھی دیکھے بدلی ہوئی دنیا بھی دیکھی
اس عالمِ فانی میں ہم نے ہر شے کا تماشا دیکھ لیا

یہ پست خیالی کیسی ہے، دنیا کی بلندی میں کیا ہے
اس رفعتِ ہستی کو دیکھا تو سمجھو کہ نیچا دیکھ لیا

کوئی نہ جہاں میں کام آیا جب ہم پر وقت پڑا آکر
ہر اک کا سہارا کر دیکھا اک اک کو پکارا دیکھ لیا

تم جاؤ گے جانا ہے تمھیں جاتے ہو نہیں سنتے میری
آؤ جی رخصت تو ہو لو، جاؤ جی اچھا دیکھ لیا

عرفانِ حقیقت کو پاکر ہر شکل مجازِ ہستی سے
آئینۂ قدرت میں خوشتر وہ نورِ صفا دیکھ لیا

نگاہِ شوخ سے جب شوق کا پیغام آتا ہے
ہمیں اُس دم خیالِ گردشِ ایام آتا ہے

وہی اک وقت ہوتا ہے جو اپنے کام آتا ہے
کبھی برسوں میں جب دورِ بہارِ جام آتا ہے

کہاں آرام رکھا ہے کہاں آرام آتا ہے
گذر جاتی ہے صبحِ غم تو وقتِ شام آتا ہے

خلوصِ دل کی اپنے قدر ہو جس بزم میں ہمدم
وہیں جاکر اصولِ زندگی بھی کام آتا ہے

مذاقِ زندگی کیا خاک بدلیں ایسی محفل کا
جہاں ہر روز ہم پر اک نیا الزام آتا ہے

مری ناکامیِ قسمت تماشا کر دکھاتی ہے
لبوں تک جب کبھی میری خوشی کا جام آتا ہے

اُسی کو ہم سمجھ لیتے ہیں اپنا ساد گی دیکھو
جو اپنے ساتھ راہِ شوق میں دو گام آتا ہے

مرے ظلمت کدے میں تیرگی بڑھتی ہے جب حد سے
مرا داغِ جگر بن کر چراغِ شام آتا ہے

غنیمت ہے جو اُس نے یاد فرمایا ہے چل اے دل
کہیں اُسکی طرف سے روز یوں پیغام آتا ہے

مری مے نوشیاں پیرِ مغاں کے دم سے قائم ہیں
کرم ہوتا ہے جب اُسکا تو مجھ تک جام آتا ہے

جسے ہے کام عشرت سے وہ قیدِ غم کو کیا جانے
سمجھتا ہے وہ قیدِ غم جو زیرِ دام آتا ہے

اُسی کی زندگی ہے زندگی دنیا میں اے خوشتر
وہی انساں ہے انساں جو سب کے کام آتا ہے

مری خاطر ہوا کرتے ہیں آلامِ جہاں پیدا
نئی روز اک مصیبت کر رہا ہے آسماں پیدا

سخن میں کیجیے کوئی نیا رنگِ بیاں پیدا
تو آپ ہی آپ ہو جائینگے لاکھوں قدرداں پیدا

اسیری میں ہوا ہے جب خیالِ آشیاں پیدا
ہوئیں میرے قفس کی تیلیوں سے بجلیاں پیدا

ارے بیکار ہے اوروں پہ طعنِ غیریت تیرا
خود اپنی ہی روش کرتی ہے لاکھوں بدگماں پیدا

وہ آجائیں تو میرے گھر بہارِ زندگی آئے
کہ اُن کی اک نظر سے ہو گئے ہیں گلستاں پیدا

ندئے حق کو پابندِ حرم ہونے سے کیا مطلب
ہر اک ہنگامۂ ہستی سے ہو شورِ اذاں پیدا

مری ہستی وہ ہستی ہے کہ دنیا جس میں بستی ہے
میں وہ فتنہ ہوں جس قدری سے ہوتی ہیں جہاں پیدا

لیا کرتے ہیں اکثر کام یہ شیریں زبانی سے
کبھی ہوتی نہیں اہلِ خرد سے تلخیاں پیدا

چمن ہو ہم ہوں یارب اور نشیمن شاخِ گل پر ہو
تری قدرت سے ہو جائے بہارِ جاوداں پیدا

جبینِ شوق کو زحمت نہیں باقی تجسس کی
مرے سجدوں نے خود ہی کر لیا ہے آستاں پیدا

وہیں پر پھولتی پھلتی رہے گی دیکھنا پیہم
ہوئی تھی جس جگہ اے دوست وارِ دو زباں پیدا

مئے باطل کے ہنگامے نظامِ زندگی بدلا
ہوئے جس روز سے خوشتر شہِ کون و مکاں پیدا

فریبِ شوق دیکر زندگی بہلائی جاتی ہے
نہایت خوشنما کانٹوں میں یہ الجھائی جاتی ہے

کہاں جاؤں کہیں کھوئی ہوئی بات آئی جاتی ہے
جہاں جاتا ہوں میں پہلے مری رسوائی جاتی ہے

محبت کون کرتا ہے کہاں یہ پائی جاتی ہے
تماشا ہو رہا ہے زندگی بہلائی جاتی ہے

سمجھتا ہوں کہ میری بیکسی وجہ مصیبت ہے
ہمیشہ سے مصیبت بیکس پہ ڈھائی جاتی ہے

نکلتے ہیں جو گلہائے سخن باغِ سخنور سے
انھیں پھولوں سے یہ بزمِ سخن مہکائی جاتی ہے

نتیجہ کیا خبر غم دوستوں کی آمد و شد سے
سب آ جائیں تو کیا ہے کیا مری تنہائی جاتی ہے

تمہارے وعدۂ رنگیں کی قیمت جانتا ہوں میں
تسلّی سے کہیں دل کو تسلّی آ ئی جاتی ہے

وہ جس دم سامنے ہوتے ہیں کچھ بولا نہیں جاتا
وہ آتے ہیں تو میری طاقتِ گویائی جاتی ہے

خدا لے چل اُسی محفل میں شوقِ جستجو مجھ کو
جہاں ہر بات اپنے رنگ میں سمجھائی جاتی ہے

یہاں ایمان ہے اے شیخ پابندِ وفا ہونا
صنم آرا کے دل سے کب صنم آرائی جاتی ہے

نہ ہو مایوس ابھی پھر دن پھرینگے بادہ نوشوں کے
وہی برسات کی رُت دیکھنا پھر آئی جاتی ہے

جنھیں خوشتر خدا کا خوف ہر دنیائے فانی میں
انھیں کی بات اہلِ عاقبت میں پائی جاتی ہے

کہاں ہے شانِ کریمی حساب ہوتا ہے
گناہ گار تواب لاجواب ہوتا ہے

تری جناب میں جو باریاب ہوتا ہے
سکوں نصیب اُسے بےحساب ہوتا ہے

کبھی خلشِ ہے کبھی اضطراب ہوتا ہے
یہ دل کا آنا بھی جی کا عذاب ہوتا ہے

جو پوچھ لیتا ہے اربابِ فہم کا بھی مزاج
کتابِ زیست میں ایسا بھی باب ہوتا ہے

یہ ہم سے پوچھ اِسے جو پائے عیش کیا جانے
جہاں میں غم بھی خوشی کا جواب ہوتا ہے

دیارِ حسن میں چشمِ کرم کہیں جسکو
خیال و خواب کی دنیا کا خواب ہوتا ہے

بتوا خدا تو خود آتا ہے یادِ شامِ فراق
کبھی جو حد سے سوا اضطراب ہوتا ہے

شعاعِ مہر سے جس کو لگی ہوئی ہو لگن
مرے لئے تو وہی آفتاب ہوتا ہے

مرے مذاق کی دنیا مجھے نہیں ملتی
مرا اصول کہاں کامیاب ہوتا ہے

جنھیں ہو تابِ نظر ہر دیدہ آجائیں
ہجومِ حشر ہے وہ بے نقاب ہوتا ہے

اُسی پہ اہلِ نظر کی بھی آنکھ پڑتی ہے
تری نگاہ میں جو انتخاب ہوتا ہے

لُٹے ہے جو زیست میں محوِ ملالِ ناکامی
وہ نامراد کہیں کامیاب ہوتا ہے

ہر اک گناہ پہ رحمت ہے موجزن اسکی
وہاں کرم ہی گنہ کا جواب ہوتا ہے

گھمنڈ کس لئے اسیر کرے کوئی خوشتر
یہ دَورِ زیست برنگ حباب ہوتا ہے

بھلا بن سب سے اچھا رہ بُرے ایام آنے تک
منالے خیریت دَورِ غم و آلام آنے تک

نہ آئے بزمِ راحت میں ہم اذنِ عام آنے تک
گذاری نامہ و پیغام میں پیغام آنے تک

یہاں تو مردِ نیک انجام بن انجام آنے تک
کسی کے کام آ دنیا میں اپنا کام آنے تک

کرم ان کی اداؤں کا ہے میرے دل کی بربادی
مگر پھر خیریت ہے اُن پہ یہ الزام آنے تک

شبِ غم کٹ گئی لیکن وہی اندھیر باقی ہے
بلائیں اور کیا کیا آئیں دیکھو شام آنے تک

کہاں رہ جائے تھک کر رہ نوردِ غم خدا جانے
ہزاروں منزلیں ہیں، منزلِ آرام آنے تک

بتائیں ہم تمھیں کیا داستانِ عشق کا حاصل
سنا تو ہے اُسے لیکن تمہارا نام آنے تک

اِدھر تو دیکھ ساقی اس نگاہِ مست کا صدقہ
مجھے بیخود بنا محفل میں دورِ جام آنے تک

یہی ہے ان اداؤں کی اگر ہنگامہ آرائی
ہزاروں حشر ہوں گے حشر کا ہنگام آنے تک

مصیبت مول لے لی عالمِ اجسام میں آ کر
ہم اچھے تھے جہاں تھے عالمِ اجسام آنے تک

یہ مانا دو قدم ہی منزلِ مقصود ہے لیکن
بھروسا کیا جئیں گے ہم بھی یہ دو گام آنے تک

بڑا سلجھا ہوا رنگِ ادب تھا بزم کا خوشتر
سخن سنجانِ عالم میں مذاقِ عام آنے تک

رہتے ہیں تصوّر میں دائم گو ہم سے کنارا کرتے ہیں
ہم اب تو انھیں کے جلوؤں کا ہر وقت نظارا کرتے ہیں

دلچسپ تو ہے بزمِ ہستی پھر کیوں یہ گوارا کرتے ہیں
ہر روز جہاں کی محفل سے لاکھوں ہی کنارا کرتے ہیں

اس دارِ فنا میں جینے کا اک پل بھی نہیں ہے جنکو یقیں
سو سال کا وہ بھی دنیا میں سامان سنوارا کرتے ہیں

گو طمع کی محفل ہے دنیا سامانِ توکّل بھی ہے یہاں
جو ہمکو میسر ہوتا ہے ہم اُس پہ گذارا کرتے ہیں

ہمدرد تو ہیں اپنے بھی بہت اللہ نہ ڈالے کام مگر
جب وقت کسی پر پڑتا ہے اپنے بھی کنارا کرتے ہیں

قسمت کے ہیں وہ لوگ دھنی جاگی ہوئی ہے تقدیر اُن کی
جو خواب کے عالم میں بھی کبھی دیدار تمہارا کرتے ہیں

جو اہلِ مروّت ہوتے ہیں کہتے ہیں اہلِ وفا جنکو
وہ جور کا شکوا کیا جانیں ہر جبر گوارا کرتے ہیں

آخر وہ اُبھر ہی جاتے ہیں اس بحر میں غوطے کھا کر بھی
رہ کر جو بروں کی دنیا میں نیکی کو اُبھارا کرتے ہیں

نفرت سے نفرت رکھتے ہیں نفرت کو نہیں آنے دیتے
ہم نیک و بد ہر اک سے یہاں ملنے کو گوارا کرتے ہیں

ہر حال میں وہ خوش رہتے ہیں جو عیش و طرب کی دنیا میں
تدبیر و مشقت سے اپنی قسمت کو سنوارا کرتے ہیں

ہم امن کی خواہش کرتے ہیں ہم راہِ سکوں پر ہیں لیکن
اطوارِ جہاں تو اے خوشتر کچھ اور اشارا کرتے ہیں

دلِ ناصبور کو پھر وہی بُتِ بیوفا کی تلاش ہے
غمِ ابتدا تو اٹھا چکا غمِ انتہا کی تلاش ہے

کسی بے وفا کا گلہ بھی ہے کسی باوفا کی تلاش ہے
یہ فریبِ شوق کہ دل کو پھر کسی آشنا کی تلاش ہے

ترا غم ہی غم رہے عمر بھر ترے غم میں خود کو فنا کروں
مجھے ابتدائے شعور سے اسی انتہا کی تلاش ہے

یہ وہ جنس ہے کہ جہاں میں جو نہ بک سکے جو نہ مل سکے
تجھے کیوں وفا کا جنون ہے تجھے کیوں وفا کی تلاش ہے

جو ملے بھی خضر تو اب کہوں کہ سلام آبِ حیات کو
نہ وہ دل کو ذوقِ طلب رہا نہ وہ رہنما کی تلاش ہے

دلِ ناسزا کو یہ چاہتا ہوں کہ چاہ میں کہیں ڈال دوں
اسے ہے گناہ کی جستجو تو مجھے سزا کی تلاش ہے

نئے حوصلے، نئے ولولے مری جستجو میں مدام ہیں
مجھے انتہائے تلاش میں بھی تو ابتدا کی تلاش ہے

ترے اس علاج میں دم نہیں ترد لب کا روگ یہ غم نہیں
مرے درد کے لئے چارہ گر تجھے کیوں دوا کی تلاش ہے

مجھے جستجو ہے جنون کی مجھے بیخودی کی ہے آرزو
مرے کاروانِ حیات کو کسی رہنما کی تلاش ہے

ترے ساتھ ہے ترے پاس ہی نہ جدا تجھ وہ جدا نہیں
یہ خودی کا پردہ اٹھا کے دیکھ اگر خدا کی تلاش ہے

یہ ہی حشرِ خوشترِ ناتواں یہاں نفسی نفسی کا ہی سماں
مجھے اب ہجومِ گناہ میں شرِ دوسرا کی تلاش ہے

پھر دورِ شباب آیا غنچوں نے جِلا پائی

اے اہلِ چمن یہ تو پھر صبحِ بہار آئی

جب سے تجھے دیکھا ہے اے جلوۂ یکتائی

پھرتی ہے نگاہوں میں اکثر تری رعنائی

یہ بات ہے کیا آخر اے حسنِ خود آرائی

محرومِ نظارہ ہے کیوں چشمِ تمنائی

سجدے بھی تڑپتے ہیں میرا دلِ مضطر بھی

قسمت میں نہیں لکھی اس در کی جبیں سائی

مجبور کیا مجھکو کچھ دورِ معیت نے

کچھ دل کو پسند آیا یہ گوشۂ تنہائی

قسمت کا لکھا ہم نے ٹلتا ہی نہیں دیکھا
ہاں وقت تو پے در پے لیتا رہا انگڑائی

موسیٰ کی مصیبت ہے اک طور کا نظارہ
جلووں کا ہجوم اتنا اور ایک تماشائی

ہم جنس حقیقت کو لیجا کے کہاں رکھتے
دنیا تو جہاں دیکھا باطل کی ہے شیدائی

میں چاہوں تو دہرا دوں پھر طور کا افسانہ
ڈرتا ہوں کہیں انکی ہوجائے نہ رسوائی

قدرت کا تماشا ہے یہ رنگِ وجود اپنا
قدرت ہی تماشا ہے قدرت ہی تماشائی

دامن نہ چھڑا ظالم دامن نہ چھڑا مجھ سے
چھٹ جائیگا اب مجھ سے دامانِ شکیبائی

بچتا ہوا چلتا ہے رندوں سے بہت واعظ
ڈر ہے نہ نکل آئے پہلے کی شناسائی

دنیا سی نظر آئی خوشتر انہیں جب دیکھا
جتنے وہ قریب آئے بڑھتی گئی بینائی

فریبِ شوق دے دیکر بچھاتے ہیں جو دام اپنا
مدام آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ کر جاتے ہیں کام اپنا

چلا لیتے ہیں چل جاتا ہے جو داغِ دل سے کام اپنا
یہی بازارِ اُلفت میں درم اپنا ہے دام اپنا

یہ کیوں اہلِ خرد آتے ہیں کیا سمجھائیں گے آ کر
جنونِ عشق کے ہاتھوں میں رہتا ہے نظام اپنا

تمیز اچھے بُرے کی ہو تو پیدا اہلِ ہستی میں
سمجھ رکھو زمانہ خود بدل دیگا نظام اپنا

فرشتے بھی ہیں قائل اس ہماری شانِ رفعت کے
جہانِ زندگی میں سب سے اونچا ہے مقام اپنا

خزاں کا دور جائے گا بہار آئے گی گلشن میں
مگر جبتک خدا جانے کہاں ہوگا قیام اپنا

ہزاروں بار جس محفل سے ہم ناکام لوٹے ہیں
وہیں لے جا رہا ہے پھر یہ ذوقِ ناتمام اپنا

کبھی ہم بھی تھے عنوانِ محبت بزمِ امکاں میں
زبانِ خلق پر ابتک ہے ذکرِ شادکام اپنا

اُسی کے دم سے ساری رونقِ دنیا کی ہستی ہے
یہی داغِ جگر تو ہے چراغِ بزمِ شام اپنا

مئے وحدت کی مستی سے کوئی باقی نہ رہ جائے
زمانہ دیکھ لے ساقی دکھا دے لطفِ عام اپنا

بیانِ رنج و غم سے ایسی پیدا کیوں کریں تلخی
کہاں یہ داستاں اپنی کہاں خوشتر کلام اپنا

بلالیں وہ مدینے مجھکو ارماں ہے یہی خوشتر
کروں میں پیش خود جا کر درِ شہ پر سلام اپنا

طور کا سا اک سماں چاروں طرف چھا جائے گا
ہم سلامت ہیں تو پھر جلوہ نظر آ جائے گا

آدمی اپنے کئے پر آپ شرما جائے گا
حشر سے پہلے بھی ایسا وقت اک آ جائے گا

اے فلک ہم بے زبانوں پر ستم ڈھاتا ہے کیوں
کھو کے آخر ہمکو تیرے ہاتھ کیا آ جائے گا

چارہ گر کیوں لے چلا ہے ہمکو کوئے ناز سے
جسقدر وہ دور ہوں گے درد بڑھتا جائے گا

خلوت آرائے تصور آ تر ستی ہے نظر
کیوں حجاب اتنا ہے تجھکو کب یہ پردا جائے گا

کیا کروں اے دردمیں تیرے تقاضے کا علاج
ناتوانی میں بھلا کس طرح تڑپا جائے گا

بھول جائے گا زمانہ داستانِ حسن و عشق
انقلاب ایسا جہانِ شوق میں آ جائے گا

روئے زیبائے حقیقت جلوۂ حسنِ جمال
حشر ہو جائے گا جب دم سامنے آ جائے گا

پھر ہوا سامانِ وحشت پھر چلی بادِ بہار
پھر جنونِ عشق مجھ کو لے کے صحرا جائے گا

پند گو ہم شوق کی افتاد سے ڈرتے نہیں
آپڑے گی سر پہ جب اُس وقت دیکھا جائے گا

جب کرم فرمائیں گے خوشتر وہ میری حال پر
آسماں بھی ابرِ رحمت لا کے برسا جائے گا

محفل کا توں کی کیا کہنا ہم دل کو جہاں گم کر بیٹھے
خود اپنی پریشانی سے وہاں سامانِ تبسم کر بیٹھے

غرقاب تو ہونا تھا آخر طوفان نہ جانے کب آتا
خود اپنا سفینہ لے جا کر ہم نذرِ تلاطم کر بیٹھے

یہ اہلِ ستم کی دنیا ہے افسانۂ غم ہے بے معنی
انجام نہ سوچا کچھ دل میں آغاز کہاں تم کر بیٹھے

اس نظمِ گلستاں پر ہم کو آتی ہے ہنسی بھی رونا بھی
پھولوں کی دو روزہ زینت پر کانٹے بھی تبسم کر بیٹھے

جب مرنا ہے تو مرنا ہے زندہ رہ کر کیا کرنا ہے
ہم کو جو فنا کی یاد آئی جینے سے تصادم کر بیٹھے

وہ سوز کہاں وہ ساز کہاں دل اہلِ طرب کا ٹوٹ گیا
محفل میں روٹھ کے بیٹھے کیا تم ختم ترنم کر بیٹھے

بے سنگ دلوں کی محفل میں اظہارِ دردِ دل کیسا
یہ بات کہاں کی تھی خوشترؔ اور آکے کہاں تم کر بیٹھے

جب اُس نے نظر پھیری تھی ہم سے اک تل بھی ہمارا ہو نہ سکا
یا ساری دنیا اپنی تھی، یا دل بھی ہمارا ہو نہ سکا

محروم قناعت سے رہ کر کیا لے لیا قاروں نے آخر
یہ دولت قسمت ہی میں نہ تھی سائل بھی ہمارا ہو نہ سکا

وہ محنت کشت ہستی کی کیا تھی اک سعیٔ لاحاصل
دہقاں تو ہمارا تھا ہی نہیں حاصل بھی ہمارا ہو نہ سکا

تفریق مجاز و حقیقت میں کی ہم نے دل کی بربادی
لیلا بھی ہماری ہو نہ سکی محمل بھی ہمارا ہو نہ سکا

تفریق حق و باطل کر کے نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
بیکار تلاش حق بھی گئی باطل بھی ہمارا ہو نہ سکا

جب اُنکی حکایت ہوتی ہے اپنوں کی شکایت ہوتی ہے
ہم اور گلہ کس کا کرتے جب دل بھی ہمارا ہو نہ سکا

اک وہ تھا اک یاد اسکی نزدیک کہیں یا دور کہیں
کچھ ہم سے جدا بھی وہ نہ رہا شامل بھی ہمارا ہو نہ سکا

ساتھی اس منزل ہستی کا کوئی نہ ہوا آخر خوشتر
ناقص کی ہم نے قدر نہ کی کامل بھی ہمارا ہو نہ سکا

جو میں دُور بھی ہوں تو پاس ہوں طلسمِ رسمِ نیاز ہے
وہ قریب ہو کے بھی دُور ہیں یہ غرورِ حُسن کا راز ہے

یہ عجیب رنگِ وجود ہے یہ عجیب شانِ مجاز ہے
کہ مری وفا بھی وفا نہیں کہ جفا پہ بھی انھیں ناز ہے

مری بیخودی پہ جما ہوا وہی ایک رنگِ مجاز ہے
نہ سُرورِ بزمِ الست ہے نہ شعورِ محفلِ ناز ہے

مجھے غسم کا غم نہوا کبھی مجھے اپنی زیست پہ ناز ہے
مرے دل پہ جس نے کرم کیا وہ مرا سرودِ نیاز ہے

مئے شوقِ دید سے مست ہوں میں ازل سے محوِ الست ہوں
یہ کرم ہے ان کا جو محتسب مری میکشی کا جواز ہے

مجھے خاص بندہ بنالیا ہے، نوازشوں کی ہیں بارشیں
مری لغزشوں پہ بھی ہے کرم وہ عجیب بندہ نواز ہے

جو حقیقتِ غمِ عشق ہے وہ سمجھ گیا ہے دلِ حزیں
ابھی نردباں پہ ہے گامزن ابھی محوِ رسمِ نیاز ہے

ہوں منزلِ شوق میں مجھے لے چلی ہے سبک روی
کہیں اب کوئی مری راہ میں نہ نشیب ہے نہ فراز ہے

کہوں کیا کہ یہ میری زندگی کے عجیب اتار چڑھاؤ ہیں
کبھی شمعِ دل ہے بجھی بجھی کبھی زورِ سوز و گداز ہے

مجھے سازِ زیست پہ ناز ہے کہ ہے اسمیں لَے تری یاد کی
مرے تارہائے نفس ہیں اور ترا ذکر نغمہ طراز ہے

وہ شبابِ حسن کی شوخیاں مری شامِ غم کی ہیں تلخیاں
یہ اَلم نوازیٔ عشق ہے نہ یہ سوز ہے نہ یہ ساز ہے

تری کچھ خطائیں تو آہی جائیں گی خوشتر اسکو پسند بھی
کہ کریم ہے وہ رحیم ہے وہ غفورِ نکتہ نواز ہے

کسکو خوشی بہار کی کیسی خوشی بہار میں
میرے لئے دھرا ہے کیا دامنِ روزگار میں

دل جو اُلجھ کے رہ گیا زلفِ درازِ یار میں
جانِ حزیں بھی پھنس گئی شوق کے خارزار میں

ایسی خوشی کے وقت میں چاہیئے نغمۂ طرب
سازِ نفس پر گائیے محفلِ سازگار میں

جب سے خفا ہوئے ہیں وہ کیفِ شباب مٹ گیا
روٹھ گئی ہے فصلِ گل مجھ سے بھری بہار میں

مجھ کو ہجومِ شوق نے گھیر لیا ہے اس طرح
ایک جہان بس گیا آ کے خیالِ یار میں

ہے تو فقط ہے عاجزی حسنِ مقامِ زندگی
جسم ہے کس قطار میں جان ہے کس شمار میں

ہوش و حواس تھے کہاں دیکھتے کیسے ہم وہاں
ہو گئی تھی نگاہ گم جلوۂ حسنِ یار میں

خاک ہوئی ہے زندگی جب سے کدورت آ گئی
چھپ گئیں خوبیاں تمام قلب کے اس غبار میں

اُن کی نظر کے سامنے تابِ نگاہ ہے کسے
برق و شرار ہیں نہاں دیدۂ شعلہ بار میں

مل گئی مغفرت کی راہ حشر میں خوشترِ حزیں
میرے گناہ چھپ گئے رحمتِ کردگار میں

ہے کوئی میکش نہ بادہ ہے، نہ پیمانے کا نام
عفت میں بدنام کر رکھا ہے میخانے کا نام

دوسرا کیا اور ہوتا ایسے ویرانے کا نام
دشتِ وحشت ہے مناسب میرے کاشانے کا نام

غم ہے میری زندگی غمناک میری زندگی
اس لئے زندانِ غم ہے میرے ویرانے کا نام

بُت گئے دل سے مگر یادِ بتاں تو دل میں ہے
ساتھ کعبے کے چلا جاتا ہے بُت خانے کا نام

بادِ صرصر سے اُڑی جو چار تنکے تھے بچے
مٹ گیا گلشن سے آخر میرے کاشانے کا نام

یاد کرتا ہے زمانہ اب بھی دشتِ نجد کو
قیس کا قصّہ لئے پھرتا ہے ویرانے کا نام

ساقیٔ بدمست کا طرزِ نظر ہے بادہ ریز
اب کہاں چلتا ہے میخانے میں پیمانے کا نام

اہلِ عرفاں کے لئے ہوتا ہے یہ سامان وجد
جھومتے رہتے ہیں لیکر تیرے دیوانے کا نام

جاں ستانی چھوڑ ظالم جاں نثاری کر شعار
آج شاہیں سے کہیں بڑھ کر ہے پروانے کا نام

ہوتے ہوتے ہوگئی دیوانگی فرزانگی
ہوگیا ہر پھر کے دیوانہ ہی فرزانے کا نام

مجھ پہ اس میخانۂ قدرت کا خوشتر ہے کرم
لیتے ہیں تسنیم و کوثر جس کے پیمانے کا نام

پھر اسے بزمِ غیر کا دل میں خیال آئے کیوں
جسکو حرم پسند ہے دیر کی سمت جائے کیوں

دیکھ سکے نہ جو انہیں جا کے بھرم گنوائے کیوں
تابِ نظر نہ ہو جسے سامنے ان کے جائے کیوں

سجدے سکون پا گئے اسکی جبینِ شوق کے
پا لیا تیرا سنگِ در جس نے وہ سر اٹھائے کیوں

کل کا خیالِ رنگ و بو ذہن میں جس کے ہے بسا
پائے کہاں وہ طرزِ نو رنگِ جدید لائے کیوں

نیکی بدی کا ہے مآل ایک ہے مکتبِ خیال
حالِ خرابِ بزمِ غیر کوئی ہمیں بتائے کیوں

ملتی ہیں جبکو راحتیں سوزِ غمِ حیات سے
تارِ نفس پہ روز وہ ساز نیا سنائے کیوں

جسکے نصیب میں نہیں عیش و طرب کی زندگی
اُس کے لئے جہان میں روزِ نشاط آئے کیوں

کوئی بھی جان بوجھکر کھائے فریب کس لئے
آدمی دیکھ بھال کر باتوں میں تیری آئے کیوں

تیرِ جفا کے واسطے سینہ سپر ہوں جب ہزار
پھر وہ جہانِ عشق سے رسمِ ستم اُٹھائے کیوں

رنگِ بیانِ عاجزی جنکو پسند ہی نہیں
خوشترِ غم زدہ انھیں اپنی غزل سنائے کیوں

یہ تو یقین ہے کبھی ایسا بھی وقت آئے گا
دستِ کرم کو اپنے وہ میری طرف بڑھائے گا
میری بہارِ زندگی ساتھ وہ اپنے لائے گا
جان میں جان آئے گی دل میں قرار آئے گا
یہ ترا کبر و ناز ہی شانِ وفا بڑھائے گا
عجز و نیاز پر مرے حرف نہ آنے پائے گا
نغمۂ بے خودی کی نے سازِ طرب اُٹھائے گا
بیخودِ شوق ہوں مجھے ہوش کبھی نہ آئے گا
گلشنِ عشق پر کبھی وقت بُرا نہ آئے گا
شعلۂ برقِ ناز کیا نخلِ وفا جلائے گا
یہ تو خیالِ جانِ زار ایک دلِ حزیں کو تھا
کون ہے اب جہان میں جو ترا غم اُٹھائے گا

بن کے بہار بھی بہار اب مرے گھر نہ آئے گی
جاتے ہیں آپ تو کبھی دورِ خزاں بھی جائے گا

ہیں یہ تو غیر اپنے بھی آنکھ بچا کے جائیں گے
کام پڑے گا جب کبھی کوئی نہ کام آئے گا

اچھے بُرے تو دن مُدام آتے ہی جاتے رہتے ہیں
ہم پہ جو پڑ گیا ہے وقت وہ بھی نکل ہی جائے گا

ہوں گی تمام پند گو ساری یہ لن ترانیاں
تیرا مذاق جب کوئی بادہ پرست اُڑائے گا

آئیں گے خود ہی بڑھ کے سب جام و سبو مری طرف
اُن کے بھی حوصلے کو اب ذوق مرا بڑھائے گا

سن کے سخن شناس لوگ شعروں کو یہ کہتے ہیں
خوشترِ خوش نوا ضرور کوئی مقام پائے گا

اٹھتا ہے دردِ سر پہ اٹھاتا ہوں گھر کو میں
بیٹھا ہوا ہوں لے کے غمِ چارہ گر کو میں

نکلا ہوں نام لے کے تمہارا سفر کو میں
لاتا نہیں خیال میں خوف و خطر

ہر گام پر ملی تھی جہاں منزلِ نشاط
مڑ مڑ کے دیکھتا ہوں اسی رہ گذر کو میں

مجبوریوں میں ہاتھ اُٹھاتا تو ہوں مگر
لاؤں کہاں سے اپنی دُعا میں اثر کو میں

سامانِ رہزنی سے اجل دیکھئے کب آئے
رکھتا ہوں باندھ باندھ کے رختِ سفر کو میں

جلوؤں کا اُن کے زور ہے بامِ نشاط پر
جاتا ہوں آزمائشِ تابِ نظر کو میں

دن رات میرے ساتھ ہیں دنیا کی گردشیں
پھرتا ہوں لے کے جیب میں شمس و قمر کو میں

اچھے بُرے کا ایک ہی ساتھی تو ہے مرا
چھوڑوں بھی اب کہاں دلِ دیوانہ گر کو میں

پھر بڑھ چلی ہے حد سے سوا سوزشِ الم
پھر ڈھونڈھتا ہوں مرہمِ زخمِ جگر کو میں

پھرتا ہے روز محفلِ غم کی تلاش میں
پہچانتا ہوں خوب تِرے آشفتہ سر کو میں

کارِ جنوں کی چارہ گر کچھ تجھے آگہی نہیں
دامنِ تار تار میں کارِ رفوگری نہیں

ناز و نیاز میں کہاں عالمِ سرمدی نہیں
حسن بھی عارضی نہیں عشق بھی عارضی نہیں

تیری تلاش میں مجھے اور تلاش ہی نہیں
تیرے سوا کوئی مرا مقصدِ زندگی نہیں

جس سے سرور دل میں ہو جس سے غرور سر میں ہو
عالمِ بیکسی میں وہ دولتِ زندگی نہیں

شانِ وقار و جاہ اگر بس کی نہیں تو کیا ہوا
عجز سے کام لیجئے اس میں تو عاجزی نہیں

عیش کی سرخوشی وہاں بزم طرب کا رنگ روگ
محفلِ سوز و ساز میں نغمۂ زندگی نہیں

نام ہی نام رہ گیا آپ کی بزم ناز کا
اب کوئی اسکو کیا کہے چاند ہے چاندنی نہیں

سر پہ کھڑی ہے شامِ غم بجھ گئے عقل کے چراغ
تیرگیٔ حیات میں اب کوئی روشنی نہیں

غنچہ و گل فسردہ ہیں ساری فضا خموش ہے
خاطرِ غم نواز سے زیست میں تازگی نہیں

سیریٔ ذوقِ دید کو اب وہ مقام چاہیئے
عالمِ ہوش ہے جہاں عالمِ بے خودی نہیں

اپنی روش سے مطمئن خوشتر خوش خرام ہے
اپنوں سے غیریت نہیں غیر سے دشمنی نہیں

میری صورت سے مسرت کو عیاں ہونے تو دو
غم بھی آ پہنچے گا دیکھو شادماں ہونے تو دو

جوشِ وحشت کے لئے خالی مکاں ہونے تو دو
جی اُٹھیں گے ہم فنا بزمِ جہاں ہونے تو دو

عشق کی آوارگی بڑھنے میں کیا لگتی ہے دیر
حسن کی چارہ گری کو رائیگاں ہونے تو دو

بڑھ کے موجیں خود ہی بن جائینگی ساحل دیکھنا
غرقِ طوفاں کشتیٔ عمرِ رواں ہونے تو دو

تاک میں ہیں بجلیاں تخریب سامانی کیا تھا
پھر مکمل شاخِ گل پر آشیاں ہونے تو دو

دم کے دم میں خاک ہو جائیگا سامانِ بہار
جانبِ گلشن رُخِ برقِ تپاں ہونے تو دو

ڈھونڈھ لی جائیگی اک دن منزلِ مقصود بھی
میری گمراہی شریکِ کارواں ہونے تو دو

پھر بہارِ شوق لیکر فصلِ گل آجائے گی
گلشنِ اُمید بربادِ خزاں ہونے تو دو

خود بخود کھنچ آئینگے سجدے جبینِ شوق سے
اور کچھ نزدیک اُن کا آستاں ہونے تو دو

دُور ہوگا نکہتِ گل سے زنگار رنگ کا
گل فشاں ان کا شبابِ گلفشاں ہونے تو دو

غم نوازی میں یہ ہوگا سب سے بڑھکر کامیاب
خاطرِ محزوں کا خوشتر امتحاں ہونے تو دو

یہ کس کے بس کا ہے روگ کیا ہم علاج برقِ بلا کریں گے
یونہی نشیمن جلا کئے ہیں یونہی نشیمن جلا کریں گے

وہ لوگ اڑا دیتے ہیں جو بے پر کی تم سے ملکر اڑا کریں گے
اسی ہوا میں جو تم رہو گے تو روز طوفاں اٹھا کریں گے

کریں گے کیا ظلمتوں کے طوفاں انھیں اگر یہ اٹھا کریں گے
چراغ جو حق کے جل رہے ہیں یونہی ہمیشہ جلا کریں گے

ہماری قسمت میں جانِ مضطر یہی لکھا ہے تو کیا کریں گے
کہ حادثوں میں جیا کریں گے مصیبتوں میں رہا کریں گے

یہی تماشائے جلوہ ہوگا، جو دیکھتا ہے تو دیکھتا جا
ہزار پردے گرا کریں گے، ہزار پردے اٹھا کریں گے

یہ دوست داری فریب کاری ہے رہ خبردار دوستی سے
دلوں میں جنکے کدورتیں ہیں وہ دوست بنکر دغا کریں گے

اڑا نہ دھول اپنی زندگی کی ہمیشہ رہ خاکسار بن کر
جو کام تو آشتی سے لے گا تو کام بگڑی بنا کریں گے
مگر حقیقت ہے پھر حقیقت یہی رہی ہے یہی رہے گی
جو نقش باطل کے ہیں ہمیشہ بنا کریں گے مٹا کریں گے

خزاں کا خوف اپنے سامنے ہے نشاطِ فصلِ بہار کیسی
یہ چار دن کی جو ہے مسرت بتائیے لیکے کیا کریں گے
قدم قدم پر کرم کی بارش نواز شیں جسکی لمحہ لمحہ
اسی سے رکھیں گے ہم تو مطلب اسی کو سجدہ کیا کریں گے
سلامتی کی یہی ہے منزل کر اہلِ عرفاں کی پیروی کر
شعور ہستی ہے جنکو حاصل وہ جو کریں گے بجا کریں گے
کچھ ایسی عادت ہے جس سے رہتا ہے خوش ہر اک انکا ملنے والا
ارادہ یہ ہے کہ ہم بھی خوشترسے اب ہمیشہ ملا کریں گے

نمود کیا تھی وجود کیا تھا نہ پوچھئے اس جہاں سے پہلے
بتائیں کیا تم کو ہمنشینوں کہاں تھے ہم سب یہاں سے پہلے

گلوں کو چھوڑا چمن کو چھوڑا بہار چھوڑی خزاں سے پہلے
مکاں اجڑتا تو دیکھتے کیا اجڑ گئے ہم مکاں سے پہلے

وہی ہے قائم وہی ہے دائم اسی کا جلوہ عیاں نہاں ہے
جہاں بھی سب کچھ وہی ہے جو تھا وجود بزمِ جہاں سے پہلے

حواس قائم تھے ہوش قائم نہ جوشِ وحشت نہ بیخودی تھی
سلامت اپنے تھے جیب و داماں جنونِ عشقِ بتاں سے پہلے

نظر نہ تھی ڈالی پہ بجلیوں کی ہوا کے جھونکے تھے اور یہ تھے
چمن میں تنکوں پہ یہ مصیبت نہ تھی میرے آشیاں سے پہلے

تمام بے سوز تھے ترانے تمام بےکیف تھے فسانے
تمہاری محفل میں لطف کیا تھا ہمارے ذکر و بیاں سے پہلے

ہر اک کے دل میں سما رہا ہے ہر اک کی آنکھوں پہ چھا رہا ہے
وہی تصور جو کچھ نہیں تھا خیالِ حسنِ بتاں سے پہلے

نصیب کیا ساتھ چھوڑ دیتا پہنچ کے بھی ہم کہاں پہنچتے
سرک گئی رہ گذر سے منزل خود آمدِ کارواں سے پہلے

طبیب سب ہاتھ مل رہے ہیں اداس بیٹھے ہیں چارہ گر بھی
مریضِ غم چل بسا ہے شاید علاجِ دردِ نہاں سے پہلے

وہ شور و شر کا گیا زمانہ کہ دل کو تاکیدِ ضبط ہے اب
فلک کو بھی آگ لگ چلی ہے ہماری آہ و فغاں سے پہلے

انہیں کے دل میں ہے اس سے نفرت وہی اسکو بھلا رہی ہے
جنہیں محبت تھی خاص شستہ ہماری اردو زباں سے پہلے

جو جہانِ حسن میں گم بھی ہوں تو ابھی مجھے یہ خیال ہے
کہ مری نگاہ کے سامنے وہی ایک برقِ جمال ہے

مری زندگی کے مقام سے من و تو کا دُور خیال ہے
نہ تو دوستی کی خوشی مجھے ہے نہ دشمنی کا ملال ہے

مجھے کچھ خوشی کی نہیں خوشی عجب اپنا حال ہے دیکھیے
کبھی غم سے ملتی ہے زندگی کبھی غم سے زیست محال ہے

مجھے دار پر بھی اماں ملی مرے کام آ گئی آگہی
مرے عشق کا یہ عروج ہے ترے حسن کا یہ کمال ہے

یہ مقام ہے مری زیست کا کہ عروج بھی ہے زوال بھی
مری عاجزی کا بھرم ہے سب نہ عروج ہے نہ زوال ہے

ترے غم سے ہے مری دل لگی ترے غم سے ہے مری زندگی
مجھے غم سے ملتی ہے ہر خوشی مری سرخوشی کا یہ حال ہے

مری زندگی میں خزاں بھی ہے، مری زندگی میں بہار بھی
کہ بہار بھی ہے خزاں بھی یہ مری زندگی کا کمال ہے

یہ بتائے مردِ خدا ذرا کہ مقامِ عفو عطا ہے کیا
اُسے پھر جواب بھی دیں گے ہم ابھی مختصر سے سوال ہے

نظر آرہا ہے یہ شیخ جی کہ نشہ تو آپ میں بھی ہے بہت
مئے دید پیتے ہیں جس کو سب یہ حرام ہے کہ حلال ہے

جو شگفتہ ہو نہ بہار میں بھی کلی ہے وہ دلِ زار کی
جو اجڑ سکے نہ خزاں میں بھی وہ ہماری بزمِ خیال ہے

جئے کیسے خوشترِ ناتواں تجھے بھول کر یہ ہے کہاں
رگ پے میں اسکی بسا ہی تو تجھے بھولنا ہی محال ہے

پُرخار راہِ زیست میں مشکل سے چل سکے
تیرے کرم سے دن یہ ہمارے نکل سکے
ای فصلِ گل چلی آ کہ مرا کام چل سکے
ایسی بہار لا کہ تمنّا نکل سکے
اچھی نہیں یہ شمع تری سرد مہریاں
اتنی تو لَو نکال کہ پروانہ جل سکے
تیری تو چال اور ہی کچھ ہے حیاتِ نو
کس کی مجال ہے کہ ترے ساتھ چل سکے
دنیا ہجومِ کار سے بیکار ہو گئی
جو کام آج کے تھے وہ کل پر نہ ٹل سکے

تخریب ہی سے آتی ہے تعمیرِ زندگی
گرنا اسی کا حق ہے جو گر کر سنبھل سکے

اتنی مئے نشاط تو ساقی سبو میں ہو
دو چار دور بزم میں پیمانہ چل سکے

ساقی نکال دے کوئی ایسا تو راستہ
دُوری یہ جس سے دیر و حرم کی نکل سکے

اتنی ہی بس ملی تھی ہمیں فرصتِ حیات
مثلِ حباب دامنِ دریا میں پل سکے

تیرا کرم تھا ہم پہ تری جستجو کے ساتھ
حدِ نظر سے ہم بھی جو آگے نکل سکے

انساں کو انقلاب بدل دے تو کچھ نہیں
خوشتر وہ چال چل کہ زمانہ بدل سکے

غزل

ہماری خفتہ بختی سے وہ ساماں ایکدم چھوٹا
محبت کی زمیں چھوٹی درِ اہلِ کرم چھوٹا

اجل نے آکے کچھ ایسا دیا دم جس سے دم چھوٹا
خوشی سے زندگی چھوٹی خوشی کیساتھ غم چھوٹا

پھر آیا دورِ بادہ گھوم پھر کر میرے مشرب پر
کہ اب جام سفالی چل رہا ہے جامِ جم چھوٹا

شکستِ توبہ دورِ میکشی میں آکے گھبرائی
یہ کس کے ہاتھ سے بزمِ طرب میں جامِ جم چھوٹا

جہاں کچھ صاف آجانیکو تھا افسانۂ ہستی
وہیں کیا ہے کہ آکر ہاتھ سے میری قلم چھوٹا

جہاں پر ہستیٔ فانی کا قصہ ختم ہوتا تھا
وہیں یک لخت آ کر ہاتھ سے میرے قلم چھوٹا

مزا آنے لگا ہے جب سے مجھکو فاقہ مستی میں
ہوس نے ساتھ چھوڑا قصۂ دام و درم چھوٹا

ہوا آغاز عرفاں کا جہاں سے بزم وحدت میں
وہیں سے آگہی نے داد دی ذکرِ صنم چھوٹا

کہاں تک اس دوئی کی کش مکش میں مبتلا رہتا
مجھے تم مل گئے اب رشتۂ دیر و حرم چھوٹا

مری ناکامیوں پر رحم کب آیا مشیت کو
گئے آلام کس دن کون سے دن پاسِ غم چھوٹا

میسر اب کہاں وہ راحت و آرام کی دنیا
مدارِ زیست تھا جس پر وہی دستِ کرم چھوٹا

رہا اب کون سا ذریعۂ خوشی کا بزمِ ہستی میں
گیا دل وہ مرا پروردۂ ناز و نعم چھوٹا

پہونچ رہتا کہیں رہتی جو اسکی رہبری باقی
مصیبت ہے کہ خوشتر سے ترا نقشِ قدم چھوٹا

میرے لئے کہاں بھلا زیست میں شادمانیاں
سارے جہاں کی دشمنی دوست کی مہربانیاں

دورِ بہار آگیا آگئیں زندگانیاں
حسن پہ آگیا شباب جاگ اٹھیں جوانیاں

مکتبِ ناز کو یہ خوب تختۂ مشق مل گیا
حسن کو آگئیں پسند عشق کی سخت جانیاں

بزمِ جہاں میں ہم نہیں وہ ترے داغِ غم نہیں
ایک نشان مٹ گیا مٹ گئیں سب نشانیاں

اہلِ وفا کی موت ہے رسمِ وفا کی زندگی
کام جہاں کے آئینگی یہ میری جاں فشانیاں

ہوگا اسی میں عشق کا قصۂ زندگی تمام
ختم نہ ہونگی عمر بھر حسن کی جاں ستانیاں

چلتی رہیں گی یہ مرے قصۂ غم کے ساتھ ساتھ
سنتے رہیں گے حشر تک آپ کی بھی کہانیاں

رنگ نشاطِ زندگی ذوقِ نیاز اہل حسن
باعثِ تابشِ حیات حسن کی ضو فشانیاں

اپنی ہی غیریت تھی سب کون جہاں میں غیر تھا
کھا گئیں آخرش مجھے خود میری بدگمانیاں

شوخیٔ ناز کے سبب رنگِ نیاز جم گیا
حسن کے دم سے چل گئیں عشق کی لنترانیاں

خوشترِ خوش بیاں چلو یہ بھی خوشی کی بات ہے
سب کو پسند آ گئیں آپ کی خوش بیانیاں

اہلِ جہاں جو خوگرِ رنج و الم نہیں
اُن کے لئے خوشی بھی زمانے میں کم نہیں

سو بار پھوٹ جائے کوئی اسکا غم نہیں
جامِ سفال ہاتھ میں ہے جامِ جم نہیں

نخلِ جفا سے کسکو ملا ہے جہاں میں پھل
شدّاد کے نصیب میں باغِ ارم نہیں

گھبرا رہے تھے اپنی مصیبت سے ہم ضرور
تیری یہی خوشی ہے تو اب کوئی غم نہیں

جنسِ وفا کے آج خریدار ہیں کہاں
بازارِ زندگی میں یہ سودا تو کم نہیں

گرمی تھی بزم کی مرے سوز و گداز سے
جب سے نہیں ہوں میں تری محفل میں دم نہیں

قسمت پہ چھوڑ دیتے ہیں وہ کشتیٔ حیات
طوفاں کا ڈر نہیں جنھیں ساحل کا غم نہیں

انسانیت کا درد ہے انسانیت کی شرط
دل ہی وہ دل نہیں جسے احساسِ غم نہیں

ہمّت نہ ہار، عزمِ سفر کر قدم اُٹھا
راہِ طلب میں دُوریٔ منزل کا غم نہیں

دنیا ہی ہے کیا کہوں دنیا کا حال چال
کل تک جو تھا وہ اب بھی ہے کچھ بیش و کم نہیں

احباب کا کرم ہے سوالِ عروج کیا
خوشترؔ نوازیاں ہیں یہ جاہ و حشم نہیں

نذرِ توبہ ہم کرینگے مے پرستی ایک دن
ڈھونڈتی رہ جائیگی یہ بزمِ مستی ایک دن

غم نہ کر خوشیاں نہ آئینگی تو غم آجائیں گے
بس ہی جائیگی کسی سے دل کی بستی ایک دن

یوں گذاری ہم نے تو اپنی دو روزہ زندگی
مے پرستی ایک دن کی فاقہ مستی ایک دن

حسن کی یہ گرم بازاری رہے گی تا بہ کے
دیکھنا ہو جائیگی یہ جنس سستی ایک دن

اپنی نادانی پہ نازاں ہیں بہت اہلِ خرد
اُن کو لے ڈوبے گی ان کی خود پرستی ایک دن

بے حسی سے بے خودی بدمست ہوں سرشار ہوں
اُن کے ہاتھوں سے پیا تھا جامِ مستی ایک دن

ٹھوکریں کھاتا ہے گا توڑ کر بیٹھے گا پاؤں
ختم ہو جائے گی تیری سیرِ مستی ایک دن

بچ کے جائیگی کہاں ہستی شکستِ ریخت سے
سربلندی کے مقدر میں ہے پستی ایک دن

دیکھ ظالم کی ہوا کرتی نہیں رسی دراز
آسماں رہ جائے گی یہ چیرہ دستی ایک دن

مٹتے مٹتے صاف مٹ جائینگے یہ نقش و نگار
خود عیاں ہو کر رہے گا رازِ ہستی ایک دن

ٹوٹنے والا ہے ناتہ اس سے ٹوٹے گا ضرور
چھوٹنے والی ہے خوشتر بزمِ ہستی ایک دن

ساقیٔ بزمِ طرب سے میکدے سے جام سے
کام رکھا ہے ہمیشہ ہم نے اپنے کام سے

ہو کے دل برداشتہ اُٹھے ہیں بزمِ عام سے
اب چلے آئینگے اے قاصد وہ میرے نام سے

شیخ جی اب میکدے میں پاک بازی کا سوال
پوچھیں گے ہم تمہارے جامۂ احرام سے

قیدیٔ زندانِ غم ہیں ہم جہانِ زیست میں
بھاگ جانا ہے نکل کر عالمِ اجسام سے

ہم نے اب سمجھا ہے آکر بزمِ ہستی کا فریب
رہ گئے ہیں جب لپٹ کر دامنِ اوہام سے

میری تابِ دید کی اک آزمائش کے لئے
آج تو جلووں کی بارش ہو رہی ہے بام سے

کیا بتاؤں کیسے کیسے مجھ پہ ڈھائے ہیں ستم
گردشِ قسمت نے مل کر گردشِ ایّام سے

ہم تو اے خوشتر سمجھتے ہیں کہ مر کر جی اُٹھے
موت نے ہمکو چھڑایا زیست کے آلام سے

چھاؤں ڈھلتی ہوئی تھی جسم عنایت تیری
دیکھ لی ہم نے تو دو دن میں محبت تیری

کام آئے گی نہ دنیا سے یہ رغبت تیری
رائیگاں جائیگی اک روز یہ محنت تیری

سیرِ گلشن کو کبھی تو جو نکل آتا ہے
ڈھل کے آجاتی ہے پھولوں میں نزاکت تیری

پھر اسی کوچہ میں جاتا ہے دلِ زار یہ کیا
ہم سمجھتے ہیں کہ پھر آئی ہے شامت تیری

جینے دیگی نہ یہ بدکیش و بداندیش تجھے
تجھکو کھا جائے گی اک روز کدورت تیری

اپنے اطوار سے خود تو نے مٹایا اسکو
حسنِ اخلاق سے قائم تھی جو عظمت تیری

مٹ گئی خوشترِ غمگیں کی پریشاں حالی
عرصۂ حشر میں کام آگئی رحمت تیری

بیشتر رندوں کی نہ وہ دور ہے پیمانے کا
اب یہ کیا حال ہے ساقی ترے میخانے کا

جوشِ وحشت میں بُرا حال ہے دیوانے کا
راستہ راس نہ آیا اُسے ویرانے کا

لکھنے والے اسے لکھیں گے بیانِ وحشت
یہی عنوان ہے موزوں مرے افسانے کا

کعبے والے بنے بیٹھے ہیں بتانِ پندار
اِسے دیکھو یہ نیا رنگ ہے بت خانے کا

بس گیا آکے مرے گوشۂ دل میں آخر
راستہ ڈھونڈ لیا غم نے نہاں خانے کا

درسِ عبرت کے سوا کچھ نہیں دنیا کے لئے
ہم نے دیکھا ہے جو انجام صنم خانے کا

ساغر و مے کے قصیدے کا ہے اندازِ گریز
جوشِ مستی میں بہکنا ترے مستانے کا

خود نمائی سے رہا دُور مرا رنگِ وجود
راز افشا نہ ہوا عشق کے افسانے کا

اور کس طرح لگی دل کی بجھائے خوشتر
نیک انجام ہے جلنا جو ہے پروانے کا

دل تو جاتی ہے وہاں کس سے بچایا جائے ہے

دلربائی اپنی والی پر جہاں آجائے ہے

یا وہ دن بھی تھے کہ شرمائی ہوئی آتی تھی بات

یا یہ دن بھی ہیں انھیں شرم آکے شرما جائے ہے

جلوہ ارزاں ہے مگر پیدا تو کرلے ذوقِ دید

دیکھتا جا دیکھنے والا بھی دیکھا جائے ہے

پند گو باتیں ستے کی یوں تو کرتا ہے مگر

پانے والا کوئی پائے ہے تو کھویا جائے ہے

پار پائے گا کہاں تک شورشِ سیلاب سے

دیکھتے جاؤ ابھی گھر تھک کے بیٹھا جائے ہے

تو نے کیا سمجھا ہے اے ناداں جنونِ عشق کو

چارہ گر چل ہٹ کہیں سنتا یہ سودا جائے ہے

شاعری کی اس پہ رہتی ہے نگاہِ امتیاز

خوش بشتر شیریں بیاں ممتاز ہوتا جائے ہے

بنایا دشتِ وحشت کو بھی رشکِ گلستاں میں نے
وہاں تازہ بہار آئی قدم رکھا جہاں میں نے

پھرا ہوں عمر بھر دیکھے مکان و لامکاں میں نے
کسی کی جستجو میں چھان ڈالے دو جہاں میں نے

محبت سے بنایا زندگی کو کامراں میں نے
نئے انداز سے لکھی ہے اپنی داستاں میں نے

ابھی سے بجلیاں گرنے لگیں شاخِ نشیمن پر
ابھی دل میں کیا ہی تھا خیالِ آشیاں میں نے

جبیں اُٹھتی نہیں سجدوں سے جی بھرتا نہیں میرا
بڑی مشکل سے پایا ہے تمہارا آستاں میں نے

مجھے شوقِ شہادت تھا، مجھے مرنے کی حسرت تھی
مری قسمت میں تھی، پائی حیاتِ جاوداں میں نے

غمِ دنیا دیا تم نے مجھے معلوم ہے اتنا
یہی پائی ہے تم سے دولتِ کون و مکاں میں نے

زمانے کی ہوا کو جس طرف چلتے ہوئے دیکھا
اُسی جانب کو موڑا زندگی کا کارواں میں نے

لُٹا کر زندگی کو موت کا آرام پایا ہے
بہت مہنگا لیا ہے مول یہ خوابِ گراں میں نے

مرے احساسِ آزادی میں تھا سامانِ بربادی
چمن میں اپنے ہاتھوں سے جلایا آشیاں میں نے

خدا ہی ناخدا ہے بحرِ ہستی کا بھی اے خوشتر
اُسی پر چھوڑ دی ہے کشتیٔ عمرِ رواں میں نے

نیک خیال رکھ مدام بد کی کبھی بدی نہ دیکھ
دوست کی دوستی نباہ غیر کی دشمنی نہ دیکھ

خلق میں حسنِ خلق ڈھونڈھ صورتِ ظاہری نہ دیکھ
طرزِ عمل پہ رکھ نظر دعوائے دوستی نہ دیکھ

سامنے ہیں وہ جلوہ گر دیتے ہیں دعوتِ نظر
یہ بھی تو ایک رُخ ہے دیکھ ایک ہی برخی نہ دیکھ

میں نے خوشی سے سہہ لئے ان کے ستم تو چارہ گر
داغِ دل و جگر کو دیکھ چہرے کی تازگی نہ دیکھ

اُسکی تلاش میں مجھے مل گئی رفعتِ حیات
اب میں کہاں ہوں یہ نہ پوچھ منزلِ آگہی نہ دیکھ

بزمِ نیاز و ناز میں اپنا مقام خود سمجھ
حسن کی شوخیاں نہ دیکھ عشق کی سادگی نہ دیکھ

تجھ سے جو بن سکے تو بن خوگرِ کلفتِ جہاں
عیش کی جستجو نہ کر عشرتِ زندگی نہ دیکھ

حسنِ ازل بڑھا قدم آ کہیں کھُل کے سامنے
سیریٔ چشمِ شوق دیکھ جلووں کی برہمی نہ دیکھ

ساقیٔ ماہ وش کو دیکھ زورِ بہار ابر دیکھ
مجھ کو نہ دیکھ محتسب جرأتِ میکشی نہ دیکھ

آپ سنبھل کے چل یہاں اپنی روش پہ رکھ نظر
ہے جو حریفِ تیز گام اسکی سبک روی نہ دیکھ

تھک کے نہ بیٹھ اگر تجھے رکھنی ہے بات شوق کی
پائے جنوں نواز دیکھ اپنی شکستگی نہ دیکھ

ان کی نوازشیں ہیں سب اُن کے کرم پہ رکھ نظر
خوشترِ خوشنوا کبھی غم پہ نہ جا خوشی نہ دیکھ

تیرے رُخ و زلف سے مشیت کو فکرِ شام و سحر ہوئی ہے
جہاں میں تیرے وجود ہی سے نمودِ شمس و قمر ہوئی ہے

اُنھیں خبر کیا ہے خارِ غم کی گلوں میں جنکی بسر ہوئی ہے
صبا کے چلتے گذر ہمیشہ بہار کے دوش پر ہوئی ہے

نہ کوئی کھٹکا نہ کوئی دشمن، یہ راس آیا ہے صحنِ گلشن
خزاں کے دن آئے کب گئے کب ہمیں کب اسکی خبر ہوئی ہے

خود اعتمادی نہیں تھی حاصل تو پاتے کسطرح چل کے منزل
وہ جنکو دنیا میں ہر قدم پر ضرورتِ راہ بر ہوئی ہے

بُرے بھلے کی تمیز جس میں نہیں وہ دنیا کا رنگ دیکھا
ہوئی ہے ناقدریٔ بشر بھی غلط بھی قدرِ بشر ہوئی ہے

مریضِ غم کو خدا پہ چھوڑو یہاں ہے بیکار سعیٔ پیہم
کبھی دعا میں اثر بھی پایا کبھی دوا کارگر ہوئی ہے

لگی ہوئی تھی ہر اک کے تلووں سے اف یہ سفاک تیری محفل
جہاں کے ذروں کی زندگی بھی بوضعِ رقصِ شرر ہوئی ہے

تلاش میں زندگی گذاری رہے ہیں کھوئے ہوئے ہمیشہ
کب ہمکو اُن کا پتہ ملا ہے کب ہمکو اپنی خبر ہوئی ہے

یہ خوابِ مستی کا تھا کرشمہ کہ آنکھ کھولی تو شامِ غم تھی
خبر نہیں رات کیسی ہوگی جب ایسی اپنی سحر ہوئی ہے

چمن میں رہ کر بھی زندگی کا ہمیشہ ماحول اجاڑ دیکھا
بہار کب آگئی گئی کب ہمیں کب اسکی خبر ہوئی ہے

کہاں ملے تھے وہ کب ملے تھے تجھے یہ اب کیا بتائیں خوشتر
ہوئی ہے کچھ گفتگو بھی ہم سے مگر بنوعِ دگر ہوئی ہے

یہ جب سے اے جاں نواز تیری کرم کی مجھ پر نظر ہوئی ہے
سکونِ قلبِ حزیں بنی ہے دوائے دردِ جگر ہوئی ہے

ہمیں کو آنکھیں دکھا رہی ہے تو اس کا انداز دیکھ لینا
کہیں ضرور اب یہ جا لڑے گی ہماری قسمت نڈر ہوئی ہے

سفر میں ہستی کے کیا بتاؤں کہ کیا رہا حال زندگی کا
گزار دی ہے بھلے بُرے سے بسر سرِ رہ گذر ہوئی ہے

نہ دل میں احساسِ غم ہے باقی نہ ہمکو راحت کی اب تمنا
یہ زندگی وہ ہے مل کے جو تلخیوں سے شیر و شکر ہوئی ہے

ملے بھی ہیں ہم کبھی جو اُن سے تو ایک نامِ وفا کو لیکر
لڑائی بھی جب کبھی ہوئی ہے تو بس اسی بات پر ہوئی ہے

مری سینہ بختیوں سے ڈھ کر ہوئی ہے فق شامِ غم کی صورت
ابھی تو ہے ساری رات باقی ابھی سے اسکی سحر ہوئی ہے

اُمنگ دیکھی ترنگ دیکھی یہ رنگ دیکھا وہ رنگ دیکھا
جہاں کی رنگینیوں میں اپنی تو عمرِ فانی بسر ہوئی ہے

اِدھر مصیبت اُدھر مصیبت بتاؤں کیا تم کو اپنی حالت
یہ وقت درپیش آگیا ہے کہ زیست زیر و زبر ہوئی ہے

جفا کے بدلے میں ہم نے گن گن کے اُن سے کیں عمر بھر وفائیں
حساب پورا ابھی کر دیا ہے تو کہہ رہے ہیں کسر ہوئی ہے

یہ خواب مستی کا رنگ دیکھو کہ آنکھ کھولی تو شام غم تھی
جہاں سے میں جاگ کر اٹھا ہوں وہیں سے میری سحر ہوئی ہے

نہ پوچھ ہم سے کہ آرزو کی یہاں تو سوکھی پڑی ہے کھیتی
جہاں میں ابرِ کرم کی بارش کہاں ہوئی ہے کدھر ہوئی ہے

جہان کی کس بِپرسیوں میں پھرے ہیں لوگ اسکو سرپہ لیکر
ہمیں سمجھتے ہیں خوب خوشتر جو قدرِ اہلِ ہنر ہوئی ہے

کس برتے پر ارمانوں کی بستی پھیلائی جاتی ہے
پھیلی ہوئی دنیا کیا جانیں کس دن سنگوائی جاتی ہے

جو خون جگر میں آتا ہے بہہ جاتا ہے وہ آنکھوں سے
ہم روز کمائے جاتے ہیں اور روز کمائی جاتی ہے

برداشت کی حد سے باہر ہے ہر چند مصیبت الفت کی
ہم اسکو اٹھائے جاتے ہیں جبتک اٹھائی جاتی ہے

عاشق کی طبیعت کھیل نہیں پھٹکار ہے کیا غمخواروں پر
کسکو بہلائے جاتے ہیں یہ کیا بہلائی جاتی ہے

کیا بعدِ فنا خوشتر ہی رکھا ماتم تو جیتے جی کا تھا
اب ہم اٹھوائے جاتے ہیں اب صف اٹھوائی جاتی ہے

بے مروت فتنہ پرور کا ٹھکانا دل میں ہے
ہمکو ان باتوں سے نفرت دل بڑی مشکل میں ہے

جی بہلنے کا تو اک سامان ہے اے بے خبر
شکلِ بیکاری ہماری سعیٔ لاحاصل میں ہے

مل گیا سب کچھ رہا کیا لینے دینے کا سوال
دینے والا ہاتھ داتا کا کفِ سائل میں ہے

جو رہا اپنا ہوا جو کچھ گیا اپنا نہ تھا
کس لئے ناداں ملالِ دولتِ زائل میں ہے

ہاں کہے لیکن مری دیوانگی کو دیکھ کر
عقل کی باتیں کرے کچھ عقل اگر عاقل میں ہے

زندہ رکھتا ہے فنا فی اللہ ہو جانے کا ذوق
خوشتر اب شوقِ فنا ہی تو ہمارے دل میں ہے

غزل

انداز توجہ پیدا ہے باتوں سے تو اب غم کیا ہوگا

انکار کا جب یہ عالم ہے، اقرار کا عالم کیا ہوگا

گلشن تو سُلگتا جاتا ہے پانی ہے بہت کم کیا ہوگا

جب آتشِ گل بڑھ جائیگی پھر تجھ سے ای شبنم کیا ہوگا

وہ برہم بھی ہو جائینگے، تو درہم برہم کیا ہوگا

ہم چھپکے کھڑے دیکھیں گے دیکھو اب چھیڑ کا عالم کیا ہوگا

آرام و مسرت میں جنکے دن رات گذرتے رہتے ہیں

اُن عیش و طرب کے بندوں کو اندازہ ماتم کیا ہوگا

غرق آب بھی ہو کر دیکھیں گے جب دل میں لہر آجائیگی

طوفاں کو تو ہم ٹہرا دیں گے گرداب میں دم خم کیا ہوگا

یہ رونقِ بزم ہستی بھی ان کے ہی قدم سے قائم ہے

میخوار نہ ہوں گے جب ساقی میخانے کا عالم کیا ہوگا

مل جل کے جہاں رہنا ہے اپنے بھی یہاں ہیں غیر بھی ہیں
جس وقت بہار آجائیگی اسوقت کا عالم کیا ہوگا

توبہ تو ہم نے کرلی ہے لیکن یہ سوچتے ہیں واعظ
جسوقت بہار آجائے گی اُسوقت کا عالم کیا ہوگا

خود اپنے ہی ہاتھوں آئی ہے گلشن میں تباہی کیا کیجے
جو نظم بگاڑا ہے ہم نے ہم سے وہ منظم کیا ہوگا

جو بزمِ شوق سجا نہ سکے جو منزلِ عرفاں پا نہ سکے
اخلاص نہ ہو جسمیں قائم ایماں وہ محکم کیا ہوگا

سجدوں کی مسرت کیسی ہے جب عجز نہیں تو کچھ بھی نہیں
جب دل کی حقیقت ہوگی عیاں اے شیخ مکرم کیا ہوگا

ہر رنگ جہانِ ہستی میں پرتو ہے جمالِ عرفاں کا
ہر شے کو ملی ہے جس سے جِلا جلوہ وہ مدھم کیا ہوگا

ناکام شریعت ہو جائیں پھر جائیں جو شرطِ وحدت سے
اُن لوگوں سے خوش اے خوشترؔ خلاقِ دوعالم کیا ہوگا

یہ جب صرصر سے سرکے تھے تو کہئے میں کہاں ہوتا
اگر اِن چار تنکوں پر مدارِ آشیاں ہوتا

لبِ خاموش پر افسانۂ دردِ نہاں ہوتا
نئی طرزِ فغاں ہوتی نیا رنگِ بیاں ہوتا

کہیں دنیائے ہستی میں ہمارا بھی جہاں ہوتا
مکاں کہتے ہیں جسکو کاش وہ اپنا مکاں ہوتا

ہمیں حسرت تھی رو لینے کی بربادی پہ گلشن کی
بہاتے بیٹھ کر آنسو جو باقی آشیاں ہوتا

مصیبت ہو گئی ہے مجھکو یادِ ایامِ راحت کی
نہ ہوتا یہ اگر دورِ مصیبت جاوداں ہوتا

مقدر جاگ اٹھتا زندگی بنتی مری خوشتر
اگر یثرب کی جانب کارواں میرا رواں ہوتا

وجودِ بے حقیقت پر نہ اتنا شادماں ہوتا
جو اسرارِ حقیقت کا بھی انساں رازداں ہوتا

مجھے تیری خوشی تھی کیوں غمِ سُود و زیاں ہوتا
ترے ہوتے جو یہ ہوتا تو جینا رائیگاں ہوتا

چمن میں ان کی بربادی پہ کہنے میں کہاں ہوتا
اگر ان چار تنکوں پر مدارِ آشیاں ہوتا

مجھے پروا نہیں ہوتی تو یہ سب کچھ کہاں ہوتا
کدھر دورِ بہار آتا کہاں روزِ خزاں ہوتا

نئے انداز سے کچھ شکوۂ جورِ بتاں ہوتا
نئی طرزِ فغاں ہوتی نیا رنگِ بیاں ہوتا

وفورِ شوقِ سجدہ میں کہاں سر پھوڑتے جا کر
جو اپنے سامنے اُن کا نہ سنگِ آستاں ہوتا

خزاں کا دَور ہی رہتا تو اچھا تھا چمن والو
نہ گلشن میں بہار آتی نہ کوئی بدگماں ہوتا

مصائب کا زمانہ آتا جاتا ہے تو اچھا ہے
عذابِ زندگی ہوتا اگر یہ جاوداں ہوتا

یہ سارا اپنی کمزوری سے دورِ ناتوانی ہے
بڑھاپا آ کے کیا لیتا اگر عزمِ جواں ہوتا

مٹاتے آسماں بے سرپرستی، بزمِ ہستی ہے
تری پیری نہیں چلتی اگر پیرِ مغاں ہوتا

خیال آتا ہے جب دنیا مری باتوں پہ ہنستی ہے
جہانِ زیست میں اپنا بھی کوئی رازداں ہوتا

بلائے اگر دامن کو خوشتر ہم بچا لیتے
تو اس تعمیرِ نو سے دَورِ خوشحالی عیاں ہوتا

دل کی اذیتیں ہیں کیا عالمِ انتشار کیا
آکے تو دیکھئے کبھی ہے مرا حالِ زار کیا

وعدۂ روز و شب بجا زیست کا اعتبار کیا
صبح کا انتظام کیوں شام کا انتظار کیا

بات ہی وہ چلی گئی وقت ہی وہ نکل گیا
لائے گی فصلِ گل بھی اب میرے لئے بہار کیا

جبکی بہار تم سے ہو اسکے لئے جہان میں
وجہِ نشاطِ زیست ہو عشرتِ نوبہار کیا

رسمِ عبودیت نہ پوچھ ہو جو نظر تو دیکھ لے
آج نگاہِ عشق میں حسن کا ہے وقار کیا

یوں بھی گذر رہی تو ہے، یوں بھی گذر ہی جائے گی
شکوۂ روزگار کیوں کلفتِ روزگار کیا

کیفِ مئے الست سے دورِ سرورِ زیست ہے
مجھکو خمار سے غرض میرے لئے خمار کیا

حضرتِ دل وہاں تو روز سیکڑوں آتے جاتے ہیں
آپ ہیں کس قطار میں آپ کا ہے شمار کیا

ہے تو ہمارے نام کا نامِ خدا ہے اب وہاں
دَیر میں اور کیا کہیں اپنی ہے یادگار کیا

آ اسی کھینچ تان میں، رشتۂ زندگی کو چھوڑ
کش مکشِ حیات میں موت کا انتظار کیا

محفلِ سوز و ساز میں تو ہی نہیں تو کچھ نہیں
تیرے بغیر خوش رہے خوشتر دلِ فگار کیا

ہو جسکے دل میں ذوقِ طلب مشکل کو وہ مشکل کیا جانے
وہ راہِ مصیبت کیا سمجھے وہ دُوریٔ منزل کیا جانے

وہ دل کی لگی کو کیا سمجھے، وہ زیست کا حاصل کیا جانے
دو گام جو چل کر تھک جائے وہ لطفِ منازل کیا جانے

ہوں جسکی نگاہیں کوتاہ بیں جسکو نہ ہو خود اپنا بھی یقیں
وہ رازِ حقیقت کیا سمجھے، ایماں کی وہ منزل کیا جانے

جو حرص و ہوس کا بندہ ہے، خود کوشی جسکا دھندا ہے
وہ فقر کی دولت کیا سمجھے وہ دامنِ سائل کیا جانے

ہر حسینہ میں ان کا جلوہ ہے، یہ راز عیاں بھی ہے لیکن
آتا ہی نہیں کچھ جسکو نظر وہ دیدۂ باطل کیا جانے

چھوڑا ہو قسمت پر جس نے کشتیٔ محبت کو اپنی
طوفاں کو وہ طوفاں کیا سمجھے، ساحل کو وہ ساحل کیا جانے

ہاتھوں ہی میں جو دل رہتا ہو، پھولوں ہی میں جسکی دنیا ہو
کانٹوں کی وہ کلفت کیا سمجھے، وہ دردِ عنادل کیا جانے

پابندِ وفا رہنا ہو جسے، جو دامِ محبت میں اُلجھے
زنداں کو وہ زنداں کیا سمجھے، وہ طوق و سلاسل کیا جانے

ناصح کی باتوں میں کیا ہے کتنی بھی دو خوشتر اسکو
یہ جذبۂ الفت کیا سمجھے، یہ دوست کی محفل کیا جانے

ابھی تو سازِ زیست پہ ترانۂ بہار ہے
غمِ خزاں ابھی سے کیوں یہ عندلیب زار ہے

چمن چمن، روش روش بلائے جانِ زار ہے
یہ دورِ انقلاب ہے کہ دورِ انتشار ہے

نہ کوئی چارہ ساز ہے نہ کوئی غمگسار ہے
عجیب کشمکش میں ہوں عجیب حالِ زار ہے

یہاں وفا کا ہے چمن، وہاں جفا کی انجمن
یہاں کا خار بھی ہے گل وہاں کا گل بھی خار ہے

تباہ کر رہی ہے وہ سکونِ زندگی مرا
دلِ حزیں میں آج کل جو فکرِ روزگار ہے

کس سمت بحرِ غم میں چلے کشتیٔ حیات
ہر موج کے تھپیڑے میں طوفاں ہے آج بھی

جائے مرے نصیب کی برگشتگی کہا
یعنی خراب زیست کا ساماں ہے آج

پوچھو نہ ہم سے رہ گذرِ زندگی کا حال
طوفانِ حشر اُس پہ خراماں ہے آج بھی

ہے اضطرابِ زیست کا آئینہ سامنے
عقلِ سلیم دیکھئے حیراں ہے آج

نمرود ہی پہ بات یہ کچھ منحصر نہیں
اپنے کئے پہ کوئی پشیماں ہے آج بھی

بلبل سے منہ چھپائے رہے اس برس بھی گل
فصلِ بہار آکے پشیماں ہے آج بھی

ہم اب بھی فکرِ شادی و غم سے ہیں دور دور
ہم سے تو دور گردشِ دوراں ہے آج بھی

خوش تر وہی خدا جو نگہبان کل بھی تھا
خوش باش خوش کہ اپنا نگہباں ہے آج بھی

شکلِ بشر سے غم ہی نمایاں ہے آج بھی
کل مضطرب جو تھا وہ پریشاں ہے آج بھی

کچھ اے شبِ فراق وہ ساماں ہے آج بھی
کوئی طلوعِ صبح کا امکاں ہے آج بھی

کلفت، غمِ فراق، پریشانیاں، نفاق
اُلفت کی داستاں کا یہ عنواں ہے آج بھی

صحنِ چمن میں اب وہ کہاں بزمِ رنگ و بو
جو مرکزِ بہار تھا، ویراں ہے آج بھی

جلتا رہا ہے جن کے تصور سے آشیاں
اُن بجلیوں کی زد میں گلستاں ہے آج بھی

خاکِ وطن سے امن و سکوں کی نہیں اُمید
ہر ذرہ اس کا حشر بداماں ہے آج بھی

نہ صبحِ زیست کی خوشی، نہ شامِ زندگی کا غم
نہ اب وہ سازگار ہے نہ اب یہ دل پہ بار ہے

فضائے باغِ زندگی تمہاری بزمِ رنگ و بو
تمہارے دم سے ہر طرف بہار ہی بہار ہے

قفس میں بھی منا ہی لینگے جشنِ نوبہار ہم
ہوائے فصلِ گل کا تو ہمیں بھی انتظار ہے

یہ جانتے تھے ہم کبھی وفا بھی کوئی چیز تھی
جہانِ بے وفا میں اب کوئی وفا شعار ہے

جفا بھی وجہِ ناز ہے نہیں کرم نہیں سہی
ابھی نگاہِ دوست میں وہی مرا وقار ہے

جو ہے مجیبِ بیکساں جو ہے خدائے دوجہاں
اُسی سے خوشترِ حزیں بھی اب دعا گذار ہے

مجھے کیا خوشی ہو جہان میں جو خیال تیرا خراب ہے
تری اک خوشی کے بغیر تو مجھے زندگی بھی عذاب ہے

کہیں سامنے ہیں وہ جلوہ گر کہیں رُخ پہ اُنکے نقاب ہے
یہ عجیب رنگِ وجود ہے یہ عجیب رسمِ حجاب ہے

جو سُرورِ محفلِ ناز ہے، جو غرورِ بزمِ شباب ہے
تو پھر اسکو یہ رہے کیوں خبر کہ کسی کا حال خراب ہے

جو ملے بھی ہیں تو کچھ اسطرح کہ چڑھی ہوئی سی ہیں تیوریاں
وہ اِدھر ہیں چپ میں اُدھر ہوں چپ نہ سوال ہے نہ جواب ہے

مجھے اپنی موت سے کام ہے جئے جائیں فکرِ جہاں میں وہ
مجھے عمرِ خضر سے کیا غرض مری زیست مثلِ حباب ہے

مجھے وہ بھی دل سے عزیز ہیں جنھیں مجھ سے رہتی ہیں کاوشیں
یہ ہے اُن کا مقصدِ زندگی وہ مرا طریقِ جواب ہے

یہ جہاں کی جو ہیں مسرتیں مجھے اُن سے کوئی غرض نہیں
غمِ عشق کی ہے خوشی مجھے مرے غم کا کوئی جواب ہے

مرے جرم لاکھ بہت سہی تری بخششیں بھی تو کم نہیں
نہ مری خطا کا شمار ہے نہ تری عطا کا حساب ہے

کوئی ہے بھلا تو بھلا سہی جو بُرا بھی ہے تو بُرا نہیں
یہاں نیک و بد کی تمیز کیا یہ جہانِ بزم خراب ہے

یہ بہارِ زیست ہی خود خزاں یہ شرارِ خفتہ ہے آشیاں
نہ خزاں کے جَور کا غم مجھے نہ خیالِ برق عذاب ہے

مجھے اپنے کام سے کام ہے نہیں فکرِ حاصلِ بندگی
مرا ذوقِ سجدہ خدا گواہ کہ بے نیازِ ثواب ہے

نہ وہ رنگ بزمِ طرب میں ہے نہ وہ سوز و ساز میں ہے کہیں
نہ وہ مطربوں کا ہجوم ہے نہ صدائے چنگ و رباب ہے

غمِ عاقبت ہے نہ خوشتر اب غمِ زندگی ہے مرے لئے
مرے واسطے تو یہاں وہاں وہی اک خدا کی جناب ہے

دکھائی جاتی ہیں جب عالم ہستی کی تصویریں
گنہگارانِ الفت کی اُبھر آتی ہیں تقصیریں

بگڑ جاتی ہے جب دنیا بگڑ جاتی ہیں تقدیریں
عمل کچھ کام آتا ہے نہ کام آتی ہیں تدبیریں

جہاں شمعِ ہدایت رندِ میخانہ جلاتا ہے
وہاں دیر و حرم کی ماند پڑ جاتی ہیں تنویریں

خطِ نسیاں سے ہے بے خبر ترکیب انساں کی
کبھی خاصانِ عالم سے بھی ہو جاتی ہیں تقصیریں

مری آہیں پلٹ آتی ہیں کیوں اپنا سا منہ لیکر
فلک آخر کہاں جاتی ہیں اب نالوں کی تاثیریں

بدلتا جاتا ہے رنگ اب عشقِ مجازی کا
حقیقت بنتی جاتی ہیں مرے خوابوں کی تعبیریں

نظامِ زندگی ہے نام ہی بننے بگڑنے کا
ہیں معلوم ہے ہوتی ہیں تخریبوں سے تعمیریں

دلوں پر بھی حکومت ان سے ہو یہ ہو نہیں سکتا
چلانے کے لئے اپنی چلاتے ہیں جو شمشیریں

نہیں رہتے کبھی وہ قیدیٔ زندانِ غم بنکر
اسیرانِ جنوں خود توڑ دیتے ہیں یہ زنجیریں

ہماری بیخودی سے پڑ گیا پردہ حقیقت پر
تماشا بنتے بنتے رہ گئیں جلووں کی تنویریں

بہت دیکھی ہے اک خوشتر بتوں کی وضعِ زیبائی
مری نظروں سے گذری ہیں ہزاروں ایسی تحریریں

نئی وضعِ رنگِ طرب ہوئی مرے سوز و ساز بدل گئے
مرے نغمے اپنی خوشی سے خود تری غم کے سانچے میں ڈھل گئے

جو بدل گئے تو غضب ہوا مری رات دن ہی بدل گئے
وہی لمحے حاصلِ زیست تھے تری یاد میں جو نکل گئے

یہ سمجھ رہے ہیں جہان کے وہ اصولِ زیست بدل گئے
انھیں پھر وفا کی تلاش ہے جو فریب کھا کے سنبھل گئے

وہی برق خواب میں آ گئی مجھے یادِ رفتہ ستائے گی
کبھی اب سکوں بھی ملا تو کیا کئی آشیانے تو جل گئے

یہ ہماری بزمِ نیاز ہے یہاں اہلِ شر کا گذر نہیں
وہ تمہاری محفلِ ناز تھی جہاں کھوٹے سکے بھی چل گئے

وہ رہِ وفا کی مصیبتیں وہ قدم قدم پہ مرے قدم
کہ ہزار بار اکھڑ گئے، تو ہزار بار سنبھل گئے

ہوئی لاکھ مشقِ جفا تو کیا کہ وفا کا رُخ نہ بدل سکا
مرا حوصلہ بھی وہی رہا ترے حوصلے بھی نکل گئے

مجھے جو بھی ملنا تھا مل گیا نہیں کچھ گِلا ترا شکریہ
مری حسرتیں بھی نکل گئیں مری حوصلے بھی نکل گئے

ہے نشاطِ دورِ حیات کیا ہے سرورِ جامِ شراب کیا
انھیں کیا خبر ہے بہار میں تری بزم سے جو نکل گئے

نہ تو خوشتر اب وہ خلوص ہے نہ وہ اب ہیں پہلی سی محفلیں
کہیں راہ و رسم نکل گئے کہیں اہلِ ذوق بدل گئے

اُٹھانے دو اٹھاتے ہیں اگر رسمِ وفاداری
جفا کاروں کو لے بیٹھے گی خود انکی جفاکاری

بیاباں کا مجھے سودا رہا وحشت رہی طاری
جنونِ عشق کی جاری رہی جبتک فسوں کاری

زمانہ دوست ہوتا بخت کی ہوتی اگر یاری
وہ میرے ساتھ ہو جاتے تو ہوتا لاکھ پر بھاری

وہ دل ہی جانتا ہے، آدمی پر جو گذرتی ہے
کبھی آنکھوں سے آنسو بے سبب ہوتے نہیں جاری

کہیں جنسِ وفا ملتی نہیں بازارِ اُلفت میں
جدھر دیکھو محبت کی ادھر ہے سرد بازاری

جسے دیوانگی کہتے ہیں، دیوانوں کی دنیا میں
اُسی حالت کو اربابِ خرد کہتے ہیں ہشیاری

نظر آتا ہے اب تو جسکو دیکھو خوابِ غفلت میں
نہیں معلوم خوشتر ہے یہ کیسا دورِ بیداری

کہاں صدمے نہیں ہوتے کہاں ماتم نہیں ہوتا
کوئی ایسا بھی ہے دنیا میں جسکو غم نہیں ہوتا

مسرت کا ہمیشہ ایک ہی عالم نہیں ہوتا
کرم ہوتا تو ہے اُن کا مگر پیہم نہیں ہوتا

خوشی کا غم جنھیں ہوتا ہے سمجھو غم نصیب اُنکو
جنھیں غم کی خوشی ہوتی ہے اُنکو غم نہیں ہوتا

نہ لے جاتا جو مجنوں عالمِ دیوانگی ہم سے
تو اُس کا ذکرِ خیر افسانۂ عالم نہیں ہوتا

کہاں ہے تو بُرائی سے برائی مٹ نہیں سکتی
ارے غافل اندھیرے سے اندھیرا کم نہیں ہوتا

یہی وہ وقت ہے جب آدمی کو ہوش آتا ہے
خدا کی یاد سے غافل دلِ پُر غم نہیں ہوتا

بُرا جب وقت آتا ہے تو اس دنیائے الفت میں
کوئی مونس نہیں ہوتا کوئی ہمدم نہیں ہوتا

تسلی سے کبھی تسکینِ خاطر ہو نہیں سکتی
جنونِ شوق بڑھ جاتا ہے اس سے کم نہیں ہوتا

فضائے باغِ ہستی میں خزاں بھی ہے بہاریں بھی
کہاں خوشیاں نہیں ہوتیں کہاں ماتم نہیں ہوتا

نباہ آساں نہیں دنیا کی رسم دوست داری کا
کوئی دمساز ہوتا ہے تو ہم تیں دم نہیں ہوتا

فنا کے بعد ملتا ہے سکونِ راحتِ منزل
جہاں شیرازہ ہستی کبھی برہم نہیں ہوتا

کوئی ملتا ہے جب راہِ طلب میں رہبرِ کامل
تو ہمکو دوریٔ منزل کا بھی کچھ غم نہیں ہوتا

ہمارے ایک دم پر ایکدم جو کچھ گذرتی ہے
محبت میں کبھی ایسا تو اے ہمدم نہیں ہوتا

تمھیں امداد کو خوشتر کی آجاتے ہو مشکل میں
سہارا جب کوئی اے سرورِ عالم نہیں ہوتا

موت کا مجھکو ڈر نہیں حسرتِ زندگی نہیں
اُن کی خوشی کے سامنے میری خوشی خوشی نہیں

مجھکو کسی کا غم نہیں کوئی مجھے خوشی نہیں
اِس سے بھی آگہی نہیں، اُس سے بھی آگہی نہیں

شرم ہے اور پردہ پوشِ حُسن کا اور کوئی نہیں
رسمِ حیا حجاب ہے اور حجاب ہی نہیں

غم ہے مگر شریکِ غم دیکھئے کوئی بھی نہیں
درد بھی اجنبی سا ہے شاملِ زندگی نہیں

اتنا سُرور تو نہیں، اتنی تو بے خودی نہیں
آپ کو بھول جاؤں میں اتنی تو میں نے پی نہیں

خیر درِ قبول تک میری دعا گئی نہیں
کس کو سناکے یہ کہوں اُسنے مری سنی نہیں

غم ہی سے کارِ عشق ہے غم ہی کا نام عشق ہے
عشق کی بارگاہ میں غم کی کوئی کمی نہیں

سوزِ درونِ عشق پر کیا کہوں کیا جواب دوں
ناصحِ محترم یہ آگ دل میں ترے لگی نہیں

تمکو پسند ہی نہیں عجز مرا تو کیا کروں
بندہ نواز اب کوئی صورتِ بندگی نہیں

ذوقِ کلیم چاہیے تابِ نظر کے ساتھ ساتھ
اُن کے حریمِ ناز میں جلوؤں کی کچھ کمی نہیں

یہ بھی خوشی کی بات ہے میرے سوالِ وصل پر
اُس نے نہیں نہیں کہا اُسنے کہا ابھی نہیں

جائیگا خوشتر اب کہاں چھوڑ کے تیرا آستاں
تیرے سوا جہاں میں اسکا تو اب کوئی نہیں

احساس کی منزل میں آکر جب اپنی خبر ہو جاتی ہے
انساں کی نظر میں دنیا کی ہر چیز صفر ہو جاتی ہے

جلووں کی فراوانی سے کب سیراب نظر ہو جاتی ہے
کیا دل کی خلش مٹ جاتی ہے تسکینِ جگر ہو جاتی ہے

تم آتے ہو تو آتے ہیں جب میری مسرت کے آنسو
دامانِ نظر پر اشکوں کی ہر بوند گہر ہو جاتی ہے

خود موت یہ خوابِ ہستی ہے تو فکرِ نشاط دنیا کیا
وہ زیست اذیت کیا جانے جو محوِ سفر ہو جاتی ہے

ہے اسمیں خوشی بھی غم بھی ہے جینا ہے تو جی تفریق نہ کر
ایسے بھی بسر ہو جاتی ہے' ویسے بھی بسر ہو جاتی ہے

ہے راز اسی میں خوبی کا اچھا ہی وہ کچھ بن جاتا ہے
خلاؔ اپنی برائی انساں کو محسوس اگر ہو جاتی ہے

اپنے نہ سہی سب غیر سہی، بگڑا ہے نظامِ دہر سہی
کچھ بھی ہو فضائے بزمِ جہاں اپنی تو گذر ہو جاتی ہے

جب لب تک آ ہی جاتی ہے تو پھر بیکار نہیں جاتی
اخلاصِ طلب سے دل کی دعا مرہونِ اثر ہو جاتی ہے

آثارِ جہالت کے کچھ اس وقت نمایاں ہوتے ہیں
برباد خرد کی دنیا میں جب قدرِ ہنر ہو جاتی ہے

ہے کوششِ ضبط کا حاصل کیا بیکار یہ زحمت کیوں کیجے
آخر تو جنونِ الفت کی دنیا کو خبر ہو جاتی ہے

بدلی سی ہوئی ہوتی ہے فضا ہوتے ہیں وہ جب آنے والے
تسکینِ نظر سے پہلے ہی دل کو بھی خبر ہو جاتی ہے

بیدار مقدر ہوتا ہے جب مہرِ عرب کی رحمت سے
دنیائے مسرت کی خوشتر ہر شام سحر ہو جاتی ہے

اِس دارِ فنا میں رہنے کا اے عمرِ رواں کیا حاصل ہے
ہر چیز جہاں کی فانی ہے ہر رنگ جہاں کا باطل ہے

کس طرح سے پہنچوں منزل تک منزل پہ پہنچنا مشکل ہے
جب میرے حصولِ مطلب میں مطلب کی دنیا حائل ہے

ہر رنگِ مجازِ ہستی کو عرفاں کی دولت حاصل ہے
جلووں کی حقیقت کیا کہئے جلووں میں حقیقت شامل ہے

رک رک کے قدم کیوں اٹھتے ہیں کس فکر میں ہے چل آگے بڑھ
کیا دیکھ رہا ہے پھر پھر کر وہ دیکھ بقا کی منزل ہے

وحشت ہی کو ہم نے دیکھا ہے ہر سمت فضائے عالم میں
ہشیار ہی بنکر کیا کیجئے سارا تو زمانہ غافل ہے

آئے ہیں بحرِ ہستی میں طوفانِ حوادث کو لیکر
لہروں کے تھپیڑے سہتے ہیں ہر موج پہ اپنا ساحل ہے

ہر صبح مصیبت لاتی ہے ہر شام بلا بن جاتی ہے
جینے کی مشقت کیا کہئے مرنا بھی ہمیں اب مشکل ہے

اظہار صداقت کیا کیجئے باطل کی شکایت کیا کیجئے
احساس کی دنیا تھی جسمیں سینے میں کہاں اب وہ دل ہے

پہلے سے کہاں وہ نغمے ہیں پہلی سی کہاں وہ بزم طرب
اب سوز کہاں وہ ساز میں ہی بے کیف سی اب تو محفل ہے

جو حرص و ہوا کے بندے ہیں ایسے ہی کچھ انکے دھندے ہیں
ہے اپنا مطلب اور دنیا مطلب پہ زمانہ مائل ہے

تدبیر سے قسمت بنتی ہے بن جائیگی تقدیر اپنی
ہر کام میں اپنے اے خوشتر جب انکا کرم بھی شامل ہے

کوششِ رفعتِ وجود ایک خیالِ خام ہے

مصلحتِ نشاط و غم اُنکی خوشی کا نام ہے

کون پلا رہا ہے آج ہاتھ میں کس کے جام ہے

مئے نہیں شیخ جی حرام توبہ ہی اب حرام ہے

تیرے ہی دم سے ہے بہارِ عیش و نشاطِ زیست کی

تو ہی نہیں تو دل یہ اب غم کا اک اژدہام ہے

میرے لئے جہان میں دوسری آرزو نہیں

محوِ تلاشِ یار ہوں بس یہی ایک کام ہے

سب کے نصیب میں نہیں کیفِ شرابِ بیخودی
رند کے ظرف پہ ہے بات فیض سبو تو عام ہے

چھوڑ خیالِ خالِ رُخ کلفتِ زندگی نہ لے
طائرِ دل خیال رکھ دانہ نہیں یہ دام ہے

زیست کی آرزو فضول موت کی جستجو فضول
یہ بھی خیالِ خام ہے وہ بھی خیالِ خام ہے

ظاہر و باطن ایک ہے اہلِ جنونِ شوق کا
دل میں تمہاری یاد ہے لب پہ تمہارا نام ہے

مایۂ زندگی ہے غم اس کے سوا ہوس نہ کر
عیش و نشاط کی امید ایک خیالِ خام ہے

میرے وجود سے ملا ان کا پتہ جہان کو
کس کو شمار ہے یہاں وہ مجھ سے تو انکا نام ہے

تیرے سوا غرض نہ ہو اسکو کسی سے اے خدا
خوشترِ غمزدہ کی یہ تجھ سے دعا مدام ہے

جنہیں جستجوئے نشاط تھی وہ اسی ہوس میں گذر گئے
ہمیں پھر خوشی نہ ملی انہیں جو غمِ حیات سے ڈر گئے

مجھے راہِ شوق میں چھوڑ کر وہ نظر بچا کے گذر گئے
میرے ساتھ تھے جو ابھی ابھی انہیں کیا ہوا وہ کدھر گئے

وہ جو لوگ کشتۂ ناز تھے یونہی کر کے زیست بسر گئے
کبھی ذوقِ دید میں جی اٹھے کبھی شوقِ دید میں مر گئے

یہ حجابِ حُسن کی شوخیاں ہیں یہ کھیل جلوۂ ناز کے
کبھی میری آنکھوں میں بس گئے کبھی میرے دل میں اُتر گئے

انہیں ہو بگڑنے کا رنج کیا انہیں کیوں سنورنے کی ہو خوشی
جو ہزار بار بگڑ گئے جو ہزار بار سنور گئے

ہمیں آشیاں کا گھمنڈ تھا انہیں چار تنکوں پہ دیکھیو
کہ جو تین دن بھی نہ رہ سکے وہ ہوا چلی تو بکھر گئے

یہ فسوں گری ترے نام کی مجھے بات مل گئی کام کی
تیرا نام لب پہ جو آگیا مرے بگڑے کام سنور گئے

سر و برگِ منزلِ زیست کیا یونہی ہم نے اپنی گزار دی
کہ جہاں ملا کوئی آسرا وہیں چار دن کو ٹھہر گئے

رُخِ زیست جس نے بدل دیا ہوئی جس سے رونقِ زندگی
ابھی میری بزمِ خیال میں وہی رنگ آ کے بکھر گئے

مرے حالِ زار کی دید سے عجب ان کا حال تھا بزم میں
جو نظر پڑی تو سہم گئے جو قریب آئے تو ڈر گئے

وہ جو آفتابِ کمال تھا وہی ناگپور میں ہے ابھی
کوئی خوشتر آ کے نہ جم سکا بہت آئے اہلِ ہنر گئے

دھول سی اڑتی ہے ساقی خاک پیمانے میں ہے
رنگِ بربادی یہ کیسا تیرے میخانے میں ہے

اہلِ حکمت میں نہ یہ جوہر نہ فرزانے میں ہے
عقل کی کچھ بات ہے تو آنکے دیوانے میں ہے

ڈھونڈنے سے بھی تمنا کا پتہ ملتا نہیں
کیا ہجومِ یاس و حرماں دل کے کاشانے میں ہے

درسِ عبرت اہلِ دنیا کے لئے بن جائے گی
مختصر روداد غم جو میرے افسانے میں ہے

اب مناسب ہے ہمارے واسطے دامن کشی
اب کشش ہی کون سی باقی صنم خانے میں ہے

یہ بلاؤں کو بھی خوش ہو کر لگاتا ہے گلے
اک عجب جوشِ محبت تیرے دیوانے میں ہے

باعثِ تکلیف تھا جسکا تصور بھی کبھی
اب وہ زندانِ الم اپنے ہی کاشانے میں ہے

خاطرِ ناشاد اسے لاؤں کہاں سے ڈھونڈھ کر
اب سکونِ دل چمن میں ہے نہ ویرانے میں ہے

رہ گیا ہے اب خدا کا نام باقی ہر طرف
دیکھئے تو کچھ حرم میں ہی نہ بتخانے میں ہے

وہ ملے کیا مل گئی دنیائے عشرت کی بہار
دولتِ کون و مکاں اب میرے کاشانے میں ہے

اور جائے گا کہاں اس کا ٹھکانہ ہے کہاں
جسمِ میکش میکدے میں جان پیمانے میں ہے

آج کل مجھ پر کرم ان کا ہی خوشتر بے حساب
زندگی سی زندگی اب میرے کاشانے میں ہے

سنہ ۱۹۲۳ء سے سنہ ۱۹۳۳ء تک

ای تعالی اللہ کیا قرآن نازل کردیا — حق کو حق جس نے کیا باطل کو باطل کردیا
اپنے بندوں کو دیا راہِ ہدایت کا سبق — کام اہلِ کفر کا مشکل سے مشکل کردیا
کہہ دیا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دین کو — تو نے دینِ مصطفیٰ دنیا میں کامل کردیا
راہ دنیا بھی دکھائی راہ عقبیٰ بھی ہمیں — انتظامِ زندگی منزل بہ منزل کردیا
بارک اللہ کی عطا دولت قناعت کی ہمیں — یعنی اس نے جیتے جی جنت میں داخل کردیا
نارِ نمرودی ہوئی گلزار ابراہیمؑ کا — تو نے حق کو حق کیا باطل کو باطل کردیا
جس نے سرکارِ محمدؐ کی غلامی کی قبول — تو نے اُس انسان کو انسانِ کامل کردیا
مرحبا محبوب کا احمدؐ لقب آیا پسند — تو نے اپنے نام میں ایک میم شامل کردیا

کرکے برتر تو نے سب سے اُمتِ خیرالانامؐ
بندگانِ خاص میں خوشتر کو شامل کردیا

نگاہِ کرم اب تو ہے باغباں کی
بناء پھر سے ڈالیں گے ہم آشیاں کی

چلے راہ پر منزلِ جاوداں کی
چلو آج قسمت کھلی کارواں کی

ترے نام پر ہیں جو مٹ جانے والے
تمنا نہیں ان کو نام و نشاں کی

سفینہ مرا جا کے ساحل پہ ڈوبا
کہاں آ کے ٹوٹی کہاں بادباں کی

ہمی کو تو خود اُن سے لینا نہ آیا
شکایت ہو کس سے شکایت کہاں کی

دعا گو ہیں گلشن کے قیدِ قفس میں
ہمیں یاد آتی نہیں آشیاں کی

یہ لو اڑ گیا نام گلشن سے اپنا
ہوا لے اڑی خاک بھی آشیاں کی

یہ ہم کیا کہیں اُنکے جلوے میں کیا تھا
عنایت سی تھی ایک برقِ تپاں کی

نگاہِ تلطف سے کیا تم نے دیکھا
دوا مل گئی مجھ کو دردِ نہاں کی

ملی ہے اسے میرے سجدوں سے رفعت
فلک پر ہے خاک اب ترے آستاں کی

مروّت لئے ہر زباں کی ہے خوشتر
یہی ایک خوبی ہے اردو زباں کی

خانۂ دل سے گیا صبر پشیماں ہو کر — لے لیا مول تری یاد نے مہماں ہو کر

چھا گئی جلوہ گہہ ناز پہ حیرت میری — رہ گیا آئینہ رو آپ بھی حیراں ہو کر

نہ چلی ایک وہاں آہ کی نہیں کے آگے — رہ گئے سب مرے ارمان پشیماں ہو کر

آج واللہ بڑے وقت پہ تم آ نکلے — رہ گیا ہے مجھے لیجانے کا ساماں ہو کر

اٹھ گئے عکس نگہ ہوش ربا کا انداز — رہ گیا جوہر آئینہ پریشاں ہو کر

میری وحشت کیلئے عرصۂ آفاق ہے تنگ — شرم آتی ہے بیاباں کو بیاباں ہو کر

آج کیا حال ہوا میری پریشانی کا — لوگ کیوں دیکھتے ہیں مجھکو پریشاں ہو کر

انگلیاں کاٹنے والے دم دیدار عزیز — دیکھتے ہیں تجھے انگشت بدنداں ہو کر

کثرت غم نے ہمیں چین ہی لینے نہ دیا — اٹھ گئے محفل عالم سے پریشاں ہو کر

عمر دنیا کو کسی طرح سے کرنا ہے بسر

خوش تو خوشتر نہیں اس بزم میں مہماں ہو کر

ہے تجلّی طُور کی حُسنِ بُتِ بے پیر میں
کوئی بے پردہ ہے لیکن پردۂ تصویر میں

زورِ وحشت سے نہ پوچھو عاشقِ گیسو کا حال
بال پڑتے جا رہے ہیں پاؤں کی زنجیر میں

ذوقِ آرائش کہیں رہنے نہیں دیتا مجھے
یعنی گھر گم ہو گیا ہے حسرتِ تعمیر میں

میں کسی کے دامنِ دولت سے وابستہ نہیں
غیر کی تقدیر کیوں ہوتی مری تقدیر میں

کام قاصد کا نہیں کچھ بہرِ عرضِ مدّعا
ایسی باتیں لائی جاتی ہیں کہیں تحریر میں

قید کرنا ہے اگر مجھ کو تو لو دیکھو ادھر
ہے بڑا بلّہ نگاہِ ناز میں اور تیر میں

کیس ادا پر مٹ گیا دل کچھ نہیں اسکی خبر
محو تھے ہم تو تری جادو بھری تقریر میں

یوں غرورِ حُسن ٹوٹا کر کے پروانے کا خوں
کٹ گئی ہے شمع آکر پنجۂ گُل گیر میں

کیا بتائیں ہم کہ خوشتر رات دن کا فرق ہے
اُس کے نورِ جلوہ میں اور ماہ کی تنویر میں

ہم سے نہ پوچھئے کہ کدھر دیکھتے رہے — تھی دیکھنے کی چیز جدھر دیکھتے رہے

اہلِ ہوس کو دید میسر نہیں ہوئی — جلوے کو ان کے اہلِ نظر دیکھتے رہے

دیکھا تو کام کا کوئی دن تھا نہ رات تھی — ہم زندگی کے شام و سحر دیکھتے رہے

آتی رہی ہمیں یہ مصیبت تمام عمر — ہم اپنی آہ کا یہ اثر دیکھتے رہے

دن رات ایک جلوۂ دیدار تھا نصیب — ہم روشنیٔ شمس و قمر دیکھتے رہے

جلوہ بوقتِ دید رہا جاذبِ نظر — ہم ہوش میں نہیں تھے مگر دیکھتے رہے

نالوں سے آگ سی تھی شبِ غم لگی ہوئی — ہم اپنے گھر میں رقصِ شرر دیکھتے رہے

اہلِ نظر کہاں تھے ہماری نظر کہاں — ہم بزم میں کہاں تھے کدھر دیکھتے رہے

لٹتی رہی جہاں میں خوشتر کی زندگی

ہم تھے کہ اسکو شام و سحر دیکھتے رہے

غزل

ہم کہاں ہمدم کہاں نامِ نشاط — آگئی بھولے سے اِک شامِ نشاط

کیجئے جی بھر کے آرامِ نشاط — روز روز آتی نہیں شامِ نشاط

کیا کہا ہم اور ناکامِ نشاط — ہے تمھیں سے رونقِ شامِ نشاط

ہے تمہاری ذات انعامِ نشاط — ہے تمھیں سے رونقِ شامِ نشاط

چشمِ ساقی کی عنایت دیکھئے — ہم نے جب چاہا پیا جامِ نشاط

ہاں خبردار ای گرفتارِ ہوس — بچھ رہا ہے ہر طرف دامِ نشاط

مٹ گیا دورِ مسرت مٹ گیا — رہ گیا باقی فقط نامِ نشاط

کسقدر دیکھو تو عبرتناک ہے — ہم نے جو دیکھا ہے انجامِ نشاط

بزمِ ہستی میں خدا کا نام ہے — اَب کوئی لیتا نہیں نامِ نشاط

ای دیارِ دوست یہ کیا ہو گیا — آج کل ویراں ہے کیوں بامِ نشاط

زیست شرمندہ سی ہو جاتی ہے کچھ — لب پہ آجاتا ہے جب نامِ نشاط

ہر طرف جلوؤں کا ہے رنگیں ہجوم — ہے عجب ہنگامہ ہنگامِ نشاط

ہر نفس خوش ہو کے اے خوشتر مجھے
دی رہا ہے آج پیغامِ نشاط

برس برس، اے ابرِ نو بہار برس
خزاں نصیب کو ہے کب سے انتظار برس

تری کرم پہ ہے ابرِ کرم مدار برس
ترس رہا ہے زمانہ ہزار بار برس

ہمیں جہاں کی کوئی بات ناگوار نہ تھی
کبھی کبھی ایسے بھی گذرے ہیں خوشگوار برس

جھڑی کو چلنے بھی دے اے گھٹا ابھی نہ گھٹا
تجھی پہ بادہ کشی کا ہے انحصار برس

زمانہ جنکو سمجھتا ہے حاصلِ ایام
ہماری زیست میں ایسے ہیں بے شمار برس

تمہیں جو میں نے کبھی ایکبار دیکھا تھا
اُس ایک لمحہ پہ قربان سو ہزار برس

برس رہی ہے نحوست سی غم کی دنیا پر
کئی برس سے آتے ہیں سوگوار برس

اے ابرِ رحمتِ باری مری خطا ہو معاف
کر اپنی شان کریمی کو اختیار برس

بچی نہ بحرِ فنا سے حیات کی کشتی!
جناب نوح جئے بھی تو کیا ہزار برس

جنھیں نکالا تھا خوشتر بڑی مصیبت سے
پلٹ پلٹ کے وہی آئے بار بار برس

غزل

حسنِ یوسف ہوا بے مول خریداروں میں
گھر سے نکلے تھے کہ بکتے پھرے بازاروں میں

وہ بھی ناراض ہیں اللہ کی قدرت دیکھو
ایک غمخوار تھے جو سینکڑوں غمخواروں میں

ڈر سے صیاد کے بھاگیں تو کہاں جائیں ہم
آشیاں کوئی بھی محفوظ ہے گلزاروں میں

ہمکو راحت کی زمانے سے تمنا کیوں ہو
جبکہ دنیا بھی اک آزار ہو آزاروں میں

باغِ عالم میں نہیں شاخِ نشیمن کا نشاں
بلبلیں تنکے لئے پھرتی ہیں منقاروں میں

وہ جب آجاتے ہیں شوخئ بیاں پر اپنی
نام میرا بھی گنا دیتے ہیں عیاروں میں

وہ بھلا خاک مصیبت کو مصیبت جانے
پرورش پائی ہو جس شخص نے آزاروں میں

تجھکو یہ ضد ہے تو دیوانہ ہوا ہے اے دل
کیوں وفا ڈھونڈتا پھرتا ہے جفاکاروں میں

مست ہیں پی کے ازل ہی سے شرابِ وحدت
کچھ عجب بات ہے ساقی تری میخواروں میں

چاک ہے دامنِ گل اف رے جنونِ الفت
لو بہار آتے ہی گل کھل گئے گلزاروں میں

خوابِ خوش ہے یہ خیال اہلِ تمہارا خوشتر
اہلِ دنیا ہیں نہ دنیا ہے وفاداروں میں

یہ حشر ہے کیوں جلوہ دکھایا نہیں جاتا
کیوں رُخ سے نقاب آج اٹھایا نہیں جاتا

دیکھا نہیں جاتا ہے دکھایا نہیں جاتا
وہ حال ہے دل کا کہ بتایا نہیں جاتا

ہم سے نہ اڑو ہم سے نہ بے پر کی اڑاؤ
ہر ایک کو باتوں میں اُڑایا نہیں جاتا

اب بیٹھ کے اُٹھنے کی بھی طاقت نہیں باقی
صدمہ تری فرقت کا اٹھایا نہیں جاتا

ہر شاخِ گل تر ہے شبستاں سے زیادہ
بلبل سے نشیمن تک اب آیا نہیں جاتا

اِک میں ہوں کہ دیدار کا پھرتا ہوں ندیدہ
اک تم کہ کبھی سامنے آیا نہیں جاتا

ہے منزلِ آرام ترا سایۂ دیوار
اب مجھ سے قدم آگے بڑھایا نہیں جاتا

کیا سنتے ہو آزادیٔ گلشن کا ترانہ
ٹوٹے ہوئے سازوں پہ یہ گایا نہیں جاتا

ہوتا ہے خداداد حسینوں کا ہر انداز
یہ حسن کا گلزار سجایا نہیں جاتا

ایسا بھی مقام آتا ہے اِک راہ بقا پر
ہمراہ جہاں اپنا پرایا نہیں جاتا

کیا کہیے کہ بت خانہ میں دیکھا نہیں کس کو
اپنا نہیں جاتا کہ پرایا نہیں جاتا

خوشتر ہمیں معلوم ہے جو رازِ حقیقت
اللہ کے بندوں سے چھپایا نہیں جاتا

غزل

ہم زلف پہ شیدا ہیں اور کام ہے وحشت سے — سودا یہ خریدا ہے بازارِ محبت سے

واقف تو ہمی ہم ہیں واعظ تری عادت سے — معلوم نہیں ہوتا کچھ شکل و شباہت سے

جب دل ہی نہیں بھرتا میرا ئے عشرت سے — پھر تو ہی بتا ناصح کیا ہوگا نصیحت سے

یوں عمر گذاری ہے ہم نے تری الفت میں — دیکھا کئے صورت کو کھیلا کئے حسرت سے

کعبہ نہیں بنتا ہے بتخانے میں رہنے دو — میں وہ ہوں کہ واقف ہوں اسرارِ حقیقت سے

بیچارے کی حالت پر آتا ہے ترس مجھکو — جلنے کیلئے حاسد مجبور ہے عادت سے

کاٹے نہیں کٹتے یہ تکلیف کے دن ہم سے — اب موت ہی آئے تو چھوٹیں گے مصیبت سے

کیوں رنج ہے اب خوشتر اغیار کی باتوں کا
سر اُن کو چڑھایا تھا کیوں تم نے مروّت سے

بن گئیں چھریاں ادائیں ناز خنجر ہو گیا
جان کا دشمن ہر اک اندازِ دلبر ہو گیا

جلوۂ بیتاب جب پردے سے باہر ہو گیا
عرصہ گاہِ خلق اک میدانِ محشر ہو گیا

بت خفا ہو کر گئے احسان مجھ پر ہو گیا
یعنی اب یہ دل فقط اللہ کا گھر ہو گیا

اب ستائے گا مجھے کیا اضطرابِ زندگی
اب تو یہ دل رنجِ ناکامی کا خوگر ہو گیا

ولولہ تھا منزلِ الفت میں شوقِ دل کے ساتھ
ایک نے ہمت دلائی ایک رہبر ہو گیا

جلوہ گاہِ ناز کی عشاق سے زینت بڑھی
یہ ہجومِ اہلِ دید اک حسنِ منظر ہو گیا

نفس پر قابو اگر پایا تو سب کچھ پا لیا
جیت اس کی ہے کہ جس سے وہ مسخر ہو گیا۔

قیمتِ مے ہو گئی خوشتر ہماری زندگی
جو ہمارے پاس تھا سب نذرِ ساغر ہو گیا

غزل

بس تری یاد ہے اور تیرا تمنائی ہے — میں ہوں اب اور یہ شغلِ شبِ تنہائی ہے

گلشنِ دہر ترا جلوۂ یکتائی ہے — یعنی ہر گل سے عیاں شانِ خود آرائی ہے

یہ بھی پینے کے لئے کوئی بُرا وقت نہیں — شبِ مہتاب نہیں ہے تو گھٹا چھائی ہے

واسطہ غم سے ہے اُسکو نہ خوشی سے مطلب — ساری دنیا سے نرالا ترا شیدائی ہے

بلبلیں گاتی ہیں سرمستِ خوشی کے نغمے — گلشنِ دہر میں پھر تازہ بہار آئی ہے

بے نیازی کا تری کون گلہ کرتا ہے — کسکو اے جانِ جہاں طاقتِ گویائی ہے

میں کہاں اور کہاں ایسے جنوں کے انداز — وحشتِ دل یہ تری حوصلہ افزائی ہے

محو ہوں تیرے تصور میں کچھ ایسا کہ نہ پوچھ — اب بھری بزم بھی میرے لئے تنہائی ہے

خاکساری سے ملا مجھکو شرف اے خوشتر
میں نے اس راہ سے ہر دل میں جگہ پائی ہے

اُٹھ گئی رسمِ ستم اہلِ جفا کو غم ہوا — کشتۂ تیغِ ادا کا دھوم سے ماتم ہوا

جیتے جی ہم کو رہا تیرے نمکداں کا خیال — زخمِ دل کس دن رہینِ منتِ مرہم ہوا

جان بھی دمباز نکلی ہم نے دیکھا آخرش — اس جہانِ بیوفا میں کب کوئی ہمدم ہوا

انعکاسِ غم کی صورت تھی پسِ مُردن ہمیں — ای غمِ ہستی بتا تو کس کو میرا غم ہوا

موت ہی آ کر مٹائیگی ہوس کی کلفتیں — جیتے جی تو شوقِ لطفِ زندگی بس کم ہوا

بعدِ مُردن رحم بھی آیا انھیں تو کچھ نہیں — کیا ہوا اب کچھ ہوا تو جب نہ اپنا دم ہوا

کیا بتائیں کسقدر عالم میں چھانی ہمنے خاک — کیا کہیں کیا کیا جنونِ عشق کا عالم ہوا

آنے جانے کا بپا ہے سلسلہ اس میں مدام — کس کے مرنے پر کہو سونا کبھی عالم ہوا

خوش نوایانِ چمن بیٹھے ہوئے ہیں کیا اداس — کون سا مرغِ خوش الحان آج آخر کم ہوا

یاد تو آنے لگی اس بزم میں خوشتر ملو

ہے بہت اتنا بھی اپنا ذکر اگر کچھ کم ہوا

حسن انداز پہ مغرور ہوا جاتا ہے | پاس رہ کر بھی وہ اب دور ہوا جاتا ہے

دل سکا جو زخم ہے ناسور ہوا جاتا ہے | درد خود مرہم کافور ہوا جاتا ہے

طعنۂ حسن پرستی کوئی دیگا کس کو | اب تو دنیا کا یہ دستور ہوا جاتا ہے

کوچہ گردی سے بیاباں کا ارادہ اچھا | سوچتا یہ ہوں کہ وہ دور ہوا جاتا ہے

رازداری کی نہیں دار کی حسرت ہے اسے | دل ترے شوق میں منصور ہوا جاتا ہے

چیز بھی ہے کوئی کمبخت یہ دولت منعم | اس پہ تو کس لئے مغرور ہوا جاتا ہے

گھر کہاں کا اسے چھوڑے تو زمانہ گذرا | مجھ سے صحرا بھی کچھ اب دور ہوا جاتا ہے

جسقدر مجھ سے وہ نزدیک ہوئے جاتے ہیں | اسقدر مجھ سے جہاں دور ہوا جاتا ہے

شیخ اصنام مجازی سے الجھتا ہے مدام | یہ حقیقت سے بہت دور ہوا جاتا ہے

خود کو نااہل بھی اب اہل سمجھ کر خوشتر

آپ ہی آپ میں مسرور ہوا جاتا ہے

تو تماشا تو دکھا حسنِ خود آرائی کا
پھر تماشا ہی تماشا ہے تماشائی کا

سارے عالم میں ہے چرچا مری رسوائی کا
یہ صلہ مجھ کو ملا تیری شناسائی کا

خواریٔ عشق میں اپنی تو کوئی فکر نہیں
ہاں مجھے غم ہے فقط آپکی رسوائی کا

زندگی کا تھا سبب آپکے وعدہ کا خیال
تھا یہی ایک سہارا شبِ تنہائی کا

آج جو پھول ہر گلشن کا ترے رنگ میں ہے
یہ کرشمہ ہے تری شانِ خود آرائی کا

کیا کہیں آپ سے کس طرح گزاری ہم نے
کیا کہیں آپ سے عالم غمِ تنہائی کا

صرف سجدہ ہوئی سب عمر تمہارے در پر
کر دیا فرض ادا ہم نے جبیں سائی کا

تیری تصویر ہے اور وسعتِ دنیائے خیال
بس یہی شغل ہے اب تو مری تنہائی کا

پاؤں پھیلا دیئے حسرت نے مرے سینے میں
اُف رے سفاک یہ عالم تری انگڑائی کا

کس کو معلوم ہے بیکس کی مصیبت خوشتر
کون ہے جاننے والا غمِ تنہائی کا

جز فکرِ تیغِ ناز نہیں دل کے سامنے
بیتاب لے چلا مجھے قاتل کے سامنے

چلتا ہوں اُسکے ساتھ جہاں مجھکو لے چلے
چلتی ہے میری بات کہیں دل کے سامنے

اس بختِ نارسا کو کہاں لیکے جائیے
میں دیکھئے تھکا بھی تو منزل کے سامنے

اندھیر حسن و عشقِ مجازی کا دیکھئے
حق کی شکست ہوتی ہے باطل کے سامنے

دیکھو تو بحرِ غم میں تماشا بنا ہے کون
ہے بھیڑ سی لگی ہوئی ساحل کے سامنے

یا رب ہو انقلاب کچھ ایسا جہاں میں
منعم کے ہاتھ پھیلے ہوں سائل کے سامنے

اک دن ضرور کرکے رہے گا اِسے تباہ
یہ جو ہجومِ غم ہے مرے دل کے سامنے

اے بیدؔ آکہ بام پہ ہے جلوہ گر وہ شوخ
شرطِ مقابلہ ہے مقابل کے سامنے

شوقِ تلاشِ یار کی گم گشتگی تو دیکھ
منزل کو ڈھونڈتا ہوں میں منزل کے سامنے

کچھ دور اور چل کہ یہ قسمت کا فیصلہ
دم توڑتا ہے کس لئے منزل کے سامنے

ساقی عطا ہو مجھکو بھی پیمانۂ الست
مدت سے ہوں کھڑا تری محفل کے سامنے

اس میں تو کوئی فخر کی خوشتر نہیں ہے بات
ہشیار کیا بنے کسی غافل کے سامنے

جبتک ہوں میں جہاں میں رسوا تیری لئے ۔۔۔ اچھا مرے لئے ہے نہ اچھا ترے لئے

دل کو کیا ہے صرفِ تمنا ترے لئے ۔۔۔ ہم نے اٹھالیا غمِ دنیا ترے لئے

وحشت سے دل کی کر لیا سودا ترے لئے ۔۔۔ سارے جہاں میں ہو گئے رسوا تری لئے

آئینۂ جمال ہے ہر ذرۂ وجود ۔۔۔ حیرت کا ہے مقام یہ دنیا تری لئے

ہے برشگال دیدۂ مشتاق کا جواب ۔۔۔ ابرِ بہار کا ہے یہ رونا ترے لئے

ای شمع وہ جمال جو پروانہ دیکھتا ۔۔۔ خود کو جلا کے خاک نہ کرتا ترے لئے

جی بھر کے پھر وہیں یہ تجھے دیکھیں گے ایکدن ۔۔۔ سنتے ہیں ہوگا حشر کا جلسہ ترے لئے

دل بستگی کی چیز یہاں اور کچھ نہیں ۔۔۔ مجھ کو ہے اس جہان میں جینا ترے لئے

چلتی ہوئی ہوا کو بھی ہے جستجو تری ۔۔۔ سیکھا ہے خضر نے بھی بھٹکنا ترے لئے

محدود جب نہیں ہے ترا شوقِ جستجو ۔۔۔ کافی نہ ہوگی وسعتِ دنیا تری لئے

خوش تو رہیں گی دیکھ پریشانیاں تری

ہوگا گراں یہ زلف کا سودا ترے لئے

دل میں ہے جب سے تصور ترے کاشانے کا
شوقِ کعبہ کا ہے مجھکو نہ صنم خانے کا

قصد ہے منزلِ ہستی سے گذر جانے کا
کچھ پتا تا نہیں ملتا مجھے مرجانے کا

دور اس دھوم سے چلتا رہے پیمانے کا
نام ابد تک رہے ساقی تری میخانے کا

آکے ویرانے میں دل ہو گیا ویرانے کا
راستہ بھی نہیں یاد اب مجھے کاشانے کا

تم کو معلوم بھی ہیں میرے جنوں کے انداز
تم نے پوچھا بھی ہے کیا حال ہے دیوانے کا

قصۂ حسن بدلتا ہے زمانے کی طرح
ہاں بدلتا نہیں کچھ عشق کے افسانے کا

اہلِ کعبہ کی ذرا بے خبری تو دیکھو
ان کو اب یاد بھی قصہ نہیں بتخانے کا

لے چلا ہے مجھے دل دشتِ جنوں کی جانب
خوب گذرے گی کہ اب ساتھ ہے دیوانے کا

آپ فرمائیے جب ابرِ بہاری نہ رہے
شیخ جی یہ بھی کوئی وقت ہے سمجھانے کا

لو چلے پھول چلی بن کے بلا بادِ سموم
اب چلو وقت ہے گلشن سے نکل جانے کا

بزمِ میکش ہے کوئی وعظ نہیں اے خوشتر
بیٹھو بیٹھو کہ یہاں دل نہیں گھبرانے کا

جلوۂ حسن عقیدت ہی عجب انداز کا
آشنائی راز بھی نا آشنا ہے راز کا

جائزہ میں نے لیا ہے اسکی ہر آواز کا
بھید ہی کھلتا نہیں کچھ زندگی کے ساز کا

وہ وفاؤں کو ہماری کچھ نہ سمجھے عمر بھر
دیکھئے انداز ان کے اس غلط انداز کا

ہوگیا معلوم ہم جیتے تھے مرنے کے لئے
مر کے عقدہ کھل گیا اب زندگی کے راز کا

ملے اجازت ہو وہاں سے تو مگر قسمت کی بات
راستہ ملتا نہیں ہمکو حریم ناز کا

آدمی ہو جائے غافل فکر سے انجام کی
بس یہی پہلا سبق ہے عشق کے آغاز کا

اڑتے ہیں اہل قفس سے ہمصفیران چمن
کچھ بہت ان کو بھروسہ ہے پر پرواز کا

پند گو بھی ہو گیا ہے اب تو میرا ہم نوا
وہ بھی قائل ہے تمہارے ناز کے انداز کا

اس نے اپنی چال سے بدچال رکھا جیتے جی
عمر بھر شکوہ رہا ہمکو دل ناساز کا

آ ادھر باغ سخن کی دیکھ لے خوشتر بہار
کھول آنکھیں نام لیکر بلبل شیراز کا

پھر ذرا پردہ اٹھاؤ تو حریمِ ناز کا
پھر کوئی جلوہ دکھاؤ طور کے انداز کا

کچھ سہارا چاہیے چشمِ غلط انداز کا
بات کرنا دیکھ کر رخ اس بتِ طناز کا

رنگِ محفل دیکھ کر رنگِ طبیعت دیکھ کر
کچھ سنا مطرب کہ یہ ہے وقت سوز و ساز کا

جانتا ہوں یہ کہ دم ہو کا دینے والا ہے نفس
چھوٹتا ہے دیکھیے کب ساتھ اس دمساز کا

نالۂ عشاق سنیے نغمۂ بلبل کے ساتھ
کیجیے انداز اہلِ درد کی آواز کا

مر کے مرقد بھی نہیں چھوڑا تمہارے غم نے ساتھ
زندگی بھر میں رہا مشکور اس ہمراز کا

وہ اٹھی محفل سے کیا محفل کی رونق ہی گئی
اب مطرب ہے نہ وہ چرچا ہے سوز و ساز کا

دل کی بربادی بھی اس کے واسطے ہے کوئی بات
یہ تو ادنیٰ سا کرشمہ ہے نگاہِ ناز کا

صبح سے خوشتر بتاتا ہے یہ اندازِ نسیم
آج قاصد آنے والا ہے دیارِ ناز کا

کرنے لگے ہیں اب تو خطا بے حساب ہم
بنتے چلے ہیں شانِ کرم کا جواب ہم

اے رہروانِ زیست جوانی میں کچھ نہیں
دیکھو ہیں کہ تھے کبھی جانِ شباب ہم

اے ہم نشیں خراب ہے کچھ زندگی کا راگ
چھوتے بھی اب نہیں کبھی چنگِ رباب ہم

بجھتی رہی کہ ساتھ رہی ہمت و وفا
دیتے رہے ہیں ان کے ستم کا جواب ہم

آنکھوں میں کوندتی ہیں بہاروں کی بجلیاں
کرتے ہیں یاد جب کبھی دورِ شباب ہم

ہم پر کبھی نگاہ کرم کی نہیں رہی
ہوتے رہے ہیں روز ہی نذرِ عتاب ہم

خمخانۂ شباب سے بادہ کشی ہے اب
اُن کی نگہ سے پیتے ہیں جامِ شراب ہم

اندازِ التفات سے کھاتے رہے فریب
اُن کے عتاب کو نہیں سمجھے عتاب ہم

اپنا وجود اپنی نظر کا فریب ہے
خود بن گئے ہیں حسنِ ازل کا نقاب ہم

خوشتر ہے اپنی اپنے ہی کردار پر نظر
دنیا کو کیا گنائیں گے عیب و ثواب ہم

دوست کی محفل میں کیوں اغیار کی باتیں کریں
کس لئے رہ کر گلوں میں خار کی باتیں کریں

عرضِ مطلب پر جو وہ بیکار کی باتیں کریں
کس طرح ہم اُن سے قلبِ زار کی باتیں کریں

میکدہ بر دوش ساقی، فصلِ گل کالی گھٹا
بادہ کش اسوقت کیوں انکار کی باتیں کریں

شرم مُہرِ لب سہی، چشمِ سخن گو دے جواب
وہ اشاروں ہی میں کچھ اقرار کی باتیں کریں

میکشی میں کیا دھرا ہے رند کا ہے کیا مقام
پندگو ہم تجھ سے کیا اسرار کی باتیں کریں

ہم کہیں کیا راستہ قدموں پہ رہتا ہے یہاں
پست ہمت منزلِ دشوار کی باتیں کریں

یہ بھی گلشن پر شباب آنے کی ہر اک خاص ادا
دیدہ ور کیوں نرگسِ بیمار کی باتیں کریں

جھونپڑوں میں رہ کے دیکھیں کس لئے محلوں کے خواب
اُجڑے ویرانے میں کیا گلزار کی باتیں کریں

ایسی کوشش کر کہ پیدا ہو یہ اندازِ کلام
وہ بھی اے خوشتر مری اشعار کی باتیں کریں

شراب محبت پلائے چلا جا — مجھے مست و بیخود بنائے چلا جا

تجلّی کی بجلی گرائے چلا جا — مجھے طورِ سینا بنائے چلا جا

نہ ہوگی کبھی اس سے سیری نہ ہوگی — مجھے اپنا جلوہ دکھائے چلا جا

جو چھیڑا ہے تارِ رگِ جاں کو مطرب — تو اب نغمۂ غم سنائے چلا جا

ہمیں دیکھنا ہے تو ہم دیکھ لیں گے — تو چلمن پہ پردے لگائے چلا جا

نہ ہنسنا ہے میرا نہ رونا ہے میرا — رلائے چلا جا ہنسائے چلا جا

گلوں پر بہارِ چمن بن کے چھا جا — یہی رنگ اپنا جمائے چلا جا

تری ہاتھ میں ہے مری دل کی بستی — اُجاڑے چلا جا بسائے چلا جا

کبھی تو وہ خوش ہو کے آئیں گے خوشتر
محبت کی پینگیں بڑھائے چلا جا

ہے کوئی مطرب نہ کوئی ساز ہے
بس مرا نغمہ مری آواز ہے

آدمی کا کب کوئی ہمراز ہے
میرا اپنا تو یہی انداز ہے

جا ہی پہنچوں گا کبھی منزل پہ میں
جذبۂ الفت پرِ پرواز ہے

زندگی کو جانتا ہوں زندگی
یہ غمِ دلدار کا اعجاز ہے

غمزدہ دل رہ گیا ہے اور میں
اب نہ وہ غمزے نہ وہ غمّاز ہے

زندگی کیا زندگی کا دوست کیا
ایک دشمن دوسرا دمساز ہے

ہے شکست و ریخت سامانِ جنوں
عقلِ خود بیں مفسدہ پرداز ہے

رہنے دے اللہ والے ہیں کہاں
تو بھی اے واعظ زمانہ ساز ہے

خوشتر ان کا بندۂ ناچیز ہے
یہ بھی تو اک صورتِ اعجاز ہے

کچھ اب تو محبت کا حاصل نظر آتا ہے
مجھ پر وہ بتِ کافر مائل نظر آتا ہے

کچھ کھیل نہیں دنیا آسان نہیں جینا
ہر کام یہاں مجھ کو مشکل نظر آتا ہے

ہر موج سمندر کی اٹھ اٹھ کے یہ کہتی ہے
لے ڈوبنے والے وہ ساحل نظر آتا ہے

پھر عشق نے کی ہمت کیا دیکھیے پیش آئے
پھر طور پر اب کوئی سائل نظر آتا ہے

حق کون سمجھتا ہے کیا قدر ہے اب حق کی
باطل کا زمانہ ہے باطل نظر آتا ہے

اس در سے پلٹ آتا مایوس ارے توبہ
روتا ہوں میں جب کوئی سائل نظر آتا ہے

خوشحال نہیں دیکھا ہم نے کسی عاشق کو
کچھ غم بھی محبت میں شامل نظر آتا ہے

ہے بے خبری چھائی دنیائے محبت پر
ہم دیکھتے ہیں جس کو غافل نظر آتا ہے

دیوانۂ الفت ہے دیوانہ نہیں خوشتر
یہ اپنے ہنر میں تو کامل نظر آتا ہے

گلچیں سے دور رہ گزرِ باغباں سے دور / اک شاخِ گل ملی ہے ہمیں آشیاں سے دور

درد و الم سے دور ہیں آہ و فغاں سے دور / بت زیرِ آسماں ہیں مگر آسماں سے دور

دنیا بنائی ہم نے چل کر یہاں سے دور / ہو اس زمیں سے دور کہیں آسماں سے دور

لے چل جنونِ وسعتِ کون و مکاں سے دور / ہم چلتے ہیں ایک جہاں اس جہاں سے دور

ظالم یہ نارسائیِ قسمت ہے اور کیا / ہم سر جھکا رہے ہیں ترے آستاں سے دور

آئی ہے راہِ شوق میں ظالم اجل کہاں / منزل ہماری چار قدم ہے جہاں سے دور

سچ پوچھیے تو لطفِ بقا ہے فنا کے بعد / ہم اس لئے ہیں زندگیِ جاوداں سے دور

وہ بھی عزیز ہے، ہمیں دل بھی عزیز ہے / ہم تو نہ دل سے دور نہ اس دلستاں سے دور

پابندیِ چمن بھی ہے قیدِ قفس مجھے / میں آشیاں میں رہ کے بھی ہوں آشیاں سے دور

راحت کی جستجو ہے تو لو ہم پتہ بتائیں / وہ اُن کے گھر کے پاس ہے میرے مکاں سے دور

اس ملک اس زمین سے گھبرا گیا ہے دل
خوشتر چلو بھی اب کہیں ہندوستاں سے دور

زد میں نگاہِ یار کی آنے لگا ہوں میں
اب اپنے دل کی خیر منانے لگا ہوں میں

جب سے فریبِ زیست میں آنے لگا ہوں میں
خود اپنی مشکلوں کو بڑھانے لگا ہوں میں

پھر آج کل بتوں کو منانے لگا ہوں میں
اُن کا غرورِ حسن بڑھانے لگا ہوں میں

جو آگ میرے دل میں لگاتی رہی ہیں وہ
اب آنسوؤں سے اس کو بجھانے لگا ہوں میں

کی جب سے دل نے راہِ حقیقت میں رہبری
بھولے ہوؤں کو راہ بتانے لگا ہوں میں

کچھ امتیازِ کعبہ و دیر اب نہیں رہا
ہر آستاں پہ سر کو جھکانے لگا ہوں میں

جا کر پہونچ نہ جاؤں کہ آتی ہیں ہچکیاں
شاید کسی کو یاد اب آنے لگا ہوں میں

جس شاخ پر رہی ہے ہمیشہ نگاہِ برق
پھر آشیاں اسی پہ بنانے لگا ہوں میں

لذت وہ دردِ دل میں ملی ہے کہ کیا کہوں
دل کو بھی اب تو درد بنانے لگا ہوں میں

خوشتر وہ میری بات کو سننے لگے ہیں اب
اب حالِ دل انھیں بھی سنانے لگا ہوں میں

چھوٹا ہوا یہ کام یہ دھندا نہ کیجئے
پھر اب جنونِ عشق سے سودا نہ کیجئے

دشمن اُڑائیں خاک تو پروا نہ کیجئے
میری طرف سے دل کبھی میلا نہ کیجئے

ہونے لگا ہے آپ کا چرچا بھی بیشتر
اب خود کو دیکھئے مجھے رسوا نہ کیجئے

اچھا حضور محوِ تماشا بنائیے
لیکن حضور میرا تماشا نہ کیجئے

یا شیخ جی بتائیے حورانِ خلد کو
یا سبز باغ ہمکو دکھایا نہ کیجئے

بندہ نواز کیجئے کچھ بات کام کی
ناکامیوں کا اب مری چرچا نہ کیجئے

صاحب کسی کی نیند میں کیوں ڈالئے خلل
ان کشتگانِ ناز کو زندا نہ کیجئے

اپنی نہیں وہ بات جو منھ سے نکل گئی
جو راز دل میں ہو اُسے افشا نہ کیجئے

اب مجھ میں تابِ ضبط وہ باقی نہیں رہی
اب میرے دل کو آپ دُکھایا نہ کیجئے

اپنی جگہ درست ہے قطرے کا بھی وجود
قطرے کو آپ دیکھئے دریا نہ کیجئے

ظالم یہ کیسی بات ہے واعظ یہ کیا کہا
دنیا میں رہ کے خواہشِ دنیا نہ کیجئے

کوئی نہیں کسی کا جہانِ فریب میں
خوشتر کسی کی بات میں آیا نہ کیجئے

ذوقِ مئے الست کو رسوا نہ کیجئے
ہر بوالہوس کو مست بنایا نہ کیجئے

جاتے ہیں آپ دیکھئے ایسا نہ کیجئے
برباد میکدے عیش کی دنیا نہ کیجئے

غیروں کی سن کے مجھ کو ستایا نہ کیجئے
بیکار آپ بات بڑھایا نہ کیجئے

پھر ہو خوشی کے بعد مصیبت کا سامنا
ایسا کرم تو مجھ پہ خدارا نہ کیجئے

اچھی بری نظر کا ہمیشہ رہے خیال
بے پردہ سب کے سامنے آیا نہ کیجئے

ہے دیکھنا ہمیں بھی خود اپنی نگاہ کو
ہاں بے حجاب آئیے پردا نہ کیجئے

ہرگز حدودِ شکر سے باہر نہ جائیے
شکوے کی بات بھی ہو تو شکوا نہ کیجئے

ہو ضبط جس سے مل کے محبت کا مدعا
ایسوں سے ربط و ضبط بڑھایا نہ کیجئے

دیکھا تو تھا کلیم کہیں آپ نے انھیں
اب دیکھئے یہ حجتِ بے جا نہ کیجئے

کشتی کا ناخدا نہیں اپنی تو کیا ہوا
اپنا خدا تو ساتھ ہے پروا نہ کیجئے

اہلِ نیاز دیر و حرم سے ہیں بے نیاز
ان سے حقیقتوں کو چھپایا نہ کیجئے

خوشتر کی التجا ہے یہی آپ سے مدام
محتاج اس جہاں میں کسی کا نہ کیجئے

کافر بتوں کی چاہ کئے جا رہا ہوں میں
یوں زندگی تباہ کئے جا رہا ہوں میں

جب سے سُنی ہے حسنِ مجازی کی داستاں
ہر حسینہ پر نگاہ کئے جا رہا ہوں میں

سب کچھ ہے دل کہ دل سے تمہیں چاہتا ہے دل
اب دل کی دل سے چاہ کئے جا رہا ہوں میں

شیخِ حرم کے ساتھ ہوں مصروفِ مے کشی
واعظ تجھے گواہ کئے جا رہا ہوں میں

فرصت ہے دو جہاں کی مری خاکِ پا کے ساتھ
سامانِ عزّ و جاہ کئے جا رہا ہوں میں

مصروفِ ذوقِ دید ہوں اسکی خبر نہیں
کسکی طرف نگاہ کئے جا رہا ہوں میں

اے شیخ مجھکو وسعتِ رحمت کا ہے خیال
اس واسطے گناہ کئے جا رہا ہوں میں

طوفاں میں خود کو ڈال چکا ہوں خبر نہیں
کشتی کو کیوں تباہ کئے جا رہا ہوں میں

محشر میں ہوں گی ساتھ مری تیری رحمتیں
یہ سوچ کر گناہ کئے جا رہا ہوں میں

خوشتر جہاں میں مجھ سے جو رکھتے ہیں کاوشیں
اُن سے بھی اب نباہ کئے جا رہا ہوں میں

ہجر کی شب ہے، آہ و زاری ہے
غم ہے، طوفاں ہے، بیقراری ہے

ہو گئی بے خودی میں لغزشِ پا
کیا کہیں کیا خطا ہماری ہے

جس دن آنی ہے موت آئیگی
یہ بھی کیا امرِ اختیاری ہے

عشق میں ہم گلہ کریں کس کا
بدنصیبی تو خود ہماری ہے

تم رہو دل میں اور نظر سے دُور
یہ بھی کیا رسم پردہ داری ہے

جا چکے دل کے ساتھ صبر و قرار
اب تو جانِ حزیں کی باری ہے

شیخ کے دل میں ہے خدا کا نام
ہم سے کہتا ہے یادِ باری ہے

کیا کہیں وقتِ مرگ ای خوشتر
زندگی کس طرح گذاری ہے

غزل

ہو کے افسردہ جانِ زار گئی
بزمِ ہستی سے سوگوار گئی

کائناتِ خیالِ یار گئی
دولتِ حسنِ انتظار گئی

ہجر میں تھا یہ موت کا عالم
لاکھ بار آئی، لاکھ بار گئی

دل تو ہارا ہی تھا محبت میں
میری آہِ رسا بھی ہار گئی

حسرتِ زندگی کو کیا کہیے
جو گئی جانِ دل فگار گئی

للہ الحمد تم ملے مجھ کو
دل سے اب فکرِ روزگار گئی

وہ دمِ واپسیں نہیں آئے
روح قالب سے بیقرار گئی

جن سے سازِ طرب کے سلسلے تھے
آہ وہ بزمِ سازگار گئی

اب کہاں حسن و عشق کے چرچے
وہ گئے، دل گیا، بہار گئی

میرے بگڑے ہوئے مقدر کو
اُن کی چشمِ کرم سنوار گئی

اب وفا ڈھونڈتے ہو کیا خوشتر
وہ پرانی تھی یادگار گئی

غزل

آئیں گے کیوں نہیں وہ آنے کے — دن تو آنے دو آنے جانے کے

دل سے پھرنے لگے زمانے کے — ہیں کچھ آثار راست آنے کے

راحت آمد ہے آپ کا آنا: — اب ستم ختم ہیں زمانے کے

میری حالت پہ مسکرا دیجے — آپ کے دن ہیں مسکرانے کے

ہم کو ٹھکرا دیا ہے دنیا نے — کام کیا آئیں ہم زمانے کے

ہمت افزا ہوئی ہے راہ طلب — کچھ مقام آ گئے ٹھکانے کے

میرے سجدوں کے جب نقوش ابھرے — کھل گئے راز آستانے کے

تم بڑھو راہ شوق میں خوشتر
حوصلے پست ہیں زمانے کے

جتنا مرے قریب وہ آتا چلا گیا
اُتنا ہی خود کو دُور میں پاتا چلا گیا

دل میں مرے وہ آگ لگاتا چلا گیا
میں آنسوؤں سے اسکو بجھاتا چلا گیا

وہ رُوٹھتے گئے میں مناتا چلا گیا
یوں شوخیوں کو ان کی بڑھاتا چلا گیا

بغض و حسد کی آگ میں جلتے رہے رقیب
ان کو مرا نصیب جلاتا چلا گیا

وہ مجھ سے راہ و رسم بڑھا کر چلے گئے
میں اپنے دل کی خیر مناتا چلا گیا

وہ بھی مرے بیان پہ اُٹھتے چلے گئے
بے پر کی نامہ بر بھی اڑاتا چلا گیا

چلتی رہی بزموں میں مری داستانِ غم
سنتے چلے گئے تو سناتا چلا گیا

جتنی بھی تھی کسی کی محبت میں دل کی بات
خوشتر بھی اپنا رنگ جماتا چلا گیا

چھوڑ جانا ہی پڑا دامانِ عیش   سب وہ رکھا رہ گیا سامانِ عیش

میں سمجھتا ہوں تمہیں عنوانِ عیش   اک تمہی جانِ جہاں ہو جانِ عیش

درد کی دنیا سے کوسوں دور تھے   یعنی تھے ہم بھی کبھی مہمانِ عیش

اہلِ راحت کی مصیبت کیا کہوں   خالی از کلفت نہیں میدانِ عیش

جو ہمیشہ رنج دیتے ہی رہے   وہ کریں گے کیا کوئی سامانِ عیش

زندگی رنج و محن کا نام ہے   کس لئے کوئی کرے ارمانِ عیش

آتے آتے رہ گئے وہ آج بھی   ہوتے ہوتے رہ گیا سامانِ عیش

تھا تلاطم خیز بحرِ زندگی   اس میں کیا آتا بھلا طوفانِ عیش

راحتِ ہستی ہے دو دن کی بہا   کیوں اٹھائیں ہم یہاں احسانِ عیش

اس قدر کلفت نے گھیرا ہے مجھے   یاد آتا ہی نہیں سامانِ عیش

آپ کو بھی خوشتر ایسی آرزو
آپ بھی کرنے لگے ارمانِ عیش

دلِ مبتلا تابہ کے یہ بلائیں — کہاں تک تری خیر اب ہم منائیں

کوئی راہ اب آپ ایسی بتائیں — کہ ہم سے یہ دیر و حرم چھوٹ جائیں

الٰہی وہ مڑ کے تو پھر ادھر آئیں — کہ ہم سے وہ روٹھیں ہم ان کو منائیں

تقاضائے جلوہ تو ہم بھی کریں گے — سنائیں تو وہ لن ترانی سنائیں

مجھے آزمانا ہے اپنی نظر کو — ذرا آپ رُخ سے تو پردہ ہٹائیں

یہ کہتی ہے افتادگی ہر قدم پر — کہ منزل یہی ہے یہیں بیٹھ جائیں

منائیں تو ہم اپنے روٹھے ہوئے کو — ذرا چل کے دیکھیں نصیب آزمائیں

دمِ واپسیں بس یہی ہے تمنا — وہ آکر مجھے اِک نظر دیکھ جائیں

اُدھر خوفِ صیاد اِدھر برق کا ڈر — بتاؤ تو کیسے نشیمن بنائیں

نہیں کوئی ہمدرد خوشتر جہاں میں
کسے جا کے اب دل کی باتیں سنائیں

مضطرب، بے قرار ہے دنیا — کس کی اُمیدوار ہے دنیا

اپنے مطلب کی یار ہے دنیا — کس قدر ہوشیار ہے دنیا

غیر سے ہمکنار ہے دنیا — بے وفا کا شعار ہے دنیا

کھیلتے ہیں وہ خون کی ہولی — آج گل لالہ زار ہے دنیا

کوسِ رحلت ہے اسکی ہر آواز — کوچ کی اِک پکار ہے دنیا

سب کو ہیں ناگواریاں درپیش — پھر بھی کیا خوشگوار ہے دنیا

مقتلِ آرزو اسے کہیئے — حسرتوں کا مزار ہے دنیا

جس خزاں کو نہیں امید بہار — اس خزاں کی بہار ہے دنیا

خارِ حسرت سے دل فگار ہے جو — اسکی نظروں میں خار ہے دنیا

جینے والوں کی اس میں گنتی کیا — مرشوں کا شمار ہے دنیا

ساری دنیا کو دیتی ہے دھوکے — کتنی بے اعتبار ہے دنیا

مرنے والوں کو زندگی ہے عزیز — کیسی غفلت شعار ہے دنیا

تم ہی انصاف سے کہو خوشتر

قابلِ اعتبار ہے دنیا

وہ بھی منزل مری نگاہ میں ہے
بُت کدہ بھی حرم کی راہ میں ہے

وہ مرے پردۂ نگاہ میں ہے
جلوۂ ناز مہر و ماہ میں ہے

اے خدا ہے بتوں کی اس پہ نظر
میرا ایماں تری پناہ میں ہے

سامنے تم ہو یا تصور ہے
دل مرا آج اشتباہ میں ہے

دونوں عالم نثار ہیں اِس پر
جو کوئی آپ کی نگاہ میں ہے

فتنۂ حشر کا ہر اک ساماں
آپ کے حسنِ بے پناہ میں ہے

تو نے پی ہی نہیں تو اے واعظ
کیا کہوں کیا مزا گناہ میں ہے

آتی ہیں الاماں کی آوازیں
آج تاثیر میری آہ میں ہے

دُور ہم اور پاسِ رسمِ نیاز
جلوۂ ناز جلوہ گاہ میں ہے

جبر پر صبر کر دلِ مجبور
لطفِ دنیا اسی نباہ میں ہے

دل مجھے ساتھ لیکے ڈوبے گا
یہ جو ظالم بتوں کی چاہ میں ہے

عالمِ بے خودی ہے اور میں ہوں
تیرا جلوہ مری نگاہ میں ہے

تیرے فضل و کرم سے یہ خوشتر
آج دنیا کے عز و جاہ میں ہے

غزل

اُن سے ملنے پر تو ناممکن کہ رُسوائی نہ ہو
ہے یہی اچھا کہ اچھوں سے شناسائی نہ ہو

قہقہہ بادِ بہاری بادہ پیمائی نہ ہو
کیا کہیں جب اپنے گلشن میں بہار آئی نہ ہو

اس دلِ بیتاب کا جو حال ہو منظور ہے
جلوۂ عریاں سہی لیکن ان کی رُسوائی نہ ہو

اپنی حالت خود نظر آئے اگر انسان کو
تو کسی کے حال کا کوئی تماشائی نہ ہو

نامہ بر آ کر دیارِ دل سے بیٹھا ہے اداس
خیریت تو پوچھ لو شاید خبر آئی نہ ہو

دیکھنے والے کے دل میں ذوقِ بینی چاہیے
ہو وہی صورت تو پھر کیوں جلوہ آرائی نہ ہو

سیرِ عالم ہو اگر منظور اے خوش تو تمہیں !
وہ فضا ڈھونڈو جہاں غم کی گھٹا چھائی نہ ہو

غزل

نادان محوِ عشقِ بتِ بیوفا نہ ہو
اے دل برا یہ کام ہے تیرا بُرا نہ ہو

جو مہرباں ہو کے ملے وہ جُدا نہ ہو
مجھ سے جہانِ شوق میں کوئی خفا نہ ہو

وہ کام مجھ سے کرے جو کسی نے کیا نہ ہو
یا رب مجھے وہ درد جو کسی کو ملا نہ ہو

مجھ کو چمن کے چھٹنے کا صیاد غم نہیں
غم ہے تو یہ کہ مجھ سے کہیں تو خفا نہ ہو

تم بدگماں ہو مجھ سے تو میں اور کیا کہوں
چاہوں بُرا کسی کا تو میرا بھلا نہ ہو

راہِ طلب میں ہیچ ہے رسوائیوں کا ڈر
وہ کام ہم کریں گے جو اب تک ہوا نہ ہو

لیکر خدا کا نام چلو راہِ شوق میں
خوشتر اگر نہیں ہے کوئی رہنما نہ ہو

غزل

مری بہارِ جوانی رہی خزاں کے لئے
رہی خزاں ہی خزاں میرے گلستاں کیلئے

نہ اُس سے ربط مجھے ہے نہ مجھ سے ربط اُسے
جہاں ہے میرے لئے اب نہ میں جہاں کیلئے

زمانہ بھولے نہ مرنے کے بعد بھی تم کو
بجز تو کام کچھ ایسا کرو جہاں کیلئے

نہیں کسی کو زمانے میں اب مری پروا
مرا وجود ہی بیکار ہے جہاں کیلئے

تلاشِ یار کی گم گشتگی معاذ اللہ
کہیں وجود ہمارا نہیں جہاں کیلئے

ہماری ساتھ کرم دیکھئے زمانے کا
ہزار رنج و مصیبت اور ایک جاں کیلئے

خیالِ راحتِ گلشن کبھی جو آتا ہے
قفس میں چنتے ہیں تنکے ہم آشیاں کیلئے

سنائیں اسکو جو سنتا ہے غور سے خوشتر
بیانِ شعر ہمارا ہے قدرداں کیلئے

میں ہی نہیں ہوں تیری تمنا لئے ہوئے
ہر ایک حسرتوں کی ہے دنیا لئے ہوئے

کس درجہ دیکھئے اُسے جوشِ نمود ہے
اُٹھتا ہے آب حباب بھی دریا لئے ہوئے

میرے وجود کا کوئی حاصل ضرور ہے
ورنہ زمانہ کیوں مجھے پھرتا لئے ہوئے

اس جنس کا جہاں میں خریدار کون ہے
کب تک پھرا کروں میں تمنا لئے ہوئے

غربت ہے اور حسرتِ ہر فتنۂ وطن
بیٹھا ہوں میں فراق کی دنیا لئے ہوئے

آتی ہے کس فریب سے ہر صبح نامراد
اُمید کامیابیٔ فردا لئے ہوئے

ہے یہ فریبِ زیست کہ ہے زندگی وبال
جیتا ہوں پھر بھی خواہشِ دنیا لئے ہوئے

اے دل جہانِ عشق کی پرواز دیکھنا
اُڑتا ہے حسن بھی پرِ عنقا لئے ہوئے

خوشتر ہی ایک مرد ہے میدانِ عشق کا
ہے کون اور درد کی دنیا لئے ہوئے

غزل

ذرہ ذرہ نے نئی ایک ادا پائی ہے — کس حسیں کا یہ جہاں جلوۂ رعنائی ہے

لوٹ کر اُن پہ جوانی کی بہار آئی ہے — اک تماشا ہے کہ قدرت بھی تماشائی ہے

شیخ کے دل میں کوئی بات نئی آئی ہے — آج کل پیرِ مغاں سے جو شناسائی ہے

خاک ناکام محبت غم تدبیر کرے — ساتھ دینے کی تو قسمت نے قسم کھائی ہے

امتیاز آئیں نہیں دیر و حرم کا کوئی — تیرا عاشق تو فقط نام کا شیدائی ہے

ہچکیاں نزع کی آئیں تو ہوا دل کو خیال — آج اس شوخ کو شاید مری یاد آئی ہے

دلِ بیتاب کا سودا نہ چکا نا جانے — تم نے پوچھا ہی نہیں کس کا یہ سودائی ہے

ہو گیا ہے یہ غم و درد کا گھر اے خوشتر

عشق نے جب سے مرے دل میں جگہ پائی ہے

غبارِ دل ہے کوئی آہ کا دھواں کوئی
مری نظر میں زمیں ہے نہ آسماں کوئی

تلاشِ یار کی گم گشتگی معاذ اللہ
کہ مجھ کو اب نہیں دیتا مرا نشاں کوئی

کہاں بیانِ انا الحق کہاں لبِ منصور
یہ رمز ہے کہ عیاں ہے کوئی نہاں کوئی

بیانِ حال میں چوری چھپے کی بات کہاں
ہمیں تو اب نہیں درکار رازداں کوئی

نہیں اگر غمِ صیاد تو قفس ہی نہیں
نہیں چمن میں تو محفوظ آشیاں کوئی

رہِ وفا سے نہ گھبرائے دل تو پھر کیا ہو
سہے بتاؤ تو کب تک یہ سختیاں کوئی

عجیب حال ہے اپنی خودی کی دنیا کا
عزیز و آشنا تھے نہیں یہاں کوئی

نہیں کلام یہ نا اہل کے لئے خوشتر
سنائیں ہم بھی جو سنتا ہو قدرداں کوئی

ہمکو ایسی زندگی سے عار ہونا چاہیئے
زندہ رہ کر کیوں کسی پر بار ہونا چاہیئے

جاگ اٹھا سارا زمانہ آگیا وقتِ عمل
ہمکو بھی اب خواب سے بیدار ہونا چاہیئے

ہو نہ غفلت ہو کہ دل پر چھائے زندگی
ایسے جینے سے تو اب بیزار ہونا چاہیئے

پھر گلوں پر آرہی ہے دیکھئے تازہ بہار
بلبلوں سے اب چمن گلزار ہونا چاہیئے

مبتلائے ساقیِ دوری کیوں رہے اپنا شعور
رندِ میکش بے پیئے سرشار ہونا چاہیئے

پھر جہاں کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے ہمیں
بس ہمیں اے ہمنشیں بیدار ہونا چاہیئے

زندگی ہی بے خبر رنج و مصیبت کا ہی نام
زندہ رہ کر غم سے کیوں بیزار ہونا چاہیئے

ہمکو جینے کے لئے یہ بھی سہارا ہے بہت
ایک چھوٹا ہی سہی اقرار ہونا چاہیئے

دوسروں کی شاعری پر ناز کرنا کچھ نہیں
تمکو خوشتر مخزنِ اشعار ہونا چاہیئے

غزل

ہو گیا زخمی جگر بھی دل بھی بسمل ہو گیا
جان کا دشمن ہر اک اندازِ قاتل ہو گیا

ہو گیا بے خود کوئی اور کوئی بسمل ہو گیا
اُن کے آتے ہی عجب کچھ رنگِ محفل ہو گیا

موت آتی ہے نہ وہ آتے ہیں اللہ رے نصیب
اب تو جینا ہی نہیں مرنا بھی مشکل ہو گیا

راہ گم کردہ تھی ہر اک کی اٹھائیں منتیں
ہم جہاں ٹھہرے وہاں احسانِ منزل ہو گیا

ذلتیں ہم نے اٹھائیں ہو گئے رسوائے دہر
عشق میں جو کچھ بھی ہونا تھا وہ حاصل ہو گیا

ہو گیا معلوم کشتی غرق ہوتی ہے کہاں
بدنصیبی اب مجھے اندازِ ساحل ہو گیا

نالہ ساماں ہو گئی ہر ایک نغمہ کی بہار
تیرے اٹھ جانے سے برہم سازِ محفل ہو گیا

پھونک کر سوزِ غمِ الفت نے روشن کر دیا
خاک ہونے سے ہمارا عشق کامل ہو گیا

دیکھ خوشتر فیض یہ پیرِ مغاں کی بزم کا
رہ گیا جو چار دن اُستادِ کامل ہو گیا

قرار دینے کب آئینگے بے قراروں کو
ابھی تو نیند سی آئی ہے غم گساروں کو

ہمیشہ کام ہے عیّاریوں سے یاروں کو
سمجھ لے اے دلِ ناداں فریب کاروں کو

تڑپ تڑپ کے شبِ ہجر رقصِ بسمل کا
تماشہ ہم نے دکھایا ہے چاند تاروں کو

سکھا دیا ہے کچھ آنکھوں کو غم سے بھر آنا
سکھا دیا ہے ابھی تو ان آبشاروں کو

بٹھاتی ہے انھیں خود شاخِ گل سر آنکھوں پر
بنا دیا تری نوکِ پلک نے خاروں کو

فلک نشین جنھیں کہتے ہیں ہیں یہی وہ لوگ
ملی ہے رفعتِ دنیا تو خاکساروں کو

کھلے نہ بھید کہیں ذوقِ دید بازی کا
چھپا کے رکھے تصور میں وہ داروں کو

فریب کاری اغیار کا شکار ہیں وہ
کریں گے یاد بھلا کیوں وفا شعاروں کو

مذاق اہلِ سخن کا مذاق ہے خوشتر
ملی ہے راہ نئی اب ادب نگاروں کو

غزل

قسمت نے غم کو عیش کا ساماں بنا دیا
مشکل یہ کام تھا مگر آساں بنا دیا

دل کو دیا وہ درد کہ راحت نصیب تھا
غم دے کے مجھکو دوست نے شاداں بنا دیا

لائی کسی کی یاد امیدوں کے قافلے
دل کو ہمارے خانۂ ارماں بنا دیا

رکھا اسی نے ہمکو بھی کوئے بتاں سے دور
رضواں کو جس نے خلد کا درباں بنا دیا

نادان چارہ ساز کی باتیں تو دیکھئے
دردِ جگر کو قابلِ درماں بنا دیا

تو نے کرم کیا مری قسمت چمک گئی
ذرے کو خاک کے مہِ تاباں بنا دیا

تھے جتنے اہلِ دید وہ تصویر بن گئے
جلوے نے اسکے بزم کو حیراں بنا دیا

پھولوں میں ہم نے غنچۂ دل کو ملا کے آج
اک سہرا حبیب کا زینتِ داماں بنا دیا

سمجھے ہم التفاتِ ستم ہائے یار کو
یعنی جفا و جور کو احساں بنا دیا

کیفِ سخن نے محفلِ شادی کو آکر آج
بزمِ سرور محفلِ رنداں بنا دیا

خوش تر خوشی یہی ہے کہ اس کارساز نے
راشد کا آج مجھکو بھی مہماں بنا دیا

غزل

خر بیانِ شوقِ طلب گار کیا کرے
ہو گو مگو کی بات تو اظہار کیا کرے

و کر جہانِ شوق میں بیدار کیا کرے
غفلت کے کاروبار میں ہشیار کیا کرے

رنے کا ایک وقت ہے اور زندگی وبال
اب یہ بتا کہ عاشقِ بیمار کیا کرے

ساقی کی چشمِ لطف وہ باقی نہیں رہی
اب لیکے جامِ مے کوئی میخوار کیا کرے

ھ رہ نوردِ شوق میں ہمت تو چاہیئے
آسان ہو کہ منزلِ دشوار کیا کرے

ہبات بات پر تو بگڑتے ہو بار بار
تم سے کوئی سوال کی تکرار کیا کرے

وُد اپنی زندگی کا بھروسہ نہ ہو جسے
وہ انتظارِ وعدۂ دیدار کیا کرے

دبہ شکن ہے خود ترا دینا شرابِ ناب
واعظ بھی سوچتا ہے کہ انکار کیا کرے

وسیٰ کا حال دیکھ چکا ہے جہانِ شوق
اب اور کوئی حسرتِ دیدار کیا کرے

خوشتر جوابِ رحمتِ باری نہ ہو سکا
سامان ہی نہ ہو تو گنہ گار کیا کرے

اللہ بزمِ ناز میں وہ بے نقاب ہے
دنیا میں یہ بھی ایک نیا انقلاب ہے

ملتے تو ہیں وہ مجھ سے مگر بولتے نہیں
یا رب یہ کیسی شرم ہے کیسا حجاب ہے

جس خواب میں کہ خوابِ زلیخا کی شان ہو
در اصل پوچھیے تو وہی خواب خواب ہے

سنتے تھے وہ دکھائیں گے دیدار حشر میں
لیکن یہاں بھی چہرے پہ انکے نقاب ہے

واعظ کو ہے نہ شیخ کو انکار مَے سے آج
دیکھو تو کس کے ہاتھ میں جامِ شراب ہے

ہے پردہ سوز تابِ رُخِ یار دیکھیے
رُخ پر نقاب بھی ہے تو وہ بے نقاب ہے

اے چارہ ساز تجھ سے گلہ کچھ نہیں مجھے
تقدیر کا جواب یہ تیرا جواب ہے

بیہوش ہم کو شیشہ و ساغر سے کیا غرض
ساقی کو مست آنکھ بھی جامِ شراب ہے

جس داغِ دل سے ہے مری دنیا کی روشنی
خوشتر مری نظر میں وہی آفتاب ہے

ہم زندگی کو وقفِ تمنّا نہ کر سکے
ہم سے نہ ہو سکا یہ تماشا نہ کر سکے

بیمارِ دردِ عشق کو اچھا نہ کر سکے
ان سے نہ ہو سکا وہ مداوا نہ کر سکے

رازِ درونِ عشق کو افشا نہ کر سکے
ہم انقلاب دہر میں پیدا نہ کر سکے

شکوا انھیں ہماری وفاؤں پہ بھی رہا
ہم بیوفائیوں کا بھی چرچا نہ کر سکے

دیکھا جو حشر حضرت موسیٰ وطور کا
پھر اور لوگ ایسی تمنّا نہ کر سکے

رسمِ حجاب، ایک حجابِ نظر سے تھی
جب یہ اِدھر اُٹھی تو وہ پردا نہ کر سکے

کچھ اس میں اپنی کوششِ پیہم نہ کر سکی
ہم دور ان کی رنجشِ بیجا نہ کر سکے

کھویا جہانِ شوق میں سرمایۂ حیات
افسوس ہم یہاں کوئی سودا نہ کر سکے

تھی یوں تو ہم میں طاقتِ پرواز بھی مگر
بیتابیوں سے اپنی کنارا نہ کر سکے

خوشتر رضا کا اُن کی ہمیشہ رہا خیال
ہم کوئی کام اپنی خوشی کا نہ کر سکے

دشت گھر سا نظر آتا ہے مجھے
گھر بھی صحرا نظر آتا ہے مجھے

تم سمائے ہو نظر میں جب سے
ہر اک اپنا نظر آتا ہے مجھے

دل سے ہر نقش مٹا جاتا ہے
اب یہ نقشا نظر آتا ہے مجھے

زندگی موت مصیبت آرام
اک تماشا نظر آتا ہے مجھے

گھر کا ساماں ہو کہ بازار کی فکر
ایک سودا نظر آتا ہے مجھے

کیا کروں کیا نہ کروں دنیا میں
وقت تھوڑا نظر آتا ہے مجھے

ہاتھ رنگتے ہیں مرے خون میں وہ
رنگ جمتا نظر آتا ہے مجھے

خوشتر اچھے سب ہی ہیں کیا کہیے
کون کیسا نظر آتا ہے مجھے

ایک مدت ہوگئی چھوٹے جہانِ زندگی
یاد بھی اب تو نہیں ہمکو بیانِ زندگی

درد و غم، رنج و الم تھے قدردانِ زندگی
ہم رہے دنیا میں جبتک میہمانِ زندگی

اے ستم پرور جوانی پر نہ اتنا ناز کر
چند روزہ ہے نشاطِ بوستانِ زندگی

زندگی لائی جہاں میں موت آئی چل دیے
کیا کہیں اپنا تو اتنا ہے بیانِ زندگی

مرنے والو! کس لئے خاموش ہو کر رہ گئے
کچھ بتاؤ تو ہمیں سود و زیانِ زندگی

دردِ فرقت سے ہوئی ہیں پھول کانٹوں کا جواب
خار ہے میری نظر میں گلستانِ زندگی

کون ہے خوشتر جہاں میں کس سے حالِ دل کہیں
کسکو ہم اپنا بنائیں رازدانِ زندگی

غزل

کل اُس نے پردۂ رُخِ زیبا اُٹھا دیا
موسیٰ کو تابِ حُسن سے بے خود بنا دیا

اہلِ وفا کو صاف ہی دل سے بھُلا دیا
تو نے وفا کا نام ستمگر مٹا دیا

اِک میرے آشیانۂ موہوم کے لئے
طوفان بجلیوں کا فلک نے اُٹھا دیا

گم گشتگی کی راہ پسند آ گئی مجھے
تیرا پتہ کسی نے کچھ ایسا بتا دیا

اللہ رے کرامت دنیائے عاشقی
لیلیٰ وشوں کو ہمسرِ مجنوں بنا دیا

گردابِ یاس نے مری اُمید کا جہاز
طوفانِ زندگی میں ٹھکانے لگا دیا

دامانِ گل بھی چاک ہے اُف رے جنونِ عشق
اے نو بہارِ حُسن یہ کیا گُل کھلا دیا

مجھ کو پُرانے دوست بھی پہچانتے نہیں
ایسا غمِ فراق نے لاغر بنا دیا

بزمِ سخن میں حضرتِ ناطق کے فیض نے
خوشتر مرے کلام کو خوشتر بنا دیا

اُمیدِ راحتِ ناپائیدار کیا کہنا
فریبِ زندگیٔ مستعار کیا کہنا

نمودِ گل بھی عجب شان ہے زمانے کی
تری بہار کا فصلِ بہار کیا کہنا

فریبِ وعدہ میں ہوں مبتلا دمِ آخر
مجھے ہے اب بھی ترا انتظار کیا کہنا

تجھے میں خوب سمجھتا ہوں ناصحِ مشفق
تری یہ شان یہ تیرا وقار کیا کہنا

ہمیں تو پاسِ مروّت ہے ورنہ کیا کہیے
تمھاری بات پہ اور اعتبار کیا کہنا

کرے گا یاد ہمیں بھول جا دلِ ناداں
خیال اور وہ غفلت شعار کیا کہنا

بھری جوانی اور آماجگاہِ غم خوشتر
خزاں یہ ایسی اور ایسی بہار کیا کہنا

الٰہی پھر آئے وہ دورِ زمانہ
کہ ہو شاخِ گُل پر مرا آشیانہ

تڑپتے ہیں سجدے ترستے ہیں ایماں
جبیں ڈھونڈھتی ہے ترا آستانہ

تمہارے تغافل سے انکی بن آئی
مِلا مرنے والوں کو اچھا بہانہ

ہمارے لئے وہ بھی اب مضطرب ہیں
سلامت رہے انقلابِ زمانہ

بعنوانِ فرہاد و شیریں ہی لیکن
ہماری کہانی ہے اُن کا فسانہ

مری آرزو کا بیانِ مفصّل
تری بزمِ عشرت کا رنگیں ترانہ

خُدایا جو ہے سجدہ گاہِ ملائک
دکھا اپنی خوشتر کو وہ آستانہ

کہاں یہ قفس اور کہاں آشیانہ
مجھے کھینچ لایا مرا آب ودانہ

جہاں ہم ہیں پہلے یہیں تھی یہیں تھا
محبت کی دنیا، وفا کا زمانہ

نظر برق کی ہے ہر اک شاخِ گل پر
بناؤں چمن میں کہاں آشیانہ

کبھی ناز تھا دورِ گردوں کو جن پر
وہی اب ہیں جورِ فلک کا نشانہ

دکھاتے تھے ہم بھی زمانے کو آنکھیں
ان آنکھوں نے دیکھا ہے وہ بھی زمانہ

یہی ہے کہ موت اپنی آتی نہیں ہے
نہیں اور جینے کا کوئی بہانہ

خدا کی عنایت ہے مجھ پر یہ خوشتر
طبیعت عطا کی مجھے شاعرانہ

ہے وجودِ ظاہری میرا مٹانے کے لئے
تیری تصویرِ خیالی ہے بنانے کے لئے

ہیں یہ تنکے خارِ چشمِ باغباں میں ہم صفیر
اَب جگہ ڈھونڈوں کہاں میں آشیانے کے لئے

ہائے اس سے دور ہی سر پھوڑ کے مرنا پڑا
عمر بھر پھوڑا ہے سر جس آستانے کے لئے

کس نے دیکھا طور پر جلوہ جمالِ یار کا
دیکھئے بجلی گری کس پر جلانے کے لئے

بیٹھنے دیتا نہیں کیوں ان کی بزمِ ناز میں
دردِ دل اُٹھتا ہے کیوں ہمکو اُٹھانے کے لئے

موت آ پہونچی مصیبت میں بہت اچھا ہوا
کون راحت میں اسے جاتا بُلانے کے لئے

اَب چمن چھٹنے پہ کیا ہو تا قلق اے باغباں
ہم تو رو بیٹھے ہیں کب کے آشیانے کے لئے

چل دیا ہی جب سے اے خوشتر خفا ہو کر کوئی
ہم ہیں مرگ و زیست کے جھگڑے چُکانے کے لئے

عشق کا دامن سنبھالا لطف اُٹھانے کے لئے
مل گئی وحشت ہمیں جھگڑے مٹانے کے لئے
آئی ہے یادِ صنم ٹھوکر لگانے کے لئے
شوق کے جذباتِ خفتہ کو جگانے کے لئے
میں تھکا ماندا ابھی سویا ہوں اے شورِ نشور
تو کہاں سے آگیا ظالم جگانے کے لئے
حیف ملتی ہی نہیں راہِ حریمِ دل ہمیں
وہ تو ہیں آمادہ خلوت میں بُلانے کے لئے
اِک مصیبت ہے ہمارا قصّۂ دردِ جگر
کون سُنتا ہے کہاں جائیں سُنانے کے لئے
کوئی غافل ہی کرے دنیا میں رہنے کا خیال
جب مقرر ایک دن سب کا ہی جانے کے لئے
اے دلِ ناداں یہ کیسی عیش و راحت کی اُمید
ہم تو دنیا میں فقط ہیں غم اُٹھانے کے لئے
موت کا ڈر کس لئے خوشتر یہ جب معلوم ہے
آدمی کی زندگی آئی ہے جانے کے لئے

جسے دیکھتے تھے گمان میں جسے ڈھونڈتے تھے بیان میں
جو ملا نہ سارے جہان میں وہ مکیں ہر دل کے مکان میں

نہ خوشی تھی کچھ نہ ملال تھا، وہ کھلا کہ مر کے جو حال تھا
مری زندگی کا خیال تھا، مرا تھا وجود گمان میں

مجھے اک جھلک سی دکھا گئے، مرے دل پہ بجلی گرا گئے
مجھے محوِ جلوہ بنا گئے، یہ غضب کیا ہے اک آن میں

نہ میں ذکرِ قہر و غضب کروں، نہ بیانِ رنج و تعب کروں
کہیں عرضِ حال تو جب کروں کہ اثر ہو غم کے بیان میں

دل و جاں کو میں نے جلا دیا، ترے غم میں خود کو مٹا دیا
مجھے پھر بھی تو نے بھلا دیا، یہی غم ہے مجھکو جہاں میں

کہیں کیا کہ ہم نے بھی کیا کیا، نہ بھلا کیا نہ برا کیا
گذر اس طرح سے ہوا کیا، ہے رہن عمر کی دوکان میں

یہ بیانِ خستگیِ ناتواں، وہ ثنائے مالکِ دو جہاں
کروں کس طرح سے بیاں بیاں، نہیں تاب میری زبان میں

نغمۂ بیخودی کی لے کل جو اٹھائی مست نے
ہنس کے رباب اٹھا لیا نغمہ زنِ الست نے

قصۂ دار و گیر کا حال ہے مختصر یہی
راز کو فاش کر دیا جوش میں آ کے مست نے

صبر و سکونِ دل گئے خاک میں یعنی مل گئے
رنگِ نشست کھو دیا تیرِ نظر کی شست نے

آپ کو کیا بتائیں ہم آپ کے دیکھتے ہوئے
کی ہیں جو چیرہ دستیاں چرخِ بلند و پست نے

آپ نے پہلے ڈالی کیوں نیست سے ہست کی بناء
پھر سے جو اختیار کی صورتِ نیست ہست ہے

تیرِ نگاہ ہر طرح دل کو تباہ کر گیا
صاف نشانہ آ گیا کی بھی خطا جو شست نے

بحرِ الم میں جب گرے تیغ کے گھاٹ اتر گئے
ہم کو تو پار کر دیا ایک ہی زورِ جست نے

خوشتر کھلے ہیں کلک کے جوہرِ شاعری مدام
کی ہیں عجیب بندشیں طبعِ دراز دست نے

غزل

جس کو راہِ عشق میں مٹنا گوارا ہو گیا
وہ نگاہوں میں زمانے بھر کی پیارا ہو گیا

اُن کی جانب سے محبّت کا اشارا ہو گیا
پھر دلِ مضطر کو جینے کا سہارا ہو گیا

عاشقی دیتی رہی مہر و وفا کا واسطہ
تم نے جو کچھ بھی کیا مجھ کو گوارا ہو گیا

المدد اے جوشِ وحشت عشق طشت از بام ہے
راز میں سمجھا تھا جس کو آشکارا ہو گیا

مجھ کو تیری ایک لمحہ کی خوشی کے واسطے
عمر بھر کا بھی ہجومِ غم گوارا ہو گیا

اس وجودِ ظاہری کا مٹ گیا سارا غرور
رُوح کا جب جسمِ خاکی سے کنارا ہو گیا

ڈھونڈتا ہے کس کو مخوشتر ہیں کہاں اہلِ وفا
ایسے لوگوں سے تو خالی دہر سارا ہو گیا

ہر حقیقت بھی نہیں بھی عالمِ اجسام ہے
دیکھنے والے کہاں ہیں دید اذنِ عام ہے

دید سے اُن کی نگاہِ واپسیں ناکام ہے
یہ مرے ذوقِ نظر کا آخری انجام ہے

ہیں ہزاروں اور کوئی پوچھنے والا نہیں
اِک ہجومِ بیکسی ہے حشر جس کا نام ہے

عاشقی کیا ہے جوانی میں بلائے جانِ زار
یا یہ کہیئے اپنی صبحِ زندگی کی شام ہے

اُس بتِ نا آشنا سے آشنائی کی اُمید
پختہ کارانِ وفا کا اِک خیالِ خام ہے

اس ستمگر کو بھی میرے درد کا احساس ہو
فی الحقیقت اے محبت درد اس کا نام ہے

حسن کی رسوائیاں ہیں دار و گیر اہلِ عشق
دیکھ لو تم رازِ منصور آج طشت از بام ہے

عاشقی سے دل کو تعلیم غلامی ہے نصیب
درحقیقت داغِ جگر سے بندۂ بے دام ہے

ہم نے اپنے آپ کو رہنِ غمِ ہستی کیا
پھر بتاؤ کون اس میں موردِ الزام ہے

دیکھئے تو کس قدر بگڑا ہے عالم کا نظام
جو نہیں کرتا ہے کارِ بد وہی بدنام ہے

عالمِ الفت کی حالت پوچھتے ہو کیا یہاں
ہر وہی افسردہ تر جسکا کہ خوشتر نام ہے

ان بتوں سے دل لگانے کا برا انجام ہے
یا الٰہی کس مصیبت میں دلِ ناکام ہے

بیعتِ پیرِ مغاں کی رسم اب تو عام ہے
رہنِ مے شیخِ حرم کا جامۂ احرام ہے

ہے کمالِ شوق خود ظالم عدوئے جانِ شوق
اضطرابِ دل ہمارا باعثِ الزام ہے

ہے وہی جوشِ جنوں پھر آ گئی فصلِ بہار
لیجئے اب پھر وہی ہنگامہ و ہنگام ہے

ان بتوں سے ترکِ الفت بات کچھ آساں نہیں
جو بتاتا ہے ہمیں واعظ وہ مشکل کام ہے

نام توبہ کا نہ لے واعظ خدا کے واسطے
ہے گھٹا چھائی ہوئی فصلِ بہارِ جام ہے

ہم سے لتے خوشتر بنی ہے داستانِ زندگی
زینتِ افسانۂ الفت ہمارا نام ہے

دل میں ہر ایک کے ہے، ہر اک کی نظر میں ہے
خوبی یہی تو اس بتِ بیداد گر میں ہے

موسیٰ گئے تھے جس کے لئے کوہِ طور تک
دیکھو تو اب وہ جلوہ ہماری نظر میں ہے

اب کس کو دیکھنے کی تمنا رہے ہمیں
ہم جس کو دیکھتے ہیں ہماری نظر میں ہے

دو دن کی زندگی ہے ہمیں گھر سے کیا غرض
بعد از فنا بتاؤ رہا کون گھر میں ہے

وہ بے نقاب ہیں تو یہ بے پردگی نہیں
پردہ جو آنکھ کا ہے وہ پردہ نظر میں ہے

اب ہے اجل ہی صورتِ راحت مرے لئے
مشکل جو کام تھا وہی آساں نظر میں ہے
تم دیکھنا کہ کر کے رہے گا اُسے تباہ
یہ جو ہجومِ غم دلِ شوریدہ سر میں ہے

رہنِ غمِ فراق ہیں جان و دل و جگر
میں قید میں ہوں قید بلا میرے گھر میں ہے
ناصح خود اپنے کام سمجھتا ہوں خوب میں
اچھا بُرا جہان کا سب کی نظر میں ہے
خوشتر ہمارے شعر کریں کیوں نہ سب پسند
خوشتر ہے جو کلام وہ سب کی نظر میں ہے۔

صحنِ گلزار سے خوش بلبلِ ناشاد نہ ہو
ڈھونڈھ وہ دشت کہ جس میں غمِ صیاد نہ ہو

مائلِ عشق سے غافل دلِ ناشاد نہ ہو
بے خبر صورتِ اصنام پہ برباد نہ ہو

درد و غم دل میں ہوں مہمان تو پھر خیر کہاں
یوں ہو آباد تو پھر کس لئے برباد نہ ہو

لاکھ آزاد نثار ایسی گرفتاری پر
قیدیٔ زلف خوشی سے کبھی آزاد نہ ہو

کیا سنیں وہ بھی جو عادت نہ ہو سننے کی ہیں
کیا کریں ہم بھی جو دل مائل فریاد نہ ہو

دل میں سوچو تو کیا تھا کوئی وعدہ کہ نہیں
کچھ پتہ اور بتاؤں جو تمہیں یاد نہ ہو

کہتے جاتے ہیں ہم اُن سے دلِ بیتاب کا حال
ڈرتے جاتے ہیں کہیں شکوۂ بیداد نہ ہو

منزلِ راحت ہے یہی کلفتِ ہستی کے لئے
تو غم و درد سے خوشتر کبھی ناشاد نہ ہو

درد آشنا ملے نہ کہیں چارہ گر ملے
مل کر کسی سے کچھ نہ ملا ہم اگر ملے

میں ڈھونڈتا رہا کہ کوئی راہ بر ملے
ملنے کو یوں تو مجھکو بہت ہمسفر ملے

بھٹکے ہوئے ملے کوئی شوریدہ سر ملے
ہمکو تلاش یار میں سب بے خبر ملے

رسم و رواجِ عشق میں ملنے کو دل سے دل
یہ کیا ضرور ہے کہ نظر سے نظر ملے

اے اہلِ حشر نارِ جہنم سے کم نہ تھے
طوفانِ زندگی میں جو برق و شرر ملے

دیر و حرم کی قید نہ تھی ذوقِ دید کو
جس سمت اٹھی نگاہ وہی جلوہ گر ملے

بیکار بوالہوس کو رہی آرزوئے دید
جلوؤں کو جستجو ہی سے اہلِ نظر ملے

اُن کی تلاش جذبۂ دل ذوقِ راہِ شوق
ہر گام پر مجھے تو یہی راہبر ملے

غربت میں بھی کہیں نہ ٹھکانا ہوا نصیب
بھاگے تھے جن سے ہمکو وہی بام و در ملے

ذکرِ جواب کیا انھیں خط بھیجکر تو دیکھ
ہم بھی کریں سلام جو پھر نامہ بر ملے

آئی قفس میں کیا ہمیں پرواز کا خیال
بیکار ہیں ملے بھی تو کیا بال و پر ملے

ملنا کسی سے مل کے مقدر کی بات ہے
کیا مل گیا جو تجھکو سکندر خضر ملے

اِک شورِ واہ واہ میں گم ہے بہائے شعر
شاعر سمجھ رہا ہے کہ لعل و گہر ملے

خوشتر نصیب اس کے ہیں میدانِ حشر میں
جسکو ہجومِ یاس میں خیر البشر ملے

کچھ ایسی صورتیں دیکھی ہیں میں نے بزمِ جاناں میں
کہ نقشہ آج تک پھرتا ہے میری چشمِ حیراں میں

بتا تو کچھ نرالا کیا ہے زاہد باغِ رضواں میں
ارے نادان آخر کیا نہیں ہے کوئے جاناں میں

ترا آنا گلِ مقصد ہوا پھولوں کے داماں میں
کہ تیرے دم سے رونق آج ہے ساری گلستاں میں

جنہیں اہلِ نظر اک آسمانِ حسن کہتے ہیں
کئی شمس و قمر پنہاں ہیں ان کے روئے تاباں میں

صدا غل خال کی ہے، یا کوئی شورِ قیامت ہے
یہ کون آیا کہ ہلچل پڑ گئی شہرِ خموشاں میں

ہمارے چاک دامن پر نظر ہے کس لئے واعظ
ذرا منہ ڈال کر تو دیکھ لے اپنے گریباں میں

ہوس پر کس لئے مرتا ہے کیوں اوقات کھوتا ہے
ارے نادان کیا ہے زندگی کے ساز و ساماں میں

سہارا جن پہ تھا کم بخت سیرِ بحرِ ہستی کا
مجھے لے جا کے پہنچایا ان ہی موجوں نے طوفاں میں

یہ سب کچھ فیض ہے پیرِ مغاں کا دیکھئے خوشتر
کہ ہم تک جام تو آیا ہے بڑھ کر بزمِ رنداں میں

کبھی واعظ کی محفل میں کبھی ہوں بزمِ رنداں میں
پریشاں حال ہوں پھرتا ہوں میں حالِ پریشاں میں

جنونِ عشق پھر سے ہے چاکِ دامانی کے ارماں میں
یہاں تارِ نفس بھی اب نہیں باقی گریباں میں

قیامت خیز نالے ہیں ہمارے دردِ پنہاں میں
نہاں ہے نوح کا طوفاں ہماری چشمِ گریاں میں

ضرور اے آسماں ہم میں تو کچھ باقی نہیں لیکن
اثر باقی ہے اب بھی کچھ ہماری آہِ سوزاں میں

جو سچ پوچھو تو در پردہ یہ اک انکی عنایت ہے
شمارِ جور ہم کرتے ہیں پرسش ہائے پنہاں میں

پریشانی بھی اپنی اب مجھے کچھ وجہ راحت ہے
ادائے زلفِ برہم ہے مری حالِ پریشاں میں

ہمیں رہنا نہیں منظور پابندِ مکاں ہو کر
نہ ہم زنداں میں رہتے ہیں نہ ہم صحنِ گلستاں میں

جہاں سے جانے والوں کو کبھی آتے نہیں دیکھا
خدا جانے انھیں ملتا ہے کیا شہرِ خموشاں میں

ہمیں کیا واسطہ خوشتر غرض کیا اہلِ دنیا سے
الگ دنیا لئے بیٹھے ہیں ہم اپنی بیاباں میں

ہمیشہ ہی رہا صیاد کا ڈر صحنِ گلشن میں
کبھی آرام سے گذری نہیں اپنی نشیمن میں

نہ جانا فرق کرنا ہم نے رہبر اور رہزن میں
بسر کی زندگی اس سادگی سے دوست دشمن میں

نئی تاثیر کچھ پیدا ہوئی ہے میرے شیون میں
مچی ہے ایک ہل چل سی نواسنجانِ گلشن میں

مذاقِ زندگی اپنا زمانے سے نرالا ہے
کہ یکساں ہی گذرتی جا رہی ہے دوست دشمن میں

فراغت ہو تو پابندی نہیں کچھ گھر کی پابندی
نہالانِ چمن آزاد ہیں اب صحنِ گلشن میں

گنہ گارانِ الفت نے سمیٹا کیا ہے اے واعظ
ارے نادان یہ کیا خاک لیجائیں گے دامن میں

چمن کے پتے پتے سے تری جلوے نمایاں ہیں
جھلک تیری ہے لالہ میں ترا ہے رنگ سوسن میں

کوئی موسیٰ کا جیسا دیکھنے والا تو پیدا ہو
وہی جلوے تو اب بھی منتظر ہیں دشتِ ایمن میں

جہاں میں سوختہ بختوں کی حالت کچھ نرالی ہے
خیالِ برق ہی سے آگ لگ جاتی ہے خرمن میں

مرا دورِ مصیبت ختم ہوتا ہی نہیں ہمدم
کہاں جاؤں کدھر جاؤں پڑی ہے جان الجھن میں

دل آزاری کی حد ہے حضرتِ واعظ کی باتوں پر
یہ صاحب تو بڑے کامل نظر آتے ہیں اس فن میں

شرابِ ناب نے بھی فیض پایا میکشوں نے بھی
نشہ لیکن وہی باقی ہے اُن کی چشمِ پُرفن میں

مرا بچپن ہی اچھا تھا کہ میں بے فکرِ ہستی تھا
جوانی نے تو آکر طوقِ غم ڈالا ہے گردن میں

کبھی یہ معترض اس پر کبھی وہ معترض اس پر
عبث بیکار کا جھگڑا ہے یہ شیخ و برہمن میں

الٰہی التجا خوشتر کی ہے تجھ سے کہ محشر میں
مرے عصیاں چھپیں سارے تری رحمت کے دامن میں

بنایا اس دلِ ناداں کو اپنا راہ بر میں نے
مصیبت مول لی میں نے خطا کی جان کر میں نے

کبھی رندوں کی محفل میں کبھی واعظ کی مجلس میں
اسی صورت سے کی ہے زندگی اپنی بسر میں نے

تمہاری جستجو میں خاک چھانی دشتِ ہستی کی
تمہارے واسطے سب دیکھ ڈالے بام و در میں نے

نہ ہوگا فائدہ اے پند گو نقصان تو ہوگا
قدم رکھا ہے راہِ شوق میں سب سوچ کر میں نے

ہزاروں بار یہ فصلِ بہار آئی گئی لیکن
کبھی نخلِ تمنا کو نہ دیکھا بار ور میں نے

سنو تو آزمائش اب نہیں تابِ شنیدن کی
بہت کچھ کر دیا ہے قصۂ غم مختصر میں نے

انہی آنکھوں میں اب فصلِ خزاں کا دور رہتا ہے
انہی آنکھوں سے دیکھی ہیں بہاریں عمر بھر میں نے

یہی دائم رہا خوشتر اصولِ زندگی میرا
کہ چھوڑے عیب دنیا کے لئے ڈھونڈے ہنر میں نے

دیکھ کر اُن کی حیا آنکھیں پشیماں ہو گئیں
میرے دل کی سب اُمنگیں دل میں پنہاں ہو گئیں

حسرتیں دل کی نیازِ وصلِ جاناں ہو گئیں
بستیاں دل میں جو تھیں آباد ویراں ہو گئیں

عشق کی بیتابیاں راحت کا ساماں ہو گئیں
اب مری دشواریاں کچھ مجھ کو آساں ہو گئیں

وہ بھی اب اُٹھوا رہے ہیں اپنی محفل سے مجھے
لو مری رسوائیاں اتنی نمایاں ہو گئیں

جب سے دیکھا ہے ترا نظارۂ برقِ جمال
بجلیاں لاکھوں مری آنکھوں میں پنہاں ہو گئیں

خانہ بربادی کا ساماں ہے الٰہی کیا ہوا
وحشتیں کیوں آ کے میرے گھر میں مہماں ہو گئیں

کیا کروں اے باغباں اب میں چمن کی آرزو
جو مری آزادیاں تھیں وقفِ زنداں ہو گئیں

چاک ہو کر جیب دامن ہو گئے زیبِ بہار
کھِل کے کلیاں زینتِ صحنِ گلستاں ہو گئیں

بھولے بھٹکے پھر وہ مجھکو پوچھتے ہیں غیر سے
پھر تسلی دہ نوازشہائے پنہاں ہو گئیں

بد نصیبی دیکھئے تو میری کشتی کے لئے
جتنی موجیں تھیں سمندر کی وہ طوفاں ہو گئیں

یاس کے پھندے میں پڑ کر ہو گیا جینا محال
اب ہماری زیست کی دشوار گھڑیاں ہو گئیں

دردِ سر بھولا ہوا ہوں دردِ دل کے سامنے
سختیاں الفت کی میری حق میں درماں ہو گئیں

پھر مجھے جوشِ محبت لے چلا ہے کھینچ کے
پھر ادائیں ان کی میرے دل کی خواہاں ہو گئیں

حسن کی شہرت ہماری دم سے دنیا میں ہوئی
عشق کی نیرنگیاں ہم سے نمایاں ہو گئیں

دیدبازی کا مزا اے ہمنشیں جاتا رہا
حسن کی نیرنگیاں جس دن سے عریاں ہو گئیں

دیکھتے ہی دیکھتے خوشتر زمانہ لٹ گیا
کیسی کیسی صورتیں آنکھوں سے پنہاں ہو گئیں

ہزاروں آفتیں جھیلی ہیں لاکھوں سختیاں میں نے
بہت کچھ ہو گیا پھر بھی نہ کی آہ و فغاں میں نے

دیا ہے اپنی خوش فہمی کا اکثر امتحاں میں نے
سمجھ کر بھی غلط سمجھا نہیں اُن کا بیاں میں نے

کبھی تخریبِ عالم کا سبب بنکر رہا ہوں میں
کبھی دی ہے جہاں کو دعوتِ امن و اماں میں نے

انھیں بھی کر دیا بے چین اپنے قصۂ غم پر
کچھ اس انداز سے جا کر کیا اسکو بیاں میں نے

جہاں تک شب کے بزم ناز سے رُخ اُسنے بدلا تھا
وہیں سے ختم کر دی زندگی کی داستاں میں نے

بہت حاصل کیا ہے درس گاہِ عشق و الفت سے
دیئے ہیں نامرادی کے ہزاروں امتحاں میں نے

دیا وعدۂ مسرت نے فریب زندگی کیسا
رہا جب تک بہاروں میں ذکی فکرِ خزاں میں نے

فریبِ التفات اس بزم میں کھاتا رہا برسوں
دلِ ناشاد کو اس طرح رکھا شادماں میں نے

مجھے کرنا پڑا پیدا اک سامانِ عشرِ یانی
خود اپنے جیب و داماں کی اُڑائیں دھجیاں میں نے

جنونِ کار کی جب حد سے گذری کار فرمائی
تو سب بیکار کر کے رکھ دی کارِ جہاں میں نے

بگاڑے یا بنائے کام اپنے کر لئے خوش تو
نہیں آنے دیا کارِ خرد کو درمیاں میں نے

غزل

خیالِ زیست سے دل بستگی نہیں ہوتی
اب انہیں بات ہی کچھ کام کی نہیں ہوتی
بغیر غم کے کبھی زندگی نہیں ہوتی
جو اس میں غم نہیں ہوتا خوشی نہیں ہوتی

سرِ غرور بھی ہوتا ہے خم مگر بے سود
نہ ہو جو عجز تو وہ بندگی نہیں ہوتی
سنا ہے عشق میں ایسا بھی وقت آتا ہے
کہ ہوش ہوتے ہیں گم بے خودی نہیں ہوتی

وہی ہے طور وہی تم ہو اور وہی ہم ہیں
پھر اب یہ کیا ہے کہ جلوہ گری نہیں ہوتی
ہمیں کو کس لیے دنیا سے ہو گلہ آخر!
یہ بیوفا تو کسی کی کبھی نہیں ہوتی

تجھی سے رونقِ بزمِ خیال ہوتی ہے
ترے بغیر خوشی سی خوشی نہیں ہوتی

رہی نگاہِ کرم ان کی جس پہ ای خوشتر
جہاں میں اس کے لئے کچھ کمی نہیں ہوتی

غزل

خیالِ عیش کو جو اک فریبِ دل سمجھتے ہیں
وہ دنیا کی کسی مشکل کو کب مشکل سمجھتے ہیں

کب آکر وہ سیہ خانے کی میرے لوشتی ہوں گے
جو اپنے روئے تاباں کو مہِ کامل سمجھتے ہیں

بتوں میں رہ کے آخر ہو گئے رسوا زمانے میں
اسی کو ہم تو اپنے عشق کا حاصل سمجھتے ہیں

تری باتیں، تری گھاتیں، ترے نقرے، تری چالیں
ہم اے ناصح تجھے اک مرشدِ کامل سمجھتے ہیں

ہمیں دیتا ہے دھوکا ہر کوئی یہ سادگی دیکھو
کہ ہم ہر ایک کے سینے میں اپنا دل سمجھتے ہیں

جفائیں ہم پہ کرتے ہیں تو اس کا غم نہیں ہم کو
خوشی یہ ہے کہ وہ ہم کو کسی قابل سمجھتے ہیں

ہماری رہ نوردی کو نہیں آسائشِ منزل
جہاں تھک جاتے ہیں ہم تو وہیں منزل سمجھتے ہیں

جو قابل ہیں وہ اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بنتے
وہ ناقابل ہیں خوش تر خود کو جو قابل سمجھتے ہیں

ناداں یہ کس شمار میں ہیں بے شمار دوست
ہوتے ہیں اس زمانے میں مطلب کے یار دوست

عنقا ہے جسکو کہتے ہیں ای جانِ زار دوست
دنیا میں یوں تو سینکڑوں ہیں جانثار دوست

جب دوست کہہ چکے تو نہیں دلپہ بار دوست
پروا نہیں جو چھٹے ہیں مجھ سے ہزار دوست

ہر اک کا درد ہے تجھے اے دل یہی سہی
تیرے لئے بھی ہے کوئی یوں بیقرار دوست

ساقی سے بھی یہ رکھتے ہیں مطلب کی دوستی
سچ تو یہ ہے کسی کے نہیں بادہ خوار دوست

کہتا ہوں حالتِ دل بیتاب دیکھ کر
ایسا نہ تو سے مجھے مرے پروردگار دوست

دنیا میں اس نے کس سے وفا کی ہے آج تک
رہتی ہے کس کی زندگی مستعار دوست

رہنا الگ ہی خوب ہے اس کارزار سے
شامت ہی جس کی آئی ہو رکھے وہ یار دوست

ناحق گھمنڈ ہے مجھے بیکار ہے غرور
ہے چند روزہ ہستی ناپائیدار دوست

مطلب کی دوستی ہے زمانے کی یاد رکھ
اپنا نہیں ہے ہو کوئی اپنا ہزار دوست

خوش ہیں جناب اپنے غلط اعتماد پر
خوشتر نے سیکڑوں کو بنایا ہے یار دوست

دل آرائی کرو لطفِ جوانی دیکھتے جاؤ
نئی روز اک بہارِ زندگانی دیکھتے جاؤ

جتائے دیتے ہیں ہم اے ئے عشرت کے متوالو
ذرا رنگِ فضائے آسمانی دیکھتے جاؤ

خیالِ مرگ ہے تسکینِ راحت کا سبب مجھکو!
شبک ہوتی چلی ہے سرگرانی دیکھتے جاؤ

ڈبوئے گا ہمیں غم دیکھتے ہی دیکھتے اکدن
ہوا جاتا ہے اونچا سر سے پانی دیکھتے جاؤ

محبت میں مقدر کے لکھے کا دیکھنا کیا ہے
بتوں کے ظلم دل کی مہربانی دیکھتے جاؤ

دلِ مرحوم کی اب یادگار اک داغِ حسرت ہے
بہائے جاؤ آنسو پرفشانی دیکھتے جاؤ

اسی رفتار سے آخر کہیں پہنچا نہ دے مجھکو
کہاں لے جا رہی ہے ناتوانی دیکھتے جاؤ

گرے ہیں ٹھوکریں کھا کھا کے اکثر اہلِ فن اس میں
ردیفِ شعر کے خوشتر معانی دیکھتے جاؤ

ہم نے دیکھے ہیں کرشمے جلوہ گاہِ ناز کے
ناز کے انداز کے آواز کے اعجاز کے

ہوتے ہوتے ہو گئے محرم وہاں ہم راز کے
اٹھتے اٹھتے اٹھ گئے پردے حریمِ ناز کے

کر دیا رسمِ وفا کو توڑ کر قصہ تمام
تو نے ٹکڑے کر دیے میرے دلِ ناساز کے

جب نظر اٹھی شکار اہلِ نظر کو کر لیا
تیر کب خالی گئے ان کی نگاہِ ناز کے

طعنۂ احباب، طنزِ اقربا، دشنامِ غیر
عشق میں ہم کو ملا یہ اس بتِ طناز کے

ہر نشانہ برمحل دیکھا تو ہر پہلو درست
ای نے یہ انداز اس چشمِ غلط انداز کے

مجھ کو خوش تر کیوں نہ اس پیرِ مغاں پر ناز ہو
جام میں جس کے نشے ہیں بادۂ شیراز کے

کمسنی جب جائے گی جب اُبھر آئے گا شباب
اِک نرالا رنگ دنیا کو دکھائے گا شباب

آگئی فصلِ بہاری بلبلیں ہیں شاد و شاد
چھا رہا ہے اِن دنوں گلشن پہ پھولوں کا شباب

مانتا ہوں یہ کہ ناصح بھی بُرا کہتا نہیں
جانتا ہوں یہ کہ جا کر پھر نہیں آتا شباب

زندگی ہم ایسی منزل سے بھی گذرے تھے کبھی ؟
کب گیا کب تک رہا آخر کب آیا تھا شباب

پھر ہجومِ شوق نے گھیرا ہے آخر کس لئے
کیا بہارِ عیش کی دنیا میں آئے گا شباب

زندہ باش اے فتنہ گر اِک زینتِ ہستی ہے تو
تو رہے اور رہتی دنیا تک رہے تیرا شباب

وہ گئے گھر سے تو خوشتر گھر کی رونق بھی گئی
تھا اُن ہی کے دم سے میری بزمِ عشرت کا شباب

غزل

ہیں جہاں والوں میں رشتے سانس کی آواز کے
کون پھر کس کا ہے جب یہ تار ٹوٹے ساز کے

ہیں مری نظروں میں انداز ان کے ہر انداز کے
میں نے سو پھیرے کئے ہیں اُن کی بزمِ ناز کے

موردِ الزام ہیں اب تک دلِ ناساز کے
ہم کسی دن آ گئے تھے دم میں اک دمساز کے

یہ ہوا آخر کہ مشکل ہو گیا اخفائے شوق
آپکے غمزے ہوئے غماز میرے راز کے

دیکھنے والے سلامت ہیں تو آخر ایک دن
خود بخود اٹھ جائینگے پردے حریمِ ناز کے

تمکو آزادی مبارک ہم صفیرانِ چمن
ہم اسیروں میں نہیں اب حوصلے پرواز کے

طور پر بھی ہم نے دیکھا وادیٔ ایمن میں بھی
اب نظر آتے نہیں جلوے دیارِ ناز کے

اُن کو سمجھایا نہیں جاتا سمجھنا چاہیئے
کچھ نرالے راز ہیں خوشتر نیاز و ناز کے

غزل

دوستی کی تھی تو یارِ مہرباں سمجھا تھا میں
جیسے تم نکلے تھیں ایسا کہاں سمجھا تھا میں

خود کو دنیا میں مکین لامکاں سمجھا تھا میں
مر کے دیکھا تو کہاں تھا اور کہاں سمجھا تھا میں

وہ بھی دن تھے باغباں کو باغباں سمجھا تھا میں
باغ میں ہر اک شجر کو آشیاں سمجھا تھا میں

ایک دھوکا تھا کہ اپنی بے نشانی دیکھکر
اپنی ہستی کو نشانِ بے نشاں سمجھا تھا میں

سننے والے تھے کہاں دنیا میں ایسی داستاں
شکوہ ہائے غم کو فعلِ رائیگاں سمجھا تھا میں

ہجر کی کلفت سے گھبراتا مگر مجبور تھا
اسکو اپنی زندگی کا امتحاں سمجھا تھا میں

عاقبت کا بھی وہاں سودا پسند آیا نہیں
کاروبارِ زندگی کو رائیگاں سمجھا تھا میں

کیا بتاؤں اب کہ بالآخر کہاں جا کر ملے
یہ نہ مجھ سے پوچھئے ان کو کہاں سمجھا تھا میں

دل بتوں سے جا ملا خوشتر غضب کی بات ہے
اسکو اپنی زندگی کا رازداں سمجھا تھا میں

غزل

ستم ڈھاتا رہے گا ہم پہ تو اے آسماں کب تک
گریں گی تھسر کی آخر یہ ظالم بجلیاں کب تک

الٰہی ختم ہوگا یہ مرا دورِ خزاں کب تک
مرے گلشن میں آئے گی بہارِ جاوداں کب تک

کب آئے گا بتاؤ ہم پہ کس دن رحم آئے گا!
سنو گے تم ہمارے دردِ دل کی داستاں کب تک

کبھی تو یار آور بڑھ کے نخلِ آرزو ہوگا
ہماری کوششیں جائیں گی آخر رائیگاں کب تک

دلِ ناکام کیوں ایسی مصیبت مول لیتا ہے
خیالِ زلف میں روز اک بلائے ناگہاں کب تک

حقیقت پھر حقیقت ہے، حقیقت خود عیاں ہوگی
رہو گے تم مری جانب سے آخر بدگماں کب تک

کبھی میعاد ہوگی ختم ایامِ اسیری کی؟؟
مری قسمت میں ہے گننا قفس کی تیلیاں کب تک

مدینہ کی تمنا ہے اسے آقا بلا لیجے!
رہے بیتاب خوشتر ساکنِ ہندوستاں کب تک

میں اپنے دل کی آگ میں کب تک جلا کروں
حاصل نہ ہو جو طور کی قسمت تو کیا کروں

سنتا نہیں اُسے نہ سناؤں تو کیا کروں
تا چند پندِ ناصحِ مشفق سُنا کروں

دل اور حرفِ شکوہ یہ کہنے کی بات ہے
میں اور بھول کر بھی تمہارا گلا کروں

ہوں گے نہ ختم زیست کے جھگڑے تمام عمر
آخر جیوں بھی میں تو کہاں تک جیا کروں

ہوتا سنا ہے گوشت سے ناخن جُدا کہیں
کیونکر ترے خیال کو دل سے جُدا کروں

احباب ہی کے ساتھ میں تھا زندگی کا لُطف
وہ بزم ہی نہیں ہے تو میں جی کے کیا کروں

میں کیا کروں کہ ہے مری تقدیر میں لکھا
اہلِ جفا کے ساتھ ہمیشہ وفا کروں

کس نے نہیں دیئے مجھے رنج دیئے ہیں رنج
کس کس کا اب بتائیے خوشتر گلا کروں

وہ سنتے ہیں تو غم کی داستاں کہنا ہی پڑتا ہے
یہاں کہتے ہی بنتی ہے، یہاں کہنا ہی پڑتا ہے

یہ مجبوری فلک کی سختیاں کہنا ہی پڑتا ہے
ہمیں اب تو بصد آہ و فغاں کہنا ہی پڑتا ہے

نظر آتا ہے ہر انداز اس میں دل نوازی کا!
ادائے جانستاں کو جانِ جاں کہنا ہی پڑتا ہے

در و دیوار کی کوئی حقیقت ہو نہ ہو لیکن
یہاں ہم ہیں تو اب اپنا مکاں کہنا ہی پڑتا ہے

کوئی کچھ دینے والا تو نہیں بازارِ الفت میں
مگر ہوتا ہے جو سود و زیاں کہنا ہی پڑتا ہے

ستم حد سے گذر جاتے ہیں اکثر ان کے کوچے میں
ہمیں اب اس زمیں کو آسماں کہنا ہی پڑتا ہے

کبھی کچھ کام کی باتیں بھی ہو جاتی ہیں جب ان سے
تو پھر قسمت کو اپنی کامراں کہنا ہی پڑتا ہے
بھلا ہو یا بُرا ساتھی تو ہے اک مرنے جینے کا
دلِ محزوں کو اپنا رازداں کہنا ہی پڑتا ہے

چمن میں جورِ گلچیں ہم سے اب دیکھا نہیں جاتا!
بمجبوری یہ تجھ سے باغباں کہنا ہی پڑتا ہے
انھیں مجھ سے محبت ہے یہ سب کہنے کی باتیں ہیں
وہ کہتے ہیں تو ان کی ہاں میں ہاں کہنا ہی پڑتا ہے
کوئی کہتا ہے کیا رسم کرم پر کیا کہیں خوشتر
ہیں تو مہرباں کو مہرباں کہنا ہی پڑتا ہے

محفلِ سوز و ساز کا ہے تو وہی مقام ابھی
تارِ نفس پہ ہے جہاں نغمۂ ناتمام ابھی

سیرِ جہاں ہے ناتمام دُور ہے اختتام ابھی
سیر یہ ہے کہ ہم تمام اور یہ ناتمام ابھی

بادہ کشی کے ہیں یہ دن توبہ کا لے نہ نام ابھی
کام سے اپنے کام رکھ اے دلِ شاد کام ابھی

بڑھ ابھی زورِ آہ بڑھ چرخ کو بدلے دیتے ہیں
تجھ سے جہانِ عشق میں لینے ہیں مجھکو کام ابھی

کیسے کہوں کہ آگیا، دورِ جہاں میں انقلاب
میرے لئے تو ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی

تن تن کی بندشیں، قیدِ حس سے کم نہیں
یعنی نظام ایک ہے، ایک ہی انتظام ابھی

جوشِ جنوں ہے بے حساب اور تلاشِ ناتمام
ڈھونڈھ رہا ہوں اس لئے زندگی دوام ابھی

ہم نہیں کوئی غم نہیں دل نہیں چل نہیں سہی
اور بھی تیرے دور میں ہے کوئی شادکام ابھی

ماہِ تمام ہے یہی گھر کا چراغ گھر میں ہے
داغِ دلِ حزیں سے ہے رونقِ بزمِ شام ابھی

ہے یہی سلسلہ تو پھر شغل یہیں سے کیوں نہ ہو
ساقیٔ حشر چاہیئے ہمکو تو لطفِ عام ابھی

قیدِ حیات کے لئے قیدِ قفس کہاں نہیں
رہنِ چمن ہے دل ابھی رنگِ چمن ہے دام ابھی

شمس و قمر کا ذکر کیا، صبحِ الم کی فکر کیا
میرے لئے تو زیست میں آئی ہے ایک شام ابھی

فیضِ ابوالحسن سے ہے حسنِ سخن مرے لئے
میرا کلام دیکھنا خوشترِ خوش کلام ابھی

خوشی کا غم نہ ہو، ظالم ہیں غم کی خوشی کیوں ہو
ترا سودا نہ ہو سر میں، تو یہ دیوانگی کیوں ہو

غم و کرب و الم سے دور اپنی زندگی کیوں ہو
یہی جینے کے ساماں ہیں، تو پھر ان میں کمی کیوں ہو

کدورت دل میں جب ہو تو کسی سے دوستی کیوں ہو
جسے تم دوست کہتے ہو، اسی سے دشمنی کیوں ہو

جنابِ خضر کو آخر غرورِ زندگی کیوں ہو
کہ جب مرنا مسلّم ہے تو جینے کی خوشی کیوں ہو

خیالِ آرزو سے باز آ اے عافیت دشمن
نہ ہو جب مدّعا کوئی تو کوئی مدّعی کیوں ہو

نہیں جب رابطہ شیخ و برہمن، دیر و مسجد میں
تو پھر نامِ خدا باہم بنائے دشمنی کیوں ہو

تمہاری یاد میں کٹتا ہے اچھا روزِ تنہائی
جہاں میں جبکہ تم ہو اسکو رنجِ بیکسی کیوں ہو

ہماری بھی تو کچھ ہو گی خوشی راہ محبت میں
یہاں ہر گام پر آخر تمہاری ہی خوشی کیوں ہو

مصیبت اور راحت ہی سے ملکر زیست بنتی ہے
تو پھر دنیا کی کلفت سے پریشاں آدمی کیوں ہو

بیانِ چند گو سے جوش پر دریائے رحمت ہے
تو پھر اب محتسب پینے پلانے میں کمی کیوں ہو

جہاں ہم تم ہوں باہم پھر وہاں کیا کام ہستی کا
خودی کا دخل کیوں ہو درمیاں یہ بیخودی کیوں ہو

سنائے جا کہ مطرب پھر یہ رُت مشکل سے آئے گی
وفورِ فصلِ گل جب ہو تو نغمے کی کمی کیوں ہو

یہ اُس اُردو کی خدمت ہے جو خوشتر سب سے بہتر ہے
تو پست اسمیں کسی کا پھر مذاق شاعری کیوں ہو

ابر آپہونچا بہار آنے کا موسم آگیا
اب تو آجاؤ کہ آجانے کا موسم آگیا

پھر جنونِ عشق بڑھ جانے کا موسم آگیا
پھر بیاباں کی ہوا کھانے کا موسم آگیا

سرد مہری کی ہوا میں آگئی دل کی کلی
اب یقیناً اس کے مرجھانے کا موسم آگیا

آنسوؤں کی بندھ گئیں جھڑیاں کسی کی یاد میں
اب تو اس پانی میں بہہ جانے کا موسم آگیا

یہ شرابِ تلخ، یہ کالی گھٹائیں دیکھیے
بند آنکھیں کرکے پی جانے کا موسم آگیا

مجھکو جن کانٹوں کا کھٹکا تھا مصیبت دیکھیے
کچھ اُن ہی میں اب اُلجھ جانے کا موسم آگیا

اے زہے تقدیر جو قمرؔ آرہے ہیں وہ یہاں
اب تو بگڑے کام بن جانے کا موسم آگیا

مزاجِ عشق میں پہلی سی تازگی نہ رہی
وہ سرخوشی نہ رہی نام کو ہنسی نہ رہی

ہیں جو آج چراغوں کی تھی خوشی نہ رہی
وہ آ گئے تو چراغوں میں روشنی نہ رہی

ترے غرور سے رسمِ نیاز ختم ہوئی
مری طلب میں بھی پہلی سی عاجزی نہ رہی

مآلِ منزلِ ہستی ارے معاذاللہ
مقامِ عیش جب آیا تو زندگی نہ رہی

نظامِ نو کی تمنائیں ہم کو تھیں کیا کیا
جب آ گیا تو کوئی بات کام کی نہ رہی

ان ہی کے ساتھ تھے عیش و نشاط کے قصے
چلے گئے تو کوئی بات کام کی نہ رہی

خود اپنی قدر کر اسیر نہ ہو کے رہ ناداں
جو قدر چار میں ہے یہ رہی رہی نہ رہی

عجیب حال ہے خوشتر آب آدمیت کا
بتوں کے دور میں آ کر یہ آدمی نہ رہی

ہے یہی اچھا کہ ان کا سامنا ہوتا نہیں
جب یہ ہوتا ہے تو پھر میرا اپنا ہوتا نہیں

غیر کے نقصان سے اپنا بھلا ہوتا نہیں
ہاتھ سے اچھوں کے لوگوں کا بُرا ہوتا نہیں

اے دلِ ناآشنا کیا آشنا ہوتا نہیں
کیا کہا دنیا میں کوئی باوفا ہوتا نہیں

پست کچھ اہلِ وفا کا حوصلہ ہوتا نہیں
وہ بُتِ ناآشنا لاکھ آشنا ہوتا نہیں

ہے اٹل اپنی جگہ ناداں مشیت کا اصول
اپنی مرضی سے غمِ دنیا جدا ہوتا نہیں

کس سے بزمِ غیر میں کیجے مصیبت کا بیاں
جب وہاں کوئی کسی کا ہمنوا ہوتا نہیں

ٹوٹتا ہے کس طرح طوفاں کے دھاروں کا غرور
ڈوبنے والا تو اس سے آشنا ہوتا نہیں

اب وہی آکر سجاتے ہیں مری بزمِ خیال
اب وہی ہوتے ہیں کوئی دوسرا ہوتا نہیں

آج تک دنیائے فانی نے دیا ہے کس کا ساتھ
کون ہے جو اس سے گھبرا کر جدا ہوتا نہیں

دیکھ کر اپنا پرایا جن کا ہوتا ہے سلوک
فرضِ انسانی کبھی اُن سے ادا ہوتا نہیں

دل بھی جھک جائے تو اس کا نام ہے یہاں بندگی
سر جھکا دینے سے کچھ سجدہ ادا ہوتا نہیں

کشمکش میں ضبط کی اتنا تو ہوتا ہے ضرور
درد بڑھتا ہے مگر حد سے سوا ہوتا نہیں

یا نبیؐ خوشتر کو ہے بس آپ ہی کا آسرا
سنتے ہیں محشر میں کوئی آشنا ہوتا نہیں

غزل

دنیا کے ذرّے ذرّے میں جب عکسِ جمالِ عرفاں ہے
تو اہلِ نظر بن رہی قطرہ دیدار کا ہر سو ساماں ہے

پرسش سے غرض کیا، حاصل کیا، اب کس کو فکرِ درماں ہے
جو حالِ مریضِ ہجراں تھا، وہ حالِ مریضِ ہجراں ہے

بیمارِ غم اور اچھا ہو، کیا رکھا ہے ان باتوں میں
اے چارہ گر دیکھ سوچ تو اس درد کا بھی کچھ درماں ہے

کچھ پہلے ہم نہیں سوچے تھے انجامِ عیش و مستی کو
ہستی کا سفینہ آخر کو دیکھا تو وقفِ طوفاں ہے

جس کالی کالی صورت سے خود مہرِ درخشاں ڈرتا ہو
وہ میری شامِ ہجراں ہے وہ میری شامِ ہجراں ہو

وہ طرزِ ستم کو کیوں چھوڑے، وہ رسمِ وفا کو کیوں مانے
وہ خوفِ خدا کو کیا جانے جو جان کا میری خواہاں ہے

اے اہلِ جنوں جو ملتا ہے بے عقل ہی اب تو ملتا ہے
یہ اہلِ خرد کی دنیا ہے یا دیوانوں کا بیاباں ہے

ہم نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب دنیا اپنی دنیا تھی
اب دل کو کہاں وہ حسرت ہے اب دل میں کہاں وہ ارماں ہے

یہ کیسا زمانہ پلٹا ہے، یہ کیسی فضائیں بدلی ہیں
کل تک تھی جسمیں آبادی کیوں آج وہ دنیا ویراں ہے

کیا راہِ طلب میں خوف اسے گو منزلِ الفت دور سہی
ہمت سے قدم جو اٹھاتا ہے دشوار بھی اسکو آساں ہے

اب اہلِ سخن وہ کہاں باقی اب قدرِ سخن وہ کہاں باقی
مہنگے ہیں مضامیں اب خوشتر محفل میں ترنم ارزاں ہے

حسرت کو پشیماں کون کرے جلوؤں کو پریشاں کون کرے
ہے تابِ نظارہ ہی کس کو دیدار کا ارماں کون کرے

ساماں کی زحمت ہو جس میں، وحشت کا وہ ساماں کون کرے
اب گھر ہی بیاباں ہو خود اب قصدِ بیاباں کون کرے

اندازِ بہاراں دیکھا ہے، ان باتوں میں کیا رکھا ہے
دل سیر ہے رنگِ ہستی سے تو سیرِ گلستاں کون کرے

قدرت کا یہ شاید منشا ہے، بدلے وہ نظامِ ہستی کو
حیوان بنے ہوں جب انساں حیواں کو انساں کون کرے

یہ جور و ستم یہ رنج و الم ہم سہہ لیں گے، سہہ لیتے ہیں
فریاد سے آخر کیا ہوگا، دنیا کو پریشاں کون کرے

اشکوں کو بہا کر کیا حاصل، دنیا کو دکھا کر کیا حاصل
جو دل میں غمِ الفت ہے نہاں آنکھوں سے نمایاں کون کرے

ایسی ہی اگر افتادیں ہیں گر پڑ کے گذارہ کر لیں گے
دنیا کی پریشاں حالی سے اب دل کو پریشاں کون کرے

بربادِ تمنّا اہلِ چمن ناشادِ چمن کو چھوڑ گئے
جب رنگِ گلستاں اڑ جائے تو فکرِ گلستاں کون کرے

غرقاب ہی بحرِ ہستی میں اے کشتی والو ہونا ہے
جب ذوقِ طوفاں لایا ہو تو خوفِ طوفاں کون کرے

اُمیدِ وفا ہے لاحاصل، آئینِ وفا ہے بے معنی
احسان کا بدلہ نقصاں ہو تو کس پر احساں کون کرے

اب اچھا ہونا ہے کس کو ہم اچھے ہیں جس حال میں ہیں؛
جب کام پڑے بے دردوں سے تو دردکا درماں کون کرے

لاحول میں ہے ماحول اس کا دیکھا ہے حسنِ عالم کو
کانٹوں میں الجھنا ہے کس کو پھولوں کا اب ارماں کون کرے

حاسد سے جہاں میں اے خوشتر بیکار ہے کچھ کہنا سننا
جو اپنی سزا خود پاتا ہو تو اس کو پشیماں کون کرے

پردۂ چشم غلط تھا پردۂ محمل نہ تھا
یہ فریبِ عاشقی اے قیس کب باطل نہ تھا

ہم تھے اور گم گشتگی تھی رہبرِ کامل نہ تھا
ہم سفر تھے لاکھ کوئی واقفِ منزل نہ تھا

بے خودی کا رنگ جب تک شوق میں شامل نہ تھا
مضطرب تھی زندگی دل کو سکوں حاصل نہ تھا

ٹوٹنا مشکل نہ تھا افکارِ باطل کا ہجوم
در حقیقت واقفِ رمزِ حقیقت دل نہ تھا

دیدیا دھوکا اسی نے ہم نے کی جس سے وفا
ہو گیا معلوم اپنا سا کسی کا دل نہ تھا

عیش کے دن آ گئے تو موت نے بھی لی خبر
جب مصیبت کا زمانہ تھا کوئی شامل نہ تھا

بحرِ غم سے کس طرف جاتا سفینہ عمر کا
ہر طرف طوفاں ہی طوفاں تھا کہیں ساحل نہ تھا

کیا سناؤں کس طرح گذرا ہے دورِ زندگی
جی رہا تھا اور مجھے جینے سے کچھ حاصل نہ تھا

مجھ سے اے ہمدم مقامِ رفعتِ ہستی نہ پوچھ
میں وہاں پہنچا جہاں کوئی مرا شامل نہ تھا

بدنصیبی نے ڈبویا میری کشتی کو وہاں
میری نظروں سے نہاں جب منظرِ ساحل نہ تھا

ولولے تھے، شوقِ الفت تھا، زمین و وسعت تھی
سب شریکِ حال تھے میرا ہی ظالم دل نہ تھا

درد و غم مانگے تھے میں نے عشق کی سرکار کر
کس لئے راحت ملی اس کا تو میں سائل نہ تھا

جو مرے کردار سے مطلب فرشتوں نے لیا
داورِ محشر وہ میرا مدعائے دل نہ تھا

اس پہ ہو جاتا کہاں سے انکشافِ رازِ دوست
رازدارانِ جنوں میں دل کسی قابل نہ تھا

مجھ کو ذوقِ دید نے بخشا ہے وہ عالی مقام
جو مقامِ عشق اہلِ ہوش کو حاصل نہ تھا

اب وہاں پہنچا دیا خوشتر مجھے تخیل نے
جو مقامِ شعر اہلِ فکر کو حاصل نہ تھا

اب نہیں تابِ تحمل بے قراروں میں نہیں
صبر کرنے کی سکت ہم غم کے ماروں میں نہیں

گل کھلائیں کیا کہ لالی سبزہ زاروں میں نہیں
کچھ نہیں سامانِ عشرت جب بہاروں میں نہیں

یا حقیقت ہی نہیں رکھتی کوئی بزمِ مجاز
یا حقیقت آشنا ہی رازداروں میں نہیں

خاک ہو کر بھی رہے لپٹے ترے قدموں سے ہم
خود فراموشی کا جذبہ خاکساروں میں نہیں

چھیڑ دیں سازِ طرب اگر جو بزمِ شوق میں!
سچ تو یہ ہے اب وہ نغمے ہی ہزاروں میں نہیں

تم کہاں ہو ڈال کر حسنِ ظاہر کا نقاب
جلوۂ گل پردہ در ہے پردہ داروں میں نہیں

اپنے ساقی پر فدا ہیں اپنے مسلک پر نثار
کون سی خوبی ہے جو ہم بادہ خواروں میں نہیں

انتہائے غم سے آنکھیں عاقبت پتھرا گئیں
بوند بھر پانی بھی اب ان آبشاروں میں نہیں

فصلِ گل آئی ہے ٹوٹا ہے طلسمِ انتظار
ذوقِ مستی جو خزاں میں تھا بہاروں میں نہیں

ڈوبتی جاتی ہیں نبضیں ٹوٹتا جاتا ہے راگ
اب نوائے سازِ ہستی دل کے تاروں میں نہیں

اور ہی ہوتی چلی ہے کچھ زمانے کی نظر!
اب وہ پہلی سی مروت غم گساروں میں نہیں

جائیگی دیوانگیٔ شوق اے خوشتر کہاں
غم کے ویرانے تو اب اپنے دیاروں میں نہیں

آفسردگی سے جان ہراساں ہے آج کل
سامانِ زیست خوابِ پریشاں ہے آج کل

دورِ بہار آکے پریشاں ہے آج کل
وحشت نمودِ گل سے نمایاں ہے آج کل

صحرا نورد وحشتِ جولاں ہے آج کل
پھر تار تار اپنا گریباں ہے آج کل

ہر سانس ایک درد کا ساماں ہے آج کل
غم شکلِ زندگی سی نمایاں ہے آج کل

ہے رہبری جنوں کی خرد کے نظام میں
دنیائے ہوش عقل سے حیراں ہے آج کل

حالِ بشر کو دیکھ غمِ زندگی نہ پوچھ
چہرے پہ مردنی سی نمایاں ہے آج کل

اہلِ جہاں ہیں مائلِ تخریبِ زندگی
ہر سو خراب صورتِ ساماں ہے آج کل

ماحولِ زندگی پہ مصیبت ہے کامراں
مرغِ چمن، چمن سے گریزاں ہے آج کل

کچھ بے سبب نہیں دلِ محزوں کا اضطراب
برہم نظامِ عالمِ امکاں ہے آج کل

پژمردگی گلوں پہ مسلط ہے کس لئے
کس کی نگاہِ بد میں گلستاں ہے آج کل

کھاتا ہے خار نغمۂ بلبل پہ باغباں
ہر گل چمن کا خارِ بیاباں ہے آج کل

جائے نکل کے کشتیٔ اُمید کس طرف
ساحل کے آس پاس ہی طوفاں ہے آج کل

پوچھو نہ ہم سے رہ گذرِ زندگی کا حال
طوفانِ حشر اس پہ خراماں ہے آج کل

ایک ایک کر کے ہم سے جدا ہو رہے ہیں دوست
کیا جانے کیا مشیتِ یزداں ہے آج کل

بزمِ سخن میں حضرتِ ناطق کے فیض سے
خوشتر بھی بذلہ سنجِ سخنداں ہے آج کل

نئے نئے گل، نئی بہاریں نیا چمن ہے نیا زمانہ
شباب پر سازِ زندگی ہے نیا ہے نغمہ نیا ترانہ

وہ خود سمجھ لیں دلوں میں اپنے انھیں سمجھتا ہے کیا زمانہ
قفس میں رہ کر جو ڈھونڈتے ہیں فضائے آرامِ آشیانہ

نصیب اپنا نہ ساتھ دیگا تو تنکا تنکا بنے گا دشمن
گرے گی برقِ ستم وہیں پر جہاں بنائیں گے آشیانہ

جہاں کی رنگینیوں میں پھنس کر عبورِ بحرِ الم نہ ہوگا
نکل سکوگے نہ الجھنوں سے اگر مخالف ہوا زمانہ

کہاں سے آئے سکونِ دل کو کہاں گذاریں خوشی کے لمحے
جہاں تھا دلبستگی کا ساماں اجڑ چکا وہ نشاط خانہ

کریں گے سامانِ عیش کو کیا کہاں سے لائیں ثباتِ ہستی
ہمیں بھی اٹھنا پڑے گا آخر جب اٹھ چکا ہوگا آب و دانہ

ترے کرم کی نگاہ مجھ پر پڑی ہے جب سے عنوانِ بزمِ الفت
ہر اک زباں پر ہے آج کل تو مری کہانی ترا فسانہ

خلوصِ دل سے اگر ہوں سجدے تو لطف آتا ہے بندگی کا
کششِ ہو اپنی جبیں میں اتنی کہ خود ہی کھنچ آئے آستانہ

شباب ظالم بنا ہوا ہے جوابِ ماہِ کمال ان کا
انہی سے محفل کی رونقیں ہیں انہی سے تابندہ ہے زمانہ

جب ان کی آنکھوں سے مل رہا ہے مدام پیمانۂ محبت
تو کیوں پھریں ہم خراب و خستہ تو کون ڈھونڈے شراب خانہ

مرے خیال و بیاں میں آکر نگار شعلوں پر نکھار آیا
مری ترنم نوازیوں سے یہ بول اٹھا ہے نگار خانہ

مذاقِ دنیا بدل کے رکھ دے کچھ ایسی اپنی روش ہو خوشتر
نگاہِ دشمن سے بھی عیاں ہوں جہاں میں اندازِ دوستانہ

فتنۂ روزگار کو دیکھئے خوابِ ناز میں
لاکھ بھری ہیں شوخیاں دیدۂ نیم باز میں

اہلِ نظر کے سامنے جلوہ گہہ مجاز میں
طور کا طور آگیا آپ کی بزمِ ناز میں

ہے یہ نیاز وجہِ ناز اہلِ نیاز کے لئے
یعنی مجھے نیاز ہے خدمتِ بے نیاز میں

عجز کو میرے دیکھئے اُن کا غرور دیکھئے
فرق یہی ہے اور کیا ناز میں اور نیاز میں

اُن کی ہر ایک بات میں کوئی نہ کوئی راز ہے
سیکڑوں ہیں حقیقتیں ان کے ہر ایک راز میں

طولِ حیات و بندِ جسم حیف ہماری زندگی
پائے جنوں پھنسا ہوا سلسلۂ دراز میں

خوشتر خوش بیان ہے بس یہ خدا سے التجا
اس کا نیاز ہو قبول اسکی حریمِ ناز میں

رہا نہ تو جو چمن میں تو زندگی نہ رہی
وہ رنگ روپ وہ سج دھج وہ دلکشی نہ رہی

اداس اداس رہی کیا رہی رہی نہ رہی
ترے بغیر خوشی سی کبھی خوشی نہ رہی

دکھا رہی ہیں اب ان کو نوازشیں کچھ اور
بہار و عیش مسرت کی زندگی نہ رہی

بچھا ہوا ہے اک اندھیرا یہاں اب تو
چراغِ بزمِ محبت میں روشنی نہ رہی

نہیں ہے راس مجھے آج تک فضائے چمن
مرے لئے تو بہاروں میں دلکشی نہ رہی

طلوعِ مہر سے بے نور ہو گئے انجم
وہ آئے اور چراغوں میں روشنی نہ رہی

فریبِ زیست کا مارا ہوا ہوں اب یہ نہ پوچھ
پیامِ دوست میں کیوں کوئی دلکشی نہ رہی

تمہاری خشک مزاجی سے ہو گیا دل سرد
وہ تھی جو کشتِ محبت ہری بھری نہ رہی

طلب سے تو نے زیادہ دیا ہے خوشتر کو
ترے کرم سے کسی بات کی کمی نہ رہی

ہم خاک ہو کے بجھ گئے الفت کی راہ میں
دیکھا تو پھر بھی کچھ نہیں اُن کی نگاہ میں

اتنی مصیبتیں ہیں کہ بس کچھ نہ پوچھیے !
لذت گناہ کی نہیں میرے گناہ میں

فریادِ عشق دل کے بھروسے خدا کی شان
اے داد خواہ کچھ نہیں رکھا گواہ میں

خانہ خرابِ شوق کی حالت پہ رو دیجے
برباد ہو گیا ہو جو بے کس نباہ میں

تر دامنی کی شان ہماری ہے دیدِ رشک
نکلے ہیں پاک ڈوب کے بحرِ گناہ میں

باقی نہیں رہا غمِ دنیا سے واسطہ
راحت ملی ہے غمِ دل کی پناہ میں

خود ساختہ ہے دل کی مصیبت کو کیا کہوں
ناداں دیکھ بھال کے ڈوبا ہے چاہ میں

یارب ترے سوا نہ ہو فکرِ طلب اسے
خوشتر کی یہ دعا ہے تری بارگاہ میں

غزل

اے ہم نشیں نہ پوچھ کہاں جا رہے ہیں ہم
لے جا رہا ہے شوق جہاں جا رہے ہیں ہم

لے جا رہا ہوں جان بچا کر جہان سے
سب چھوڑ کر یہاں کا یہاں جا رہے ہیں ہم

گمراہیوں پہ دوسرے لوگوں کی طنز ہے
خود کی خبر نہیں کہ کہاں جا رہے ہیں ہم

گم گشتگانِ منزلِ ہستی کی فکر کیا!
وہ سب وہیں ملینگے جہاں جا رہے ہیں ہم

کچھ تذ نہیں ہے تیرگیٔ قبر کا ہمیں
سینے میں لیکے داغِ نہاں جا رہے ہیں ہم

مہمان بن کے رہ گئے دنیا میں چند روز
قطعہ پھر لوٹ کر اب اپنے مکاں جا رہے ہیں ہم

واعظ یہ حال دیکھ کے محشر میں دنگ ہے
عاصی ہیں اور سوئے جناں جا رہے ہیں ہم

یہ سب کرم ہے شافعِ محشر کا دیکھئے
جانا کہاں تھا اور کہاں جا رہے ہیں ہم

خوشتر تلاشِ یار میں بھٹکے بہت مگر
اب مل گیا ہے اُسکا نشاں جا رہے ہیں ہم

نہیں فرصت اُسکو ملی کبھی جو حباب تن کے یہاں اٹھا
وہیں آسماں نے دبا دیا یہ سرِ غرورِ جہاں اٹھا

یہی موت اہلِ ہوس کی ہے کہ نہیں شمار و قطار میں
نہ عبث تکلفِ جد کرو نہ فضول تیر و کماں اٹھا

دلِ غم نصیب کی کیا کہوں کہ وہ جل کے خاک میں مل گیا
مرے ضبط کا تھا یہ حوصلہ کہ نہ آہ کی نہ دھواں اٹھا

ابھی ہے امید لگی ہوئی ابھی زندہ قیدِ قفس میں ہوں
مرے آشیاں کو ابھی تو تو نہ چمن سے بادِ خزاں اٹھا

کبھی در پہ ہو بھی گیا گذر تو جو پاسباں کو ہوئی خبر
مجھے بیٹھے دیکھ لیا اگر تو لیا ہے سر پہ مکاں اٹھا

مجھے فکرِ صدمۂ جور سے مری بے خودی نے بچا لیا
نہ خبر کہ چوٹ کہاں لگی نہ پتہ کہ درد کہاں اٹھا

کوئی لطفِ زیست جہاں میں ہے تو شراب ناب کے ساتھ ہے
جو سبو اٹھانے کا فکر ہو تو ہمیں بھی پیرِ مغاں اٹھا

ہے جہاں میں خو شکستیِ غمزدہ کی یہ تجھ سے ہر گھڑی التجا
مرے سر سے جلد تو اے خدا یہ گنہ کا بارِ گراں اٹھا

کیا لیں گے چل کے ساتھ چلے بھی جو ہم ابھی
اے انقلاب سست ہیں تیرے قدم ابھی

دل کو نہیں ہے رغبتِ دام و درم ابھی
کھویا نہیں ہے میں نے کچھ اپنا بھرم ابھی

دنیا میں یادگارِ سلف ہے مرا وجود
میرے قدم کے ساتھ ہے راہِ قدم ابھی

کس طرح مان لوں کہ زمانہ ہے اُن کا
ہوتا ہے مجھ پہ روز نیا اک ستم ابھی

ہر کشمکش میں شیخ و برہمن کی زندگی
سمجھے نہیں یہ وحدتِ دیر و حرم ابھی

ملتا نہیں خود اپنی طرف دیکھنے کو وقت
ہم کو تو کھا رہا ہے زمانے کا غم ابھی

حالِ خراب کی یہ مصیبت تو دیکھئے
میری نظر میں ہیں وہی جاہ و حشم ابھی

خوشتر اثر ہے موج پہ وقتِ دعا نہ چھوڑ
میرے لئے ہے جوشش پہ بحرِ کرم ابھی

میں چلا ہوں، مری پردیس میں ہے مہمانی
لے چلا ہے مجھے گھر سے مرا دانہ پانی

چھان ڈالا ہے بہت ہم نے جہانِ فانی
کسی نظارے سے ہوتی نہیں اب حیرانی

بڑھ کے رحمت نے سنبھالا ہے مجھے حشر میں جب
ہو گیا بحرِ گنہ دیکھ کے پانی پانی

بزمِ نظارہ کبھی وجہِ تسلی نہ ہوئی
آئینہ رو مری بڑھتی ہی گئی حیرانی

اپنی مرضی پہ تو ہوتا نہیں جینا مرنا
یہ تو انساں کے لئے بات نہیں امکانی

عقل مندی میں سمجھتے ہیں وہ یکتا خود کو
روز دانستہ کیا کرتے ہیں جو نادانی

مطمئن موجِ حوادث سے گذر جاتا ہوں
مشکلوں میں نظر آتی ہے مجھے آسانی

مجھ کو آرام کا احساس نہ راحت کی خبر
جانتا ہوں کہ ہر اک چیز ہے آنی جانی

کروٹیں لیتی ہے جب دل میں تمنائے نشاط
خواہشِ زیست بھی ہو جاتی ہے کچھ طولانی

آدمی کے لئے کیا چیز ہے صحرائے وجود
زندہ جبتک ہے سمجھ لیجئے ہے زندانی

رازدارانِ چمن ہو گئے آوارہ وطن
کس سے پوچھیں کہ گلوں پر ہے یہ کیوں حیرانی

بزمِ رنداں میں جب آیا ہے تو پی لے واعظ
کیوں یہ تھوڑی سی مسلمانی میں آنا کانی

کچھ نہیں ہند میں خوشترؔ کی خوشی کا ساماں
جا کے طیبہ میں دوا ہے یہ دلیلِ ثانی

غزل

بت نہ ہوں گے تو کہاں عیش کے ساماں ہوں گے
گل و گلزارِ ارم خار و بیاباں ہوں گے

خود مرے حالِ پریشاں سے پریشاں ہوں گے
وہ پریشان نہ ہوں گے بھی تو حیراں ہوں گے

راحتِ اہلِ مصیبت کے نہ ساماں ہوں گے
بحرِ ہستی میں تو طوفان ہی طوفاں ہوں گے

اپنے گھر ہی کی مصیبت سے پریشاں نہیں
ہم بھلا کس لئے زنداں سے پریشاں ہوں گے

کام ہمت سے جو لے گا تو جہاں میں کیا ہے
کام مشکل سے بھی مشکل ترے آساں ہوں گے

آپ بن جائے گی صد رشکِ چمن بزمِ نشاط
جب بہار آئے گی ہر رنگ کے ساماں ہوں گے

آپ کیوں پوچھتے ہیں مجھ سے دلِ زار کا حال
آپ سے کیا مری تسکین کے ساماں ہوں گے

آپ یہ طرزِ جفا وجہِ ندامت ہوگا!
دیکھنا خود ہی کسی دن وہ پشیماں ہوں گے

خود کو میں بھول تو جاؤں وہ دن آجائے گا
حسرتیں ہوں گی کہیں دل میں نہ ارماں ہوں گے

شیخ کام آئیں گے نکلے ہوئے بت خانے کے
یعنے کافر نہ رہیں گے تو مسلماں ہوں گے

آپ ہی اک نہیں محرومِ تمنا خوشتر
اس زمانے میں تو ایسے بہت انساں ہوں گے

کانٹوں بھرا وجود ہے دل بیش و کم ابھی
دامانِ زندگی میں ہیں رنج و الم ابھی

راہِ طلب میں دیکھئے چلنا ہو تا بہ کے
ڈر ڈر کے میں اٹھا تو رہا ہوں قدم ابھی

کس سمت جائیں کشتیِ امید لے کے ہم
چاروں طرف ہے ایک ہی طوفانِ غم ابھی

اب تک تو ہے وہی جو زمانے کا تھا چلن
جاری ہیں اہلِ جور کے ظلم و ستم ابھی

میں جانتا ہوں ثروتِ شداد کا مآل
بھولا نہیں ہوں قصۂ باغِ ارم ابھی

غیروں کے ذکرِ خیر سے فرصت کہاں انہیں
اہلِ حسد ہیں محوِ غمِ بیش و کم ابھی

ہر رند کی نوازشِ ساقی پہ ہے نظر
خوش ہوں کہ بندھا ہوا ہے کرم کا بھرم ابھی

آپ اللہ مرے درد کا درماں کر دیں
ایک بار اور علاجِ غمِ ہجراں کر دیں

یہ وہ کافر ہیں کہ جو کفر کو ایماں کر دیں
بت ہی چاہیں تو مجھے پھر سے مسلماں کر دیں

خانہ آرائی الفت کا زمانہ نہ رہا
اب تمنا ہے کہ ہم گھر کو بیاباں کر دیں

وہ اگر چاہیں تو اجڑی ہوئی دنیا بس جائے
میرے ویرانے کو صد رشکِ گلستاں کر دیں

کارواں والے سب اُجڑے نظر آتے ہیں
ساتھ اچھا ہے چلیں کوچ کا ساماں کر دیں

ہم ہیں واقف اثرِ آہ و فغاں سے اپنے
آج چاہیں تو بپا حشر کا طوفاں کر دیں

ہم نے سمجھا ہے یہی مقصدِ دنیائے حیات
خود پریشان ہوں عالم کو پریشاں کر دیں

سب کچھ آسان ہے اُن کیلئے مشکل نہیں کچھ
وہ اگر چاہیں تو مشکل مری آساں کر دیں

میں تو محشر میں یہی اُن سے کہوں گا خوشتر
اپنی رحمت کے حوالے مرے عصیاں کر دیں

غزل

میکش بھی وہی محفل بھی وہی مے بھی وہی لیکن عام نہیں
ساقی کی عنایت ہی یہ بھی پہلا سا جو دورِ جام نہیں

راحت کا زمانہ بیت گیا وہ صبح نہیں وہ شام نہیں
دن رات مصیبت سے ہے اب تو پل بھر بھی ہمیں آرام نہیں

آرام سے ہیں اربابِ وفا کچھ کام بھی اور کچھ کام نہیں
ہے اہلِ جفا کو فکرِ جفا حاصل تو انہیں آرام نہیں

دنیا سے ہوا ہے کیا حاصل دنیا کے ہیں دھندے لاحاصل
ہے فیصلہ پختہ کاروں کا میرا ہی خیالِ خام نہیں

تکلیف میں کب آرام نہیں راحت میں کہاں آلام نہیں
ہر منزلِ ہستی دیکھ چکے دو گام خوشی دو گام نہیں

صیاد کا شکوہ کیا کیجے ہے ہم کو سکونِ دل حاصل
جس دن سے قفس میں آئے ہیں اس دن ہی سے خوفِ دام نہیں

ہر رنگِ مجازِ ہستی میں اک رازِ حقیقت مضمر ہے
جلوہ ہے عیاں بھی پنہاں بھی یہ عام بھی ہے اور عام نہیں

غم جس کا کھانا پینا ہے غم کھا کر جس کو جینا ہے
اس دل کی مصیبت کیا کہیے جس دل میں خوشی کا نام نہیں

پتے وہ کہاں تک پردوں میں خود سامنے آخر آ ہی گئے
اس حسن میں جرأت تھی اتنی جب عشق ہی اپنا خام نہیں

ہم کارِ جہاں سے بے پروا باکار بھی ہیں بے کار بھی ہیں
گذری ہی یونہی بس عمرِ رواں کچھ کام کیا کچھ کام نہیں

وہ وقتِ مروت آج کہاں وہ دورِ محبت آج کہاں
کیا ڈھونڈ رہے ہو اے خوشتر اب مہر و وفا کا نام نہیں

بناتا ہے وہی بگڑا مقدر ہم نے دیکھا ہے
وہی قطرے کو کرتا ہے سمندر ہم نے دیکھا ہے

جناب شیخ کیا کرتے ہیں دعویٰ پارسائی کا
انھیں بھی ایک دن جامے سے باہر ہم نے دیکھا ہے

بُرا کہتی ہے اچھوں کو اگر دنیا تو کہنے دو
زمانے میں یہی ہوتا ہے اکثر ہم نے دیکھا ہے

حقیقت کوئی پوچھے ہم سے آ کے ہمنشیں اس کی
بہارِ عیش کی دنیا میں رہ کر ہم نے دیکھا ہے

جسے دیکھا بھٹکتا ہے وہی اس دشت میں آ کر
بہت دنیائے فانی کو بھٹک کر ہم نے دیکھا ہے

جسے پایا اُسے مطلب کا اپنے آشنا پایا
جہاں والوں کو اکثر آزما کر ہم نے دیکھا ہے

چمن کے رہنے والو تم قفس کا حال کیا جانو
یہ باتیں ہم سے پوچھو اسیر ہو کر ہم نے دیکھا ہے

خدا کی شان تو دیکھو وہی اب ہم سے اڑتے ہیں
جنھیں بے بال و پر دنیا میں اکثر ہم نے دیکھا ہے

سمجھتی تھی جنھیں دنیا کبھی آرائشِ ہستی
انھیں لوگوں کی بربادی کا منظر ہم نے دیکھا ہے

حسد کی آگ سے کھیلے عدو بچ کر نہ جائے گا
ہزاروں مر گئے ہیں اس میں جل کر ہم نے دیکھا ہے

بڑی قسمت ہے ایسی جس کی خوشتر بات بن جائے
بنا کرتا ہے مشکل سے مقدر ہم نے دیکھا ہے

یوں اپنی زندگی کو نہ تو رائیگاں بنا
قسمت سے کام لے اور اب کامراں بنا

بدلی فضائے دہر نیا آسماں بنا
سب گل نئے بنے ہیں نیا گلستاں بنا

رنگینیٔ خطاب ہے عنوانِ حسن میں
اپنے بیانِ عشق کو اک داستاں بنا

گم گشتہ حسرتوں کا اے دل نہ کر خیال
تو میرِ کارواں ہے تو پھر کارواں بنا

اہلِ جہاں کی راہ تو چلنا نہیں درست
تیری جہاں چلے کوئی ایسا جہاں بنا

احسان باغباں ہو نہ صیاد کا ہو ڈر
ایسا چمن سے دور کہیں آشیاں بنا

یوں زندہ رہ کہ زندہ رہے بعدِ مرگ بھی
اس زندگی کو زندگیٔ جاوداں بنا

ہوتا ہے کون کس کا زمانے میں غم گسار
اے دل کسی کو تو نہ یہاں رازداں بنا

خوشتر کا اور کون ہے تیرے سوا معین
بگڑی کو اس کی اے شہ کون و مکاں بنا

پُر مشکل پسند آسان منزل ہوتی جاتی ہے
جفاکش سے ہمیشہ دُور مشکل ہوتی جاتی ہے

ہمیں شہرت جہاں والوں میں حاصل ہوتی جاتی ہے
ہماری داستاں کہنے کے قابل ہوتی جاتی ہے

خدا یاد آرہا ہے ہمکو اِس اندازِ غفلت سے
خدا کی یاد سے دنیا جو غافل ہوتی جاتی ہے

وہ سنکر قصّۂ غم شاد ہوتے ہیں تو غم کیسا
خوشی کی بات اب بربادیٔ دل ہوتی جاتی ہے

لحاظ آنے لگا ہے ان کو اس چشمِ تمنّا کا
کسی داتا کو یعنی فکرِ سائل ہوتی جاتی ہے

ہوا جاتا ہے اندھا پند گو کوتاہ بینی سے
حقیقت بھی نظر میں اسکی باطل ہوتی جاتی ہے

لہو کے گھونٹ پی لیتے ہیں ساقی کی عنایت سے
یہ بات اب مشربِ رنداں میں داخل ہوتی جاتی ہے

سنبھالا جب سے ہر خوشتر نے دامن آلِ حرمت کا
جہاں والوں میں عزت اسکو حاصل ہوتی جاتی ہے

پڑی ہے فکر جو آتے ہی اُس کو جانے کی
تو پھر یہ کس لئے تکلیف کی تھی آنے کی

وہ ظلم آپ کے اور سختیاں زمانے کی
بتائیے کہ یہ باتیں ہیں بھول جانے کی

تمہارے نام کی شہرت ہے اب زمانے میں
تمہارے نام سے شہرت ہے اب زمانے کی

نہیں ہے ربط جو ناصح کو بزمِ رنداں سے
تو بات آتی ہے کیوں پینے اور پلانے کی

ہماری بزم میں بن بن کے واعظ آتا ہے
چلی ہے روز ہی کوشش ہمیں بنانے کی

ابھی سے تم مری باتوں پہ ہوتے ہو ناراض
ابھی تو ہیں کئی باتیں تمھیں بتانے کی

ہمیں سے سیکھے ہیں اندازِ دلبری تم نے
ہمیں سے راہ نکالی ہے روٹھ جانے کی

جو تم کو چاہے اُسے تم بھی چاہو اے خوشتر
کہ آج کل یہی رفتار ہے زمانے کی

غزل

پژمردہ دل ہوں مجھ کو خوشی کیا قرار کیا
اجڑی ہوئی چمن میں خزاں کیا بہار کیا

ہوگا نہ ساتھ باغ میں وہ گلعذار کیا
اب کے بھی یوں ہی جائیگی فصلِ بہار کیا

دنیا ہٹا رہی ہے اسے اپنی راہ سے
مٹی کا ایک ڈھیر ہے میرا مزار کیا

کچھ ہو تو جائے ساغر و مینا کا انتظام
آخر کرے گی آکے اکیلی بہار کیا

برداشت غم کی ہے مری تقدیر میں لکھی
یہ بھی نصیب ہے مرے پروردگار کیا

کیا کیا ہوا نہ نام خدا پر وہ بت خفا
منھ سے نکل گیا مرے بے اختیار کیا

میں جانتا ہوں یہ کہ مجھی کو جلائے گا
رکھا ہے تجھ میں اے نفسِ شعلہ بار کیا

اب اپنے رازِ دل کو چھپاتا نہیں ہیں
ہے پردہ در کی فکر یہاں پردہ دار کیا

چھپتی نہیں ہے اس سے تو اپنے بھی دل کی بات
خوشتر کو وہ بنائیں بھلا راز دار کیا

بدلی ہے وضعِ رسمِ محبت نے حال میں
ہر روز ہو رہا ہے اضافہ ملال میں

مشکل علاج کیا مرضِ لازوال میں
رہنے دو اے طبیب مجھے میرے حال میں

عیش و نشاط اور مزہ خواب و خیال میں
راحت کی فکر اور تمہاری سَلال میں

اب اپنی قیدِ غم سے رہائی محال ہے
اِسطرح فکرِ زیست نے پھانسا ہے جال میں

کیا خار زارِ زیست میں اُلجھا ہے بال بال
ہم آ کے پھنس گئے ہیں یہاں کس وبال میں

کس کی نظر ہے مجھ پہ یہ میری نظر میں ہے
ہوں کس کے دل میں یہ نہیں آتا خیال میں

جس پر ہے میری شوق کی دنیا کا انحصار
وہ مرکزِ حیات ہے میرے خیال میں

قاصد نکلنے والی ہے مطلب کی بات کیا
جانے دو کیا دھرا ہے جواب و سوال میں

اچھے اگر گئے تو برے دن رہیں گے کیا
اے دل رہا ہے کون مدام ایک حال میں

رنگِ چمن، بہارِ چمن، رونقِ چمن:
پھیکے سے پڑ گئے ہیں سب اُن کے ملال میں

خوشتر کو دو جہاں کی ہوں سب برکتیں نصیب
یہ التجا ہے بارگہِ ذوالجلال میں

نشاط و عیش کی دنیا سے غم خانے کہاں جاتے
ہمارے ساتھ ہیں اب تک یہ کاشانے کہاں جاتے

مئے عشرت کا کیا ہوتا یہ پیمانے کہاں جاتے
نہ ہوتی میکشی قائم تو میخانے کہاں جاتے

عیاں ہر اک پہ کیوں رازِ نیاز و ناز ہو جاتا
صنم خانوں کو رہنا تھا صنم خانے کہاں جاتے

رہینِ ظلمتِ رنگیں نہیں ہوتی اگر ہستی
تو شمعِ زیست کے مدہوش پروانے کہاں جاتے

یہ مانا کیف و مستی انکی آنکھوں میں بہت کچھ ہے
جو نظروں سے پلا دیتے تو پیمانے کہاں جاتے

کہیں دیر و حرم سے بھی الگ کوئی ٹھکانا تھا
تلاشِ یار میں آخر یہ دیوانے کہاں جاتے

کبھی فرصت میں اپنے دل سے کر لیتے ہیں دو باتیں
سنانے اہلِ الفت غم کے افسانے کہاں جاتے

سلامت اے جنونِ شوق تیری کارفرمائی
نہ دیتی ساتھ وحشت بھی تو ویرانے کہاں جاتے

سہارا ان کے سنگِ در کا اچھا مل گیا ورنہ
بجرمِ یاس میں گھبرا کے دیوانے کہاں جاتے

مجازِ عشق وجہ ناز ہے ان کے لئے ورنہ
کہاں رہتے حسینوں کے یہ افسانے کہاں جاتے

یہی ہنگامۂ دورِ سخن ہوتا تو اے خوشتر
وہ عقل و ہوش کی محفل کے فرزانے کہاں جاتے

وہ شاخِ گل، نہ خاکِ آشیاں رکھتے تو اچھا تھا
مری بربادیوں کو بے نشاں رکھتے تو اچھا تھا

دلِ ناشاد کو تم شادماں رکھتے تو اچھا تھا
ملا تھا مہرباں اک قدرداں رکھتے تو اچھا تھا

ہمیں پر کس لئے نامہربانی غیر بھی تو ہیں
اصول اپنا یہی اے مہرباں رکھتے تو اچھا تھا

کوئی تم سے زیادہ بیوفا؟ تم نے تو حد کر دی
مری حد تک اگر میرا بیاں رکھتے تو اچھا تھا

ترے غم کے مزے لینے کو فرصت کی ضرورت تھی
اگر عاشق حیاتِ جاوداں رکھتے تو اچھا تھا

زمیں دیکھی تو کیا پایا فلک دیکھا تو کیا دیکھا
نظر میں ہم انھیں کا آستاں رکھتے تو اچھا تھا

بیانِ شوق میں گو شانِ یکتائی بھی اچھی ہے
مگر یہ بھی کہ ہم بھی ہمزباں رکھتے تو اچھا تھا

ہوئی کچھ بدشگونی ہم سے ان کے آگے رونے میں
مسرت کے تو آنسو تھے نہاں رکھتے تو اچھا تھا

خیالِ یار رہبر تھا، امیدیں راہ پیما تھیں
الگ ہم سب سے اپنا کارواں رکھتے تو اچھا تھا

یہیں سے ختم کر دی منزلِ راہِ طلب تم نے
دلوں میں جستجوئے دو جہاں رکھتے تو اچھا تھا

بہت پچھتائے خوشتر اُن سے حرفِ مدعا کہہ کر
اگر خاموش ہی اپنی زباں رکھتے تو اچھا تھا

نصیب جس میں سکوں تھا ہمکو کہاں وہ اب زندگی ملیگی
وہ کب مسرت کا دور آئیگا دلکو پھر کب خوشی ملیگی

کبھی خوشی میں بھی غم ملیگا کبھی غموں میں خوشی ملیگی
غم و مسرت کی ہے یہ بستی یہاں تو دنیا یہی ملیگی

یہ کر و فر کا جہاں ہے سارا یہ شان و شوکت کی محفلیں ہیں
یہاں خیالاتِ زندگی میں کسی کو کیا سادگی ملیگی

اسی سے ہے ہست و بودِ ہستی اسی کی ہے یہ نمود ساری
جدھر اٹھا کر نگاہ دیکھو اسی کی جلوہ گری ملیگی

جہاں کی تاریکیوں میں پھنس کر کہاں بھٹکتا پھرا کریگا
کہاں چلا ہے کدھر چلا ہے یہاں کہاں روشنی ملیگی

تجھے اگر وقت کاٹنا ہے تو کر خزاں سے بھی ربط پیدا
بہار آئیگی کب چمن میں جہاں کو کب تازگی ملیگی

جہاں کی بزم خراب میں ہے عبث تلاش نشاط تجھکو
نہ دل گرفتہ ہو جستجو میں یہاں نہ دل بستگی ملیگی

طلب کا الٹا اثر ہے دنیا میں یہ سبق مل کے تم سے سیکھا
کسے خبر تھی کہ دوستی کے عوض ہمیں دشمنی ملیگی

نصیب بگڑے ہوئے ہیں جنکے عتاب جنپر ہے زندگی کا
جہاں کہیں جائینگے جہاں میں انھیں وہی بیکسی ملیگی

یہی جو حالت رہی جہاں کی تو رنگ عالم عجیب ہوگا
نئے نئے انقلاب ہوں گے نئی نئی زندگی ملیگی

یہی مذاق عوام لیکر چلیں گے اہل سخن جو خوشتر
ادب کی دنیا میں کیا رہے گا کہاں تمھیں شاعری ملیگی

بیخود رمزِ حقیقت ہوش کا قائل نہیں
یعنی دیوانہ یہ اپنے کام سے غافل نہیں

جانتے ہیں رند ہی اسرارِ جرمِ میکشی
شیخ سمجھا ہے کہ یہ عرفان کی محفل نہیں

ہے یہیں سب کچھ خیالِ غیر میں رکھا ہے کیا
اپنی ہستی کا تجھے ادراک ابھی حاصل نہیں

چاہیے تیرا کرم اے ساقیٔ بزمِ نشاط
تو سلامت میری مشکل اب مجھے مشکل نہیں

دم لیا مجبوریوں نے رک گئے پائے طلب
میں جہاں ٹھہرا ہوں آکر یہ مری منزل نہیں

یہیں کہیں تھا، خودی تھی اور جلووں کا ہجوم
وہ مقامِ زندگی افسوس اب حاصل نہیں

وہ نظر آتا نہیں جس کی نگہ کو ہے تلاش
جو نظر آتا ہے اب وہ دید کے قابل نہیں

زندگی کی گتھیوں میں تو ہے خود الجھا ہوا
توڑ رشتہ ان کو سلجھانا کوئی مشکل نہیں

وہمِ باطل میں نہ رہ اپنی حقیقت کو سمجھ
سب حقیقت ہی حقیقت ہے کہیں باطل نہیں

زورِ طوفاں سے لڑا دینا ہے کشتی کو مجھے
سامنے ساحل ہے لیکن سامنے ساحل نہیں

اے نگاہِ منتظر لے اٹھ گئی رسمِ حجاب
ہیں وہی اب ہر طرف پردہ کوئی حائل نہیں

باعثِ صد ناز ہے خوشتر کرم اُن کا مجھ
خادمِ اہلِ سخن ہوں کیوں کسی قابل نہیں

غزل

بھول گئی اسے صبا دوسرے کاروبار میں
غنچۂ دل کھلا نہیں اب کے برس بہار میں

عمر خوشی سے کاٹ دے جامۂ تار تار میں
اے دلِ زار کچھ نہیں خلقتِ زرنگار میں

دیکھ تو لیتے آکے آپ اس مری حالِ زار میں
اتنی تو بات تھی ضرور آپ کے اختیار میں

ٹال گئے تھے ہنس کے پھول کانٹوں نے زخم سی دیے
مجھکو خزاں میں وہ ملا جو نہ ملا بہار میں

میرے لئے اسے مرا بختِ سیاہ مل گیا
لگ گئے چار چاند اب گردشِ روزگار میں

وحشتِ دل عیاں ہوئی دیدۂ اشک بار سے
رنگِ جنوں نکھر گیا دامنِ تار تار میں

ہو کے فضول رہ گئیں اُن کی کرم نوازیاں
آئی نہ تابِ زندگی میرے دلِ فگار میں

مٹ گئی دل کی تیرگی نورِ جمالِ یار سے
لاکھوں چراغ جل اُٹھے سینۂ داغدار میں

اپنے تو اپنے تھے مگر غیر بھی اپنے ہو گئے
اپنی بنی کچھ ایسی بات محفلِ سازگار میں

مجھ سے وقار بڑھ گیا آپ کی بزمِ ناز کا
عشق سے رنگ آ گیا حسن کے لالہ زار میں

بات یہ کہنے کی نہیں کیسے گزارا ہو گیا
ہم نے گزاری ہے عمرِ دوست کی رہگذار پر

آئیگا خوشتر اب کہاں دورِ وفا جو تھا یہاں
کوئی تو پوچھتا نہیں کون ہے کس شمار میں

غزل

دل تو جاتی ہے وہاں کس سے بچایا جائے ہے
دل ربائی اپنی والی پر جہاں آجائے ہے

یا وہ دن بھی تھے کہ شرمائی ہوئی آتی تھی بات
یا یہ دن بھی ہیں انھیں شرم آ کے شرما جائے ہے

جلوہ ارزاں ہے مگر پیدا تو کر لے ذوقِ دید
دیکھتا جا دیکھنے والا بھی دیکھا جائے ہے

پند گو باتیں پتے کی یوں تو کرتا ہے مگر
پانیوالا کوئی پا کر ہے تو کھویا جائے ہے

پار پائے گا کہاں تک شورشِ سیلاب سے
دیکھتے جاؤ ابھی گھر تھک کے بیٹھا جائے ہے

تو نے کیا سمجھا ہے اے ناداں جنونِ عشق کو
چارہ گر چل ہٹ کہیں سستا یہ سودا جائے ہے

جیتے جی رہتا ہے رونا ہی بچھڑ جانے کے ساتھ
ہاں مگر انسان مر جائے تو صبر آجائے ہے

شاعری کی آس پہ رہتی ہے نگاہِ امتیاز
خوشترِ شیریں بیاں ممتاز ہوتا جائے ہے

پیرِ مُغاں نے دے کے مے مجھکو نہال کر دیا
رشکِ سرورِ جامِ جم، جامِ سفال کر دیا

بزمِ بُتاں سے غیر کا، ختم سوال کر دیا
ہم نے نکال کر اُسے، آج نہال کر دیا

دل پہ مری نظر نہیں، اپنی مجھے خبر نہیں
اُن کی حریمِ ناز نے، محوِ جمال کر دیا

پاسِ حجاب آگیا، کچھ نہ جواب دے سکے
میں نے نوازشوں کا جب، اُن سے سوال کر دیا

تنگیٔ دل سے تنگ ہوں موت کی آرزو ہے اب
زیست کو غم نے گھیر کر مجھ پہ وبال کر دیا

دید کی محویت میں ہم، دل کو چھپا نہیں سکے
طرزِ نظر نے آج انھیں، واقفِ حال کر دیا

ناقہ سوار آگیا، گھوم کے دشتِ نجد میں
عشقِ جنوں نواز نے، یہ تو کمال کر دیا

حیف ستم ظریفیٔ فطرتِ روزگار پر
اس نے تو معصیت کو بھی شاملِ حال کر دیا

کر نہ شباب پر گھمنڈ، بدر کا حال دیکھ لے
زعمِ کمال نے اُسے وقفِ زوال کر دیا

شامِ فراق بن گئی، اپنی تو شامِ زندگی
وصل کی آرزو جو تھی، اُس نے وصال کر دیا

کٹ گئے چار چاند یوں عالمِ انتظار میں
نامۂ شوق نے ترے آ کے نہال کر دیا

غیر سے بھی نباہ کر اپنی روش سنبھال لی
خوشترِ خوش خرامِ زیست تو نے کمال کر دیا

نعت گو شعراء کے انتخابی سلسلہ میں

جناب ڈاکٹر ممتاز احمد خاں صاحب

خوشتر کھنڈوی

کی

ایمان افروز اور روح پرور نعتوں کا مجموعہ

گل افشانیاں

بہت جلد شائع ہو رہا ہے

قیمت ۔ ساٹھ پیسے

مکتبۂ دین و ادب

کچا احاطہ

لکھنؤ